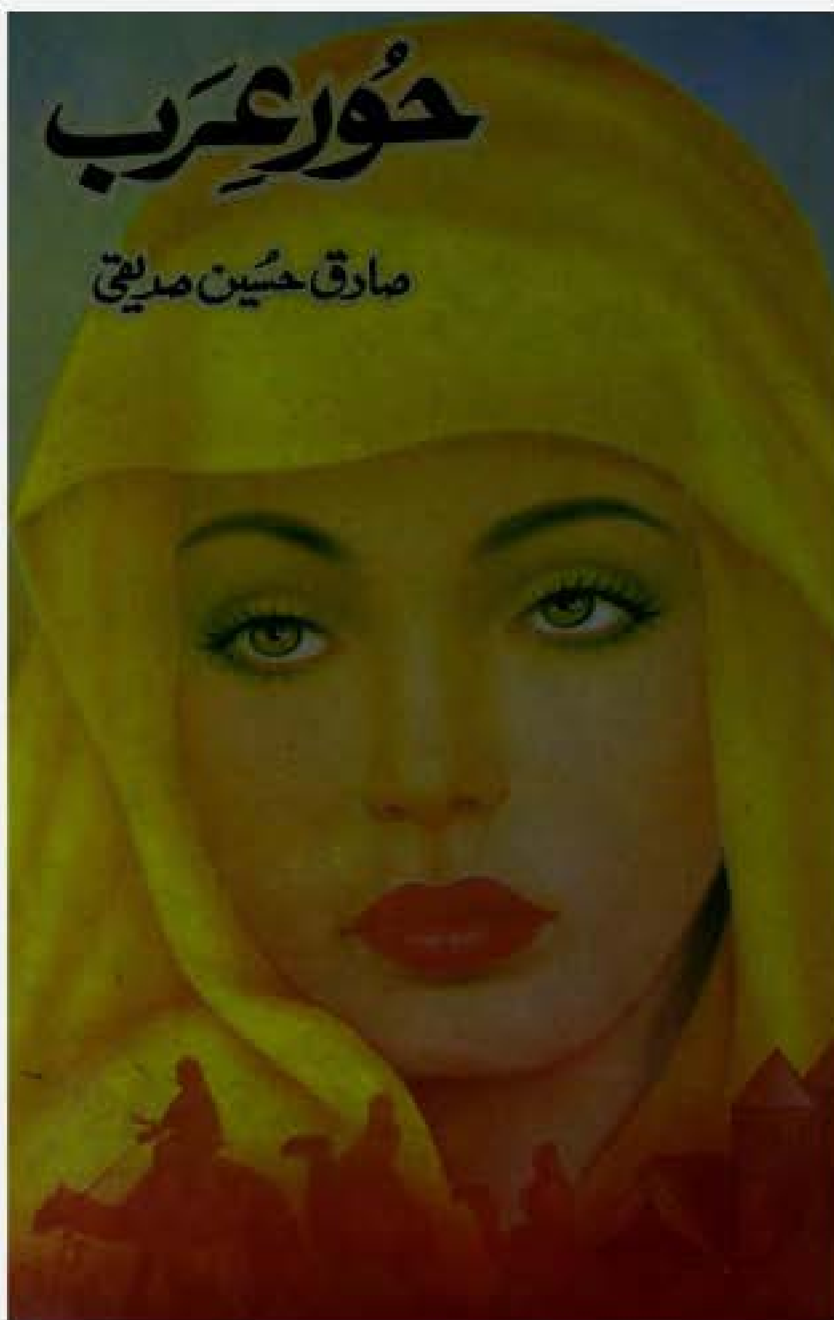


حورِ عرب
صادق حسین صدیقی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حورِ عرب

حورِ عرب

صادق حسین صدیقی

شاہد بکڈپو اردو بازار جامع مسجد دہلی

شاہد

ناشر : شاہد

طابع : اے-وَن پریس دہلی

تعداد : ایک ہزار

سنِ اشاعت : 1994

قیمت : -/50 روپے

پروسیس مصور کمپیوٹر پروسیس ۱۰۹۶ گنج میر خان دہلی

شاہد بکڈپو اردو بازار جامع مسجد دہلی

(۱)

مشورہ

سلطان صلاح الدین کی لشکر کشی کی خبر بجلی کے پر لگا کر تمام بلادِ نصاریٰ میں پہنچ گئی۔ ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سلطان بہت تھوڑی فوج کے ساتھ محض اپنے بھائی مسلمانوں کی ہمدردی اور اعانت کے جذبہ سے سرشار ہو کر عیسائیوں سے مقابلہ کے لئے نکل کھڑا ہوا ہے۔ اس تھوڑے سے اسلامی لشکر کے بھی ٹکڑے ہو گئے ہیں۔ کچھ فوج سلطان نے اپنے بڑے لڑکے الافضل کو دے کر عکا کی طرف روانہ کیا ہے اور کچھ لشکر لے کر خود سلطان بصرو کی طرف روانہ ہوا ہے۔

عیسائیوں نے الافضل کے مقابلہ کے لئے عظیم الشان لشکر فراہم کیا اور صفوریہ کے میدان میں ڈٹ گئے۔ الافضل نے خدا کے بھروسہ پر اپنے سے چہار گنا لشکر پر حملہ کر دیا خدا نے مسلمانوں کو فتح دی نصرانی لشکر پارہ پارہ ہو گیا۔ صرف تین آدمی مشکل سے اپنی جانیں بچا کر لے جا سکے۔ اس نصرانی لشکر میں عیسائی دنیا کے ہر حصہ کے سپاہی موجود تھے۔ جب نصرانیوں کو اس لشکر کی تباہی اور بربادی کی خبر معلوم ہوئی۔ تمام ملک میں آہ و واویلا کی صدائیں بلند ہو گئیں۔ ہر گاؤں، ہر قصبہ اور ہر شہر میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ بچے رونے، عورتیں بین کرنے اور مرد آنسو بہانے لگے۔

کاش نصرانی ظلم و ستم کرنے سے پہلے اس کا انجام سوچ لیتے۔ اگر وہ دستِ ظلم دراز نہ کرتے مسلمانوں کو نہ ستاتے تو آج رنج و غم میں مبتلا ہو کر شیون و فریاد نہ کرتے۔

صفوریہ کی پہلی ہی فتح نے نصرانیوں کو حواس باختہ کر دیا۔ پادری سینٹ رولی اللہ
ٹس اور راہب کینسوں اور گرجاؤں سے باہر نکل آئے۔ انہوں نے اسلام اور مسلمانوں
کے خلاف تقریریں کر کر کے عیسائیوں میں جوش بھر دیا۔ جگہ جگہ رضاکاروں کی بھرتی کے
دفتر کھل گئے۔ لوگ شدومد سے بھرتی ہونے لگے۔ اطراف و جوانب سے عیسائی مجاہدوں
کے گروہ یروشلم کی طرف روانہ ہو گئے۔ تمام والیان ملک نے اپنے مقدور بھر روپے
اور لشکر کی فراہمی میں سرتوڑ کوششیں کیں۔ تھوڑے سے ہی عرصہ میں بھرنڈی دل لشکر تیار
ہو گیا۔

چونکہ لشکر کثیر تعداد میں جمع ہو گیا تھا۔ اس سارے لشکر کے لیے گھوڑوں اور سامان
حرب کے مہیا کرنے کے واسطے روپے کی ضرورت تھی جو روپیہ والیان ملک اور دیگر محبان
ملک و قوم نے بھیجا تھا۔ وہ ناکافی تھا اس لیے فرقہ داویہ[1] کے مقتدائے اول جیرڈ[2] ڈی

---

[1] ملک شام میں عیسائیوں کے دو بڑے فرقے تھے ایک کا نام فرقہ مستباریہ اور
دوسرے فرقے کا نام داویہ تھا۔ ان دونوں فرقوں میں رقابت رہتی تھی لیکن سلطان
صلاح الدین کے حملہ کرتے ہی دونوں فرقے متحد ہو گئے تھے (از کارزار صلیب)

[2] جیرڈ ڈی رڈ ایفرڈ فرانس کا بادشاہ تھا۔ یہ فلسطین میں قسمت آزمائی کرنے آیا تھا۔ اُسے
بھی امید تھی کہ وہ بھی گاڈ آف چیٹیلان کی طرح کسی ملک کی بیوہ سے شادی کر کے بادشاہ
بن جائے گا چنانچہ اس کا موقع آیا۔ صوبہ طرابلس کے علاقہ بوتراب کا نواب مر گیا۔ جیرڈ نے
اس کی وارثہ کے ساتھ عقد کی درخواست کی لیکن ریمنڈ والئی طرابلس نے نامنظور کر دی۔
جیرڈ کو یہ بات سخت ناگوار گزری۔ وہ ریمنڈ کا دشمن ہو گیا اور طرابلس سے یروشلم چلا
گیا۔ جہاں وہ فرقہ داویہ میں شامل ہو کر ترقی کرتے کرتے اس فرقہ کے بزرگ ول تک پہنچ
گیا جب یروشلم کا صغر سن بادشاہ بلدون ۱۱۸۵ء میں مر گیا۔ تو جیرڈ نے سازش کر کے
سبیلا کے سر پر تاج رکھ دیا۔ سبیلا نے اپنے شوہر گائی ڈی لسگنن (بقیہ اگلے صفحہ پر)

بیت المقدس کی تسخیر کا عزم مصمم کر لیا۔ لیکن بیت المقدس تک پہنچنا آسان نہ تھا۔ نصرانیوں کے بہت سے ممالک، بادشاہتیں اور مضبوط قلعے درمیان میں حائل تھے۔ سب سے پہلے طرابلس کا ملک تھا۔ طرابلس میں ریمنڈ بادشاہ تھا اس نے طبریہ کو صدر مقام بنایا تھا۔ طبریہ کا قلعہ نہایت مضبوط تھا۔ طبریہ سے بڑھ کر عکہ، بیروت اور عسقلان کے مضبوط و مستحکم قلعے تھے بغیر ان قلعوں کو تسخیر کئے بیت المقدس پر یورش نہیں ہو سکتی تھی۔ سلطان نے سب سے پہلے طبریہ پر توجہ کی۔ اس نے صفوریہ سے کوچ کیا۔ جب وہ دفوریہ میں پہنچا تو اسے جاسوسوں کی زبانی معلوم ہوا کہ عیسائیوں میں جنگ کا کمال جوش و خروش پیدا ہو گیا ہے۔ ۱،۰۰،۰۰۰ ہزار نصرانی سرفروشی کے لئے تیار ہو گئے ہیں تمام عیسائی بادشاہوں نے متفق و متحد ہو کر سلطان سے فیصلہ کن جنگ کرنے کا عزم مصمم کر لیا ہے۔ سلطان اس متوحش خبر کے سننے سے کسی قدر متفکر ہوا اس نے دفوریہ کے وسیع مگر زرخیز اور سرسبز و شاداب میدان میں ڈیرے خیمے ڈال دیئے۔ اسلامی لشکر آرام و اطمینان سے خیمہ زن ہو گیا۔

جاسوس روز روز کی خبریں لا رہے تھے۔ ان خبروں کا ملخص یہ تھا کہ عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف اس قدر برانگیختہ کر دیا گیا ہے کہ وہ ملک کے ہر گوشے سے سرفروشانہ جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور ان کی زبردست جمعیت فراہم ہو گئی ہے۔

سلطان نے اپنے لشکر کی رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے مجلس شوریٰ منعقد کی۔ تمام چھوٹے بڑے سرداروں اور سپہ سالاروں کو خاص اپنے خیمہ میں طلب کیا۔

سلطان کا خیمہ نہایت وسیع اور شاندار تھا۔ اس میں پانچ سو آدمی آسانی سے آ سکتے تھے۔ فرش دبیز قالینوں کا ہو رہا تھا۔ سلطان زرنگار مسند پر تکیہ لگائے بیٹھا تھا۔ اگرچہ وہ ضعیف العمر تھا لیکن اس کے قویٰ مضبوط تھے۔ چہرہ سے رعب و داب کے علاوہ جرأت و شجاعت اور تحمل و استقلال کے آثار ظاہر تھے اس کے قریب سبز رنگ کا میان پڑا ہوا تھا۔ میان میں تلوار تھی۔ تلوار کا دستہ جواہرات سے مزین تھا۔ یہی وہ

تلوار تھی جس نے عیسائیوں میں تہلکہ مچا رکھا تھا۔

سلطان کے سامنے اعلیٰ قدر و مراتب تمام فوجی افسران نہایت خاموشی سے بیٹھے ہوئے تھے۔ سلطان نے سب کو سرسری نظر سے دیکھ کر کہا۔ اسلام کے مایۂ ناز فرزندو جب میں دمشق سے نصرانیوں پر یورش کرنے کے لئے چلا تھا۔ تو میں نے خیال کر لیا تھا کہ تمام نصرانی میرا مقابلہ کرنے کے لئے متحد و متفق ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ عیسائیوں نے اپنے منتشر شیرازہ کو مجتمع کر لیا ہے ان کا لشکر بھاری تعداد میں جمع ہو گیا ۱،۰۰،۰۰۰ ہزار یا اس سے بھی زیادہ بتایا جاتا ہے۔ اسلامی لشکر کی تعداد کل بارہ ہزار ہے۔ مجھے مشورہ دو کہ ایسی صورت میں کیا کرنا مناسب ہے۔

تمام لوگ خاموشی سے سلطان کی گفتگو سنتے رہے۔ جب وہ خاموش ہوئے تو مسعود نے کہا۔ ظل اللہ! یہ سچ ہے کہ عیسائیوں کا عظیم الشان لشکر بلاد اسلامیہ پر تاخت و تاراج کرنے کے لئے جمع ہو گیا ہے۔ مسلمان نسبتاً بہت کم ہیں لیکن جو جوش، جو ولولہ، جو جرأت مسلمانوں میں ہے۔ وہ نصرانیوں میں نہیں۔ شاہی عیسائی ظالم ہیں۔ ظالم بزدل ہوا کرتا ہے۔ نصرانی بھی بزدل ہیں۔ ہمیں ان کی تعداد سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہئے۔ ہمارا خدا پر بھروسہ ہے۔ وہی ہماری مدد کرے گا اس کی ذات سے امید ہے کہ ہم ضرور فتحیاب ہوں گے ہمیں اپنی پیش قدمی کو جاری رکھنا چاہئے۔

مسعود کے سامنے ایک بلند بالا اور قوی الجثہ شخص بیٹھا تھا۔ یہ دلیر بھی تھا اور مآل اندیش بھی۔ اس کا نام امیر عزیز الدین عیسیٰ تھا۔ اس نے کہا اس جنگ میں مسلمانوں کے فنا اور بقا کا سوال ہے۔ ہر قسم کے نشیب و فراز پر غور کرنے کے بعد کوئی رائے طے کرنی چاہئے۔ میں اسے مانتا ہوں کہ مسلمانوں میں جوش بھی ہے جرأت بھی ہے۔ استقلال بھی لیکن یہ کس طرح مان لیا جائے کہ نصرانیوں میں جوش و جرأت نہیں ہے۔ بیت المقدس نصرانیوں کا کعبہ ہے۔ حضرت عیسیٰ کی جائے پیدائش ہے۔ ان کا مقدس ترین مقام ہے۔ وہ بیت المقدس کو بچانے کے لئے جانیں لڑا دیں گے میرے خیال میں تو اگر

اندیشی یہی ہے کہ صرف صفوریہ کی فتح پر قناعت کی جائے اور کسی اور وقت بہترین
ساز و سامان اور عظیم الشان لشکر کے ساتھ یورش کی جائے۔

تقی الدین نے جو سلطان کا برادر زادہ تھا کہا: "آپ نے نہایت صائب رائے دی
دی ہے یہ ظاہر ہے کہ عیسائیوں کی سپاہ ۷۰ ہزار ہے مسلمان بارہ ہزار ہی ہیں۔
ایک اور سات کی نسبت تو اب ہے علاوہ اس کے مسلمانوں کو کسی طرف سے امداد کی
توقع نہیں۔ اسلامی ممالک دُور ہیں۔ عیسائیوں کے قریب ہیں وہ جس وقت اور جس قدر
چاہیں لشکر لا سکتے ہیں۔ میرے خیال میں بھی عافیت اسی میں ہے کہ اس وقت کو
ٹال دیا جائے۔

ابھی تک الافضل خاموش بیٹھا ہوا گفتگو سن رہا تھا۔ وہ جوشیلا نوجوان تھا۔ اس کا
چہرہ جوش شجاعت سے چمک رہا تھا۔ اس نے پُرجوش لہجہ میں کہا: مجھے تعجب ہے کہ مسلمانوں
میں بزدلانہ مآل اندیشی کیسے پیدا ہو گئی۔ کیا وہ اپنے اسلاف کے کارناموں کو بھول گئے
کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے کہ یرموک[1] کے مقام پر صرف ساٹھ مسلمانوں نے ساٹھ ہزار نصرانیوں
کا مقابلہ کر کے انہیں شکست دی تھی۔ کیا انطاکیہ[2] کو مٹھی بھر مسلمانوں نے لاکھوں
عیسائیوں کے مقابلہ میں بہ زور تلوار فتح نہیں کیا تھا۔ مسلمانوں نے قلیل التعداد ہوتے
ہوئے فتح پائی ہے۔ مسلمانوں کا کام جنگ کرنا ہے۔ فتح و شکست خدا کی طرف سے

---

[1] یرموک ملک شام میں ایک مقام ہے یہاں پر ۱۵ھ میں مسلمانوں اور عیسائیوں کی زبردست جنگ
ہوئی تھی مسلمان صرف ستائیس ہزار تھے اور عیسائی ۲ لاکھ مسلمانوں کی فتح ہوئی تھی۔

[2] انطاکیہ ملک شام کا دارالسلطنت تھا۔ ہرقل اعظم یہاں کا بادشاہ تھا۔ جب مسلمانوں نے انطاکیہ
پر حملہ کیا تو تمام نصرانی بادشاہوں نے کمال جوش و خروش سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا تھا۔ مسلمانوں نے
خونریز جنگ کے بعد انطاکیہ کو فتح کیا تھا۔ اس مشہور جنگ کا مفصل حال ہمارے بہترین ناول
"فتح انطاکیہ" میں ملاحظہ کرو۔ (صادق صدیقی)

باقی ہے میں وحشی عیسائیوں کا مقابلہ کروں گا۔ کوئی خوف کوئی رعب مجھے ارادہ سے متزلزل نہیں کر سکتا۔"

سلطان کی مختصر تقریر نے تمام سرداروں کے جسم میں نئی روح پھونک دی جو لوگ جنگ کو ٹال دینے کی تجویز کر رہے تھے وہ بھی سرفروشی کے لئے آمادہ ہو گئے۔

امیر عزیز الدین نے کہا "جب جلالتمآب کا یہ ارادہ ہے تو ہم جان نثار سب سے پہلے اپنے خون کا آخری قطرہ ظل اللہ کے پسینہ کی جگہ گرا دیں گے۔ ہم مسلمان ہیں ہماری رگ رگ میں اسلامی جوش بھرا ہوا ہے۔ ہم بھی مسلمانوں کے لٹنے قید و قتل کئے جانے کی خبریں سننے کو زندہ رہنا نہیں چاہتے"

تقی الدین نے کہا "ہم بزدل نہیں ہیں۔ نہ ہماری تلواریں زنگ آلود ہیں۔ ہم ناموس ملت کو بچانے کے لئے آخری چوٹی کا زور لگا دیں گے۔

سلطان نے کہا "شاباش! اسلامی بہادرو شاباش! اگر عیسائیوں کا ٹڈی دل لشکر جمع ہو گیا ہے، تو اندیشہ نہ کرو۔ انہیں اپنے سنگریں پر اپنی تعداد کی کثرت پر زعم ہے۔ غرہ ہے۔ ہونے دو تم خدا پر بھروسہ رکھو خدا تمہاری مدد کرے گا۔ انشاء اللہ تم فتحیاب ہو گے۔ اب اس میدان میں پڑا رہنا بزدلی ہے دو دن ہوتی ہے اس سے عیسائیوں کے حوصلے بڑھ جانے کا اندیشہ ہے۔

آج لشکر کو کوچ کا حکم سنا دو۔ کل صبح کی نماز پڑھتے ہی طبریہ کی طرف بڑھو۔"

الافضل نے کہا "خدا کا شکر ہے کہ عالم پناہ نے پیشقدمی کا حکم دیدیا ہمارا لشکر آگے بڑھنے کے لئے بے چین تھا یورش کی خبر سنتے ہی سب کے سب خوش ہو جائیں گے۔"

سلطان نے کچھ اور ہدایتیں کر کے مجلس شوریٰ برخواست کی لوگ سلطانی خیمہ سے باہر نکلے۔ انہوں نے لشکر کو سلطان کا حکم سنایا۔ تمام سپاہی خوش ہو گئے۔ انہوں نے اسی وقت سے کوچ کی تیاری شروع کر دی۔ دوسرے روز صبح کی نماز پڑھتے ہی اسلامی لشکر نے طبریہ کی طرف کوچ کیا۔

(۲)

رازونیاز

بدقسمت مسلمان قیدی کرک سے طبریہ بھیجے گئے تھے دوران سفر میں قیدیوں نے جو صعوبات برداشت کیں جس قدر تکلیفیں اٹھائیں ان کو بیان کرنے کی قلم کو طاقت نہیں ہے۔ خدا خدا کر کے یہ قیدی طبریہ پہنچے۔ بیڈ و محافظوں نے قصر شاہی میں لیجانے کے لئے وہ راستہ اختیار کیا جو شہر کے درمیان بازار کے بیچ سے ہو کر گزرتا تھا اس سے ان کی مراد مسلمانوں کو تشہیر کرنا تھا۔ غرض وہ آفت کے مارے پریشان حال قیدی قدم قدم راستہ اور بازار کو طے کرتے قصر شاہی کی طرف چلے جا رہے تھے۔ نصرانی مرد، عورت، جوان، بڈھے لڑکے لڑکیاں راستہ کے سرے پر کھڑے ہو کر انہیں دیکھتے۔ ان پر پھبتیاں کہتے مذاق اڑاتے کنکر اور ڈھیلے پھینکتے۔ قیدی سر جھکائے ان کے استہزا، تمسخر اور کلوخ اندازی کو برداشت کرتے خاموش چلے جا رہے تھے۔

کچھ تھوڑے سے بہت مسلمان ابھی طبریہ میں قتل ہونے سے بچے کچھے باقی تھے۔ وہ اپنے ہم مذہبوں، دینی بھائیوں اور اسلام کے فرزندوں کی بے کسی، بے بسی اور پریشان حالی دیکھ کر کڑھتے تھے۔ افسوس کرتے اور غم و غصے سے خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتے۔

جس وقت یہ لوگ عین بازار کے وسط میں پہنچے مسلمانوں نے الافضل کو قیدیوں کے زمرہ میں دیکھا۔ انہیں کمال رنج و افسوس ہوا لیکن وہ بجز افسوس کرنے کے اور کچھ نہ کر سکتے تھے۔ قیدی محلسرا کی طرف لیجائے گئے۔ ان کو صدر دروازہ پر روک دیا گیا۔ وجہ یہ تھی کہ ریجنلڈ جو طرابلس کا بادشاہ تھا یروشلم گیا ہوا تھا۔ یروشلم یا بیت المقدس میں کونسل

ہو رہی تھی۔ مشرق کے تمام والیان ملک عیسائی جمع ہو رہے تھے۔

ریمنڈ کی غیر موجودگی میں اس کی بیگم میریا ملکی معاملات کا انصرام کرتی تھی چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں میریا نمودار ہوئی۔ اس وقت وہ ہلکے گلابی رنگ کی پوشاک پہنے ہوئی تھی۔ سر پہ نیم دائرہ کا تاج تھا گلے میں بیش قیمت موتیوں کا ہار پڑا تھا۔

میریا نوجوان تھی۔ خوبصورت تھی وہ اس پوشاک میں کمال حسین معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے لبوں پر تبسم تھا۔ وہ نہایت شان کے ساتھ خراماں خراماں آ رہی تھی۔ اس کے ساتھ چند خواصیں اور دو تین فوجی افسر تھے جو فوجی لباس میں ملبوس تھے۔ میریا قیدیوں کے پاس آ کر رکی۔ اس نے سرسری نظر سے قیدیوں کو دیکھنا شروع کیا۔ جب اس کی نگاہ خورشید مہ جبین پر پڑی تو اس کے چہرہ سے کبیدگی کے آثار ظاہر ہوئے۔ اس کی زبان سے بیساختہ نکلا "مہ جبین! ملکہ بننے کی ہوس تجھے پھر میرے در پر لائی"۔

علی العموم عورتوں میں طعنہ زنی کی عادت ہوتی ہے میریا نے مہ جبین کو طعنہ دیا حالانکہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ ریمنڈ نے مہ جبین کی بے انتہا خوشامد کی، طرح طرح کے لالچ دیئے۔ ڈرایا دھمکایا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی تھی۔ برابر انکار کرتی رہی تھی۔ میریا کا طعنہ اس کے رشک یا چھچھورے پن پر مبنی تھا۔

مہ جبین نے سنجیدگی سے جواب دیا "قسمت تقدیر کا فیصلہ کرانے لائی ہے"۔

میریا نے کسی قدر بگڑ کر کہا "بہت اچھا۔ تم سب مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ کیا جائے گا لیکن ابھی نہیں چند روز کے بعد"۔

ابھی اسی قدر گفتگو ہوئی تھی کہ ایک پادری نمودار ہوا اس کی داڑھی لمبی اور سیاہ تھی۔ عمر چالیس سال کے قریب معلوم ہوتی تھی۔ رخسارے کسی قدر پچک گئے تھے۔ بیش قیمت ریشمی چوغہ پہنے ہوئے تھا۔ سینہ پر سرخ رنگ کی صلیب آویزاں تھی۔ کمر ریشم کی ڈوری سے کھنچی ہوئی تھی۔ اس پادری کا نام ہرقولیس تھا۔ یہ بیت المقدس کا سب سے

ہرقولیس نہایت ہوشیار اور چالباز تھا۔ کسی قدر بے رحم تھا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میریا کی خندہ پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اکثر عورتیں ایسی ہوتی ہیں جو دوسری عورت کے حسن کی تعریف نہیں سن سکتیں ان میں میریا بھی تھی۔

میریا نے کہا: "وہ جیسی بھی ہے دیکھ لیجئے یہ سامنے کھڑی ہے"۔

میریا نے مہ جبین کی طرف اشارہ کیا۔ ہرقولیس نے اُسے دیکھا وہ اس کی چاند سی صورت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس کی تیز نگاہیں مہ جبین کے پھول سے عارض سے ہٹنے کا نام نہ لیتی تھیں۔ نہایت استعجاب اور شوق بھری نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔

مہ جبین اسے سرگرم نظر دیکھ کر شرما گئی بار حیا سے اس کا نازک سر جھک گیا۔ ایک وہ دیر تک ٹکٹکی لگا کر دیکھنے کے بعد ہرقولیس چونکا اس نے میریا سے مخاطب ہو کر کہا: "خداوند کی قسم نہایت حسین ہے۔ ایسی دوشیزہ۔ ایسی نازنین اور ایسی حسین لڑکی میں نے آج تک نہیں دیکھی میں یورپ بھی گیا ہوں۔ عیسائیوں کی مہ وش لڑکیاں نظروں سے گزری ہیں۔ امیر زادیاں دیکھی ہیں۔ حسین سے حسین شہزادیوں پر نگاہیں پڑ چکی ہیں لیکن ایک بھی مہ جبین کا منہ چڑھ نہیں کر سکتی۔ یہ پیکرِ ناز و حسن ہے۔ دنیائے حسن کا آفتاب ہے۔ حسینانِ جہاں کی ملکہ ہے مشرق کی حور ہے"۔

ہرقولیس مہ جبین کی تعریف کر رہا تھا۔ میریا کو بُرا معلوم ہو رہا تھا۔ آخر جب اس سے نہ رہا گیا تو اُس نے کہا: "ہاں وہ بے نظیر حسینہ ہے لیکن ہے کیا"۔

ہرقولیس: "سچ کہتی ہو۔ وہ بے دین ہے۔ اگر وہ عیسائی ہوتی یا اب عیسائی ہو جائے اور میدانِ جنگ میں کسی اونچے مقام پر اپنی شان دلربائی کے ساتھ کھڑی ہو کر میدانِ کارزار کی طرف دیکھے تو سرفروش جانبازوں میں اس خیال سے دس گنا جوشِ شجاعت بڑھ جائے کہ حسن کی ملکہ اُن کی طرف دیکھ رہی ہے۔ اگر ایسا ہو تو حضرت مسیح کی قسم بے دین مسلمانوں کو عیسائی بہادر دم بھر میں کاٹ کر ڈال دیں۔"

میریا: "اب کوشش کیجئے کہ یہ حسینہ عیسائی ہو جائے"۔

ہرقولیس: "مجھے حیرت ہے کہ اسلام میں ایسی کیا جاذبیت ہے کہ کوئی مسلمان بھی

اسے چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتا مسلمانوں کو ڈرایا دھمکایا گیا۔ سختیاں کی گئیں لیکن بڑے تو بڑے چھوٹے چھوٹے بچوں نے بھی اسلام چھوڑنا گوارا نہ کیا۔"

میریا: "مہ جبین سے پوچھئے یہ بتا دے گی کہ کیوں مسلمان عیسائی ہونا گوارا نہیں کرتے۔"

ہرقولیس: "دریافت کرتا ہوں۔"

وہ مہ جبین کے قریب گیا۔ اُس نے کہا: "اے ناز آفریں پری پیکر! مجھے افسوس ہے کہ تم سی شیریں ادا اور پری جمال لڑکی قید و بند کی مصیبتوں میں گرفتار ہے کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم عیسائی ہو جاؤ اور اپنی زندگی آرام و اطمینان سے گزارو۔"

مہ جبین نے اپنی مخصوص ترنم ریز آواز سے جواب دیا: "اگر اسلام چھوڑ کر ساری دنیا کی بادشاہت بھی ملے تو آرام و اطمینان کہاں"۔

ہرقولیس: "کیا حضرت عیسیٰ خدا کے پیغمبر نہیں تھے۔ کیا عیسائی مذہب سچا نہیں ہے؟"

مہ جبین: "حضرت عیسیٰ سچے پیغمبر تھے۔ اُن کا مذہب سچا تھا۔"

ہرقولیس نے قطع کلام کر کے کہا: "پھر تم عیسائی کیوں نہیں ہو جاتیں؟"

مہ جبین نے متانت سے جواب دیا: "اس لئے کہ عیسائیوں کا وہ مذہب نہیں رہا جو حضرت عیسیٰ لے کر آئے تھے اب اس میں بہت کچھ تغیر و تبدل ہو گیا ہے اسی لئے سرزمین عرب میں مخلوق کی ہدایت کے لئے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مبعوث ہوئے۔ آفتاب اسلام پھر جلوہ گر ہوا اب اسلام کی امانت مسلمانوں کے پاس ہے۔"

ہرقولیس: "افسوس یہ ہے کہ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ مجھے جلد سے جلد یروشلم پہنچنا ہے میں تیرے ذہن نشین کرا دوں گا کہ عیسائی مذہب وہی ہے جس کو حضرت عیسیٰ لے کر آئے تھے۔"

ہرقولیس صلیبی جنگ کا رہنما تھا۔ اسی کی کوشش سے عیسائی دنیا میں مسلمانوں کے خلاف جوش کا طوفان امنڈ آیا تھا۔ اگرچہ یہ پہلے ہی سے کوشش کر رہا تھا کہ عیسائی مسلمانوں کو بے دخل کر کے تمام ملک شام پر قابض ہو جائیں لیکن اب جب سے سلطان

صلاح الدین کے حملہ کی خبر آئی تھی یہ اور بھی اپنی کوششوں میں سرگرم ہو گیا تھا۔ اس نے میریا سے مخاطب ہو کر کہا: "ان قیدیوں کو حفاظت کی جگہ پہنچاؤ۔ جب میں صلیبی جنگ سے فارغ ہو کر آؤں گا تب مرجبین کو سمجھا کر عیسائی بنانے کی کوشش کروں گا۔"

ہرقولیس چلا گیا۔ میریا نے محافظوں کو اشارہ کیا۔ وہ قیدیوں کو لے کر چلے۔ اس محل شاہی کے شرقی جانب پرانی عمارتوں کا سلسلہ دور تک چلا گیا تھا۔ یہ تمام عمارتیں ایک احاطہ کے اندر واقع تھیں۔ احاطہ کی فصیل نہایت بلند تھی۔ کہتے ہیں کہ کسی زمانہ میں یہ قصر شاہی تھا۔ جب جدید قصر تعمیر ہوا تو یہ پرانا محل عرصہ تک غیر آباد اور ویران پڑا رہا۔ عدم توجہی کے باعث کئی عمارتیں ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں۔ ایک روز کوئی کرنل اس مکان میں مقیم ہوا تھا اسے کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ وہ ڈر گیا اور صبح اس نے سب سے کہہ دیا کہ اس قصر پر بھوتوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ اس روز سے اس قصر میں رات کے وقت لوگ جاتے ڈرتے تھے۔ یہ قصر بھوتوں کے قصر کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔ بارہویں صدی عیسوی میں یہ قصر جیل خانہ بنا دیا گیا۔ اس جیلخانہ میں زیادہ تر مسلمان قیدی رکھے جاتے تھے جو قیدی کرک سے آئے تھے وہ بھی اسی جیل خانہ میں بند کر دیئے گئے چونکہ اس جیلخانہ کی فصیل نہایت بلند تھی اس لیے قیدیوں کے بھاگنے کا اندیشہ نہیں تھا چنانچہ قیدیوں کو جیلخانہ میں ٹھونس کر آزاد چھوڑ دیا گیا۔

ان قیدیوں نے اندر پہنچ کر اپنے لیے خود ہی کمرے تجویز کر لیے۔ ان کمروں میں چٹائیوں کا فرش ہو رہا تھا۔ ان لوگوں نے بقیہ دن اور تمام رات آرام کیا۔ دوسرے روز جب آفتاب عالمتاب جلوہ گر ہوا تو حور طلعت مرجبین اور پری پیکر عائشہ چہل قدمی کرتی ہوئی فصیل کمروں سے کسی قدر فاصلہ پر تھی۔ کمروں اور فصیل کے درمیان خودرو جھاڑیاں اور مختلف اقسام کے درخت کھڑے تھے۔ یہ دونوں جھاڑیوں سے بچتی ہوئی فصیل کی طرف روانہ ہوئیں۔ اس جیل خانہ کا احاطہ نہایت وسیع تھا۔ فصیل کے قریب گھاس پر بیٹھ گئیں۔

آفتاب ابھی طلوع ہوا تھا۔ اس کی ترچھی کرنیں بلند میناروں اونچی دیواروں اور درختوں کی پھنگلوں پر پڑی لوٹ رہی تھیں۔ ہوا نہایت خوشگوار چل رہی تھی۔ یہ ماہوش لڑکیاں سب

سے الگ ہو کر تفریح کے لیے آئی تھیں۔ سبز سبز گھاس پر بیٹھی ہوئی لمبی لمبی گھاس کو ہوا کے ہلکے جھونکوں سے ہلتے ہوئے دیکھ کر محظوظ ہو رہی تھیں۔

یہ دونوں حسین تھیں۔ خوشرو اور خوش جمال تھیں۔ پیکر ناز اور شیریں ادا تھیں۔ باوجودیکہ انہوں نے پیادہ پا سفر کیا تھا سفر کی کلفتیں ابھی دور نہ ہوئی تھیں لیکن اب بھی ان کے منور چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہے تھے۔ ان کی رعنائی اور دلربائی میں ذرہ برابر فرق نہ آیا تھا۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ عائشہ بھولی، سادہ لوح اور صاف گو تھی۔ وہ ایچ پیچ کی باتیں کرنی نہیں سمجھتی تھی جو اس کے دل میں آتا تھا سادہ الفاظ میں صاف کہہ دیتی تھی البتہ مرجبین سنجیدہ مزاج اور مآل اندیش تھی وہ سوچ سمجھ کر گفتگو کرتی تھی۔ عائشہ نے اپنے مخصوص بھولے پن کے انداز سے مرجبین کو مخاطب کر کے کہا: "مرجبین تم بڑی خوبصورت ہو۔"

مرجبین کے نازک اور حیات بخش لبوں پر تبسم نمودار ہوا۔ اس کے گلابی لب کھل کر سفید موتیوں جیسے چھوٹے چھوٹے دانت نظر آنے لگے۔ آنکھوں میں ہوشربا چمک پیدا ہوئی اس نے شوخی کے انداز میں کہا۔ "اور تم"

عائشہ: میں جیسی ہوں، ہوں

مرجبین نے مسکرا کر دریافت کیا "کیسی ہو"

عائشہ نے بھولے پن کے انداز سے مرجبین کو دیکھ کر کہا "تم ہی بتاؤ کیسی ہوں"۔

مرجبین: "تم چودھویں رات کا چاند ہو۔"

عائشہ مسکرائی۔ اسے کہا "نہیں چاند ساری دنیا کو اچھا معلوم ہوتا ہے میں۔۔۔"

مرجبین نے جلدی سے کہا "تم بھی ساری دنیا کو پیاری معلوم ہوتی ہو۔"

عائشہ: "میری کوئی تعریف نہیں کرتا۔ لیکن مرجبین! یہ کیا بات ہے۔ تمہاری سب تعریف کرتے ہیں۔"

مہ جبین نے عائشہ کو مستفسرانہ بھولی نظروں سے دیکھ کر دریافت کیا میری کون تعریف کرتا ہے؟

عائشہ: ابا جان، امی جان اور سب سے زیادہ بھائی جان۔

مہ جبین اگرچہ سمجھ گئی تھی کہ عائشہ بھائی جان کسے کہہ رہی ہے۔ اس سے اُسے اس قدر مسرت ہوئی تھی کہ باوجود ضبط کرنے کے اس کے پھول سے عارض تر زیادہ ہو گئے لب جاں بخش پر تبسم نمودار ہو گیا مگر اس نے تجاہل عارفانہ کر کے دریافت کیا "بھائی جان کون"؟

عائشہ: بھیا اشرف

مہ جبین: وہ کیا کہتے ہیں؟

عائشہ۔ وہ کہتے ہیں کہ مہ جبین بہت زیادہ خوبصورت ہے۔ وہ دنیا کی حُور ہے۔ دنیائے حسن کا چاند ہے۔

مہ جبین نے مسکرا کر عائشہ سے دریافت کیا "تم بھی مجھے ایسا ہی سمجھتی ہو"۔

عائشہ نے بھولے پن کے انداز سے جواب دیا "میں تمہیں کیا سمجھتی ہوں اسے بیان کرنا چاہتی ہوں لیکن نہیں کر سکتی۔ الفاظ ڈھونڈتی ہوں نہیں ملتے۔ سوچتی ہوں کس چیز سے تشبیہ دوں۔ جب تم سامنے آتی ہو تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے چاند نکل آیا۔

مہ جبین نے ہنس کر کہا "تم خود چاند ہو۔ اس لئے دوسروں کو بھی چاند سمجھتی ہو"

عائشہ: نہیں بجیا تمہاری کیوں تعریف کرتے ہیں؟

یہ سن کر مہ جبین کچھ افسردہ ہو گئی۔ موہنی آنکھوں سے غم و فکر کے آثار ظاہر ہوئے اس نے کہا "میں نہیں جانتی"۔

عائشہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ سامنے سے اشرف آ گیا۔ اشرف کو دیکھتے ہی خورشید مہ جبین کا منور چہرہ اور روشن ہو گیا آنکھوں میں سحر خیز چمک پیدا ہوئی۔ اشرف اس طرف بڑھا چلا آرہا تھا یہ دونوں اسے دیکھتے ہی کھڑی ہو گئیں۔

اس وقت آفتاب کسی قدر بلند ہو گیا تھا۔ اس کی گستاخ کرنیں ماہوش مہ جبین اور پری جمال عائشہ دونوں کے پھول سے رخساروں پر لوٹ کر ان کے عارض تاباں کو اور منور کرنے لگی تھیں۔

اشرف ان دونوں کے قریب آیا۔ عائشہ نے مسکرا کر اس کا استقبال کیا مہ جبین نے شرم سے نازک اور صراحی دار گردن جھکا لی۔ عائشہ نے کہا۔

"بھائی جان اچھا ہوا تم آ گئے۔ ابھی تمہارا ہی تذکرہ ہو رہا تھا"۔

اشرف نے مسکرا کر کہا "میرا تذکرہ! کون کر رہا تھا"؟

عائشہ: میں اور بہن مہ جبین

مہ جبین نے شرم سے اور بھی سر جھکا لیا۔ اشرف نے پیار بھری نظروں سے اس بُت سیم تن کو دیکھ کر عائشہ سے کہا۔ "مہ جبین میرا ذکر کیوں کرتی"۔

عائشہ: ذکر تو میں کر رہی تھی۔

اشرف: ٹھیک ہے۔ مہ جبین میرا ذکر نہیں کر سکتی۔

عائشہ نے متعجب نظروں سے اشرف کو دیکھ کر دریافت کیا "کیوں"

اشرف: یہ مجھ سے خفا ہیں۔

عائشہ ہنس پڑی اس نے کہا۔ "خفا نہیں ہیں"۔

اشرف: اچھا تم ان سے دریافت کر لو۔

عائشہ نے مہ جبین سے مخاطب ہو کر کہا۔ "پیاری بہن! کیا تم بھائی جان سے خفا ہو"؟

مہ جبین ابھی تک سر جھکائے شرمائی ہوئی خاموش کھڑی تھی۔ اس نے غلط انداز نظروں سے عائشہ کو دیکھا۔ بیچاری عائشہ اس کی ان نگاہوں کا مطلب کیا سمجھتی۔

اشرف نے پھر کہا "عائشہ اب تو تمہیں یقین آ گیا۔ میرے سامنے یہ بولتی ہی نہیں"۔

عائشہ کو حیرت ہو رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "شاید تمہارا ہی خیال ٹھیک ہو۔ لیکن خفا

کیوں ہیں؟

اشرف: یہ بھی انہی سے پوچھو۔

عائشہ نے نہایت پیار سے خورشید مہ جبین کی نازک کمر کے گرد اپنا ہاتھ ڈال کر کہا "میری اچھی بہن بتا دو تم بھائی جان سے کیوں خفا ہو؟"

مہ جبین کے شرم آلود چہرہ پر ہلکا تبسم نمودار ہوا۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے حیات بخش لبوں کو کھولا لیکن شرم نے کہنے کی اجازت نہ دی۔ اس کی آنکھیں بلا قصد و ارادہ اشرف کی طرف اٹھ گئیں۔ اشرف اُسے محبت پاش نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ مہ جبین کی نظریں حیا سے لڑکھڑا کر سبزہ زار پر گریں۔ عائشہ نے پھر کہا بولتی نہیں۔ کیا مجھ سے بھی خفا ہو گئیں۔

مہ جبین نے موسیقی نواز لہجہ میں آہستہ سے جواب دیا "میں کسی سے خفا نہیں"۔

عائشہ کے بھولے چہرہ سے مسرت کے آثار ظاہر ہوئے وہ بے ساختہ ہنس پڑی اس نے مسرت بھری نظروں سے اشرف کو دیکھ کر کہا "بھائی جان! آپ نے سُنا "یہ کسی سے خفا نہیں ہیں"۔

اشرف نے کہا "بھولی عائشہ! دھوکہ میں نہ پڑو۔ یہ صرف تم سے خفا نہیں"۔

عائشہ نے سادگی کے لہجہ میں کہا "نہیں یہ کسی سے خفا نہیں ہیں"۔

اشرف: کسی سے مراد صرف تم سے ہے چاہے دریافت کر لو۔

عائشہ نے پھر مہ جبین سے دریافت کیا "کیا یہ ٹھیک ہے جو بھائی جان کہہ رہے ہیں"۔

عائشہ نے کچھ ایسی نظروں سے مہ جبین کو دیکھا کہ اُسے جواب دیتے ہی بن پڑا۔ اس نے کہا "میری بھولی عائشہ میں کسی سے بھی خفا نہیں"۔

عائشہ: بھائی جان سے بھی۔

مہ جبین۔ نہیں۔

عائشہ کچھ ایسی خوش ہوئی کہ باوجود ضبط کرنے کے ہنسی آ ہی گئی۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ سامنے سے زبیدہ اشرف کی والدہ نمودار ہوئی۔ یہ تینوں خاموش ہو گئے۔ زبیدہ نے قریب آ کر کہا "اشرف! تم کہتے تھے مسعود تمہاری رہائی کی کوشش کرے گا۔ لیکن......

اشرف نے فوراً جواب دیا "مسعود میرے لئے اپنی جان لڑا دے گا۔ بشرطیکہ وہ زندہ ہو۔

زبیدہ: تم کہتے ہو وہ لڑتے لڑتے زخمی ہو گیا تھا۔

اشرف: جی ہاں وہ زخمی ہو کر گھوڑے سے گر پڑا تھا۔

زبیدہ: خدا کرے وہ زندہ ہو۔

اشرف: میرا دل کہتا ہے وہ زندہ ہے۔ اگر وہ زندہ نہ ہوتا تو غم ورنج میرا خاتمہ کر دیتے۔

زبیدہ نے تحیر خیز نظروں سے اشرف کو دیکھ کر کہا "خدا نہ کرے کیسی بات منہ سے نکالتے ہو"۔

اشرف: امی جان وہ میرا دوست ہے مجھے اس کی دوستی پر ناز ہے۔ دنیا میں جس کا ایک دوست بھی ہو اسے کسی چیز کی کمی نہیں آپ نہیں جانتیں کہ وہ مجھے اور میں اُسے کتنا چاہتے ہیں۔ ہم دونوں ایک روح دو قالب ہیں۔ اگر میں گرفتار رہا ہوں تو وہ بھی آرام سے نہ ہو گا۔

زبیدہ: اگر یہ بات ہے تو خدا تم دونوں کو رہتی دنیا تک قائم رکھے۔ یہاں کیا کیا کر رہے ہو۔ چلو سب کے پاس بیٹھنا۔ خدا جانے ہم سے کیا قصور سرزد ہو گیا ہے جو خدا نے بیدرد عیسائیوں کے پھندے میں پھنسا دیا۔

یہ کہتے ہی زبیدہ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ عائشہ اور مہ جبین بھی افسردہ ہو گئیں قدسے اشرف بھی مغموم ہوا۔ اس نے کہا "امی جان اس میں بھی خدا کی کوئی مصلحت

ہے۔ وہ گرفتار بلا کر کے اپنے بندوں کی ثابت قدمی کا امتحان لیا کرتا ہے"۔

زبیدہ نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا "خدا ہمیں ان درندوں کی قید سے نجات دے"
سب نے آمین کہی اور آہستہ آہستہ جائے قیام کی طرف روانہ ہوئے۔

ان قیدیوں کی حالت نہایت ناگفتہ بہ تھی۔ کھانا اگرچہ دو وقت ملتا تھا لیکن نہایت خراب مضر صحت اور کم ہوتا تھا۔ پانی بھی بقدر ضرورت نہ ملتا تھا۔ ان کے محافظ نہایت سنگدل اور بے رحم تھے۔ انہوں نے کہہ دیا تھا کہ اگر کوئی شخص خواہ کیسی ہی ضرورت سے دروازہ کے قریب آئے گا تو اسے فوراً تیروں سے اڑا دیا جائے گا۔

ان لوگوں نے جوں توں کر کے دن گذارا رات کو نماز پڑھ پڑھ کر سب سوئے۔

اس قصر میں متعدد کمرے تھے۔ قیدی کئی کمروں میں مقیم ہوئے تھے۔ تمام عورتیں دو کمروں میں تھیں۔ ایک کمرہ میں اشرف اس کے والد منصور اور الفضل تھے۔ باقی قیدی پانچ کمروں میں منقسم ہو گئے تھے جو لوگ قیدیوں کو کھانا اور پانی بھی بہ افراط نہ دے سکتے تھے وہ روشنی کا انتظام کیسے کرتے۔ تمام کمروں میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔

رات نہایت تاریک تھی۔ چاند آدھی رات کے بعد نکلنے والا تھا۔ آسمان نے ایسی سیاہ چادر اوڑھ لی تھی جس پر جگمگاتے ہوئے ہیرے ٹکے ہوئے تھے۔ ان ہیروں کی روشنی کے عکس سے تیرہ و تار کائنات پر ہلکی ہلکی ضیا پاشی ہو رہی تھی۔

اندھیرے کے ساتھ ہی ساتھ خاموشی کا بھی قبضہ تھا۔ ہر طرف سنسان تھا کسی چیز کے بھی بولنے کی آواز نہ آ رہی تھی۔ ہوا تک بند تھی۔ درخت اس طرح خاموش اپنی ڈالیوں کو سمیٹے کھڑے تھے جیسے کوئی عابد دست بستہ خدا کی عبادت کے لئے کھڑا ہو۔ اگرچہ گرمیوں کے دن تھے۔ کمروں میں سونا تکلیف سے خالی نہ تھا۔ لیکن مصیبت زدہ قیدی مجبوری سے کمروں کے اندر گھسے ہوئے سوتے تھے۔ ان کے محافظوں کا حکم تھا کہ وہ رات کو کمروں کے اندر بند ہو کر سوئیں۔ جب رات آدھی سے زیادہ گذر گئی تو چاند افق مشرق سے نمودار ہوا۔ تمام افق میں روشنی پھیل گئی۔ کائنات

پر پہلے سے کسی قدر زیادہ اجالا ہو گیا۔

اشرف بے خبر پڑا سو رہا تھا۔ دفعتہً اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے کروٹ لی۔ ابھی وہ غنودگی کی حالت میں تھا۔ اسے اپنے قریب کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ ہوشیار ہو گیا۔ اسے خیال ہوا کہ الفضل یا منصور کسی ضرورت سے باہر گئے تھے اور اب واپس آئے ہیں۔ اس نے آہستہ سے کہا "ابا جان"

اسے کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اب اسے حیرت ہوئی قدموں کی چاپ پہلے سے زیادہ اور جلدی جلدی آنے لگی۔ اشرف اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے کسی قدر آواز سے کہا "کون ہے۔ آدھی رات کے بعد کمرے میں آنے والا کون ہے"۔

اب بھی کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اشرف ڈرا نہیں وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور جس طرف قدموں کی چاپ آ رہی تھی۔ دبے قدموں اسی طرف تیزی سے بڑھا۔ وہ اپنی رو میں بڑھا جا رہا تھا کہ کسی آدمی سے ٹکرا گیا۔ اس نے جلدی سے اس نہ بولنے والے آدمی کو پکڑ لیا اور بلند آواز سے کہا "بتاؤ تم کون ہو"۔

ایک آواز آہستگی سے آئی "غل نہ کرو۔ بیٹھ جاؤ میں سب کچھ بتا دوں گا"۔

اشرف اس آدمی کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھ گیا۔ وہ آدمی بھی بیٹھ گیا۔ اگرچہ اس وقت چاند کسی قدر بلند ہو گیا تھا۔ ٹھنڈی چاندنی درختوں کی چوٹیوں اور بلند میناروں پر پھیلنے لگی تھی۔ باہر میدانوں میں اچھی خاصی روشنی ہو گئی تھی۔ لیکن کمروں میں اب بھی اندھیرا پھیلا ہوا تھا اشرف کو غور سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے سے بھی اس آدمی کی جس کو اس نے پکڑ لیا تھا، صورت نظر نہ آئی تھی۔

---

(۳)

ایک اور مصیبت زدہ قیدی

کچھ وقفہ کے بعد اشرف نے آہستہ سے کہا "اب بتاؤ تم کون ہو؟"

اس آدمی نے آہستہ لہجہ میں کہا "میں سب کچھ بتا دوں گا لیکن مہربانی کر کے پہلے تم بتاؤ کون ہو؟ کس لئے یہاں آکر مقیم ہوئے ہو؟"

اشرف: "ہم مسلمان ہیں۔ حج کے لئے جا رہے تھے۔ عیسائیوں نے قافلہ لوٹ لیا بہت سے لوگوں کو مار ڈالا۔ بچوں کچھوں کو گرفتار کر کے اس تیرہ و تار جیل خانہ میں بند کر دیا۔"

اس آدمی نے کہا "تم بھی میری طرح مصیبت زدہ ہو۔ میں بھی مسلمان ہوں۔ بدقسمتی سے عیسائیوں کے ہاتھوں میں پڑ گیا۔ پورے سات سال ہو گئے ہیں کہ میں تازہ ہوا اور روشنی کو ترس گیا ہوں۔"

اشرف نے حیرت خیز لہجہ میں دریافت کیا "کیا تم سات سال سے قید ہو؟"

اس آدمی نے مغموم لہجہ میں جواب دیا "سات سال سے بھی زیادہ عرصہ سے اس تیرہ و تار جیلخانہ میں پڑا ہوں۔"

اشرف: تم کہاں کے رہنے والے ہو؟

وہی آدمی: بصرہ کا

اشرف: یہاں کیسے آگئے؟

وہی آدمی: اس کا جواب کیا دوں، بس یہ سمجھ لیجئے کہ حماقت سوار ہوئی، سیاحت

کو دل چاہا، پھرتا پھراتا یہاں آگیا۔ یہاں آتے ہی قید کر دیا گیا۔

اشرف نے جواب تک اس آدمی کا ہاتھ اس خوف سے پکڑے بیٹھا تھا کہ کہیں وہ بھاگ نہ جائے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اس نے کہا "شاید تم جاسوسی کے شبہ میں گرفتار کر لئے گئے۔"

اس آدمی نے جواب دیا "نہیں۔ مجھ پر الزام لگایا گیا کہ میں اس خزانہ کو جانتا ہوں جو صدیوں سے طبریہ کی پہاڑی میں دفن ہے۔"

اشرف: یہ شبہ کس وجہ سے ہوا۔

وہی آدمی: مجھے طبریہ کی پہاڑی خوش سواد معلوم ہوئی ہیں۔ روزانہ سیر کے لئے آنے لگا۔ صبح ہی آجاتا اور شام کو واپس شہر میں جاتا۔ لوگوں میں چرچا ہونے لگا۔ میں ناواقف رہا۔ ایک روز اچانک مجھے گرفتار کر لیا گیا۔ جب میں ریجنڈ کے سامنے پیش ہوا تو اس نے خزانہ کے متعلق استفسار کیا۔ میرے لاعلمی ظاہر کرنے پر وہ کمال برافروختہ ہوا۔ مجھے قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔ سختیاں کی گئیں۔ آخر قتل کا حکم ملا۔ اتفاق سے جس روز میں قتل کیا جانے والا تھا۔ اسی کی شب کو مجھے ایک تہ خانہ کا سراغ لگ گیا۔ میں جان بچانے کے لئے تہ خانہ میں جا گھسا۔ اس بات کو پورے سات سال ہو چکے ہیں۔ اس روز سے میرا یہ معمول ہے کہ روزانہ رات کو باہر نکلتا ہوں۔ اس احاطہ میں کھڑے ہوئے درختوں کے پھل توڑ کر کھا لیتا ہوں۔ صبح ہونے سے پہلے پھر تہ خانہ میں جا چھپتا ہوں۔

اشرف: پانی کہاں سے پیتے ہو؟

وہی آدمی: تہ خانہ میں پانی رس کر ایک نالی میں آتا ہے اسی نالی کا پانی پیتا ہوں۔

اشرف: پانی کہاں سے آتا ہے شاید تہہ خانہ کی چھت پر کوئی گندہ نالہ بہتا ہو اور اس کا پانی رس کر آتا ہو۔

وہی آدمی: نہیں پانی صاف اور خوش ذائقہ ہوتا ہے یا تو تہ خانہ پر کوئی چشمہ رواں ہے، یا بحیرۂ طبریہ سے کوئی سوت آتا ہے۔

اشرف: تم نے یہ نہیں دیکھا کہ نالی کا پانی کہاں چلا جاتا ہے؟

وہی آدمی: کیوں نہ دیکھتا۔ چند قدم چل کر دو پتھروں کے ملنے سے جو خلا رہ گیا ہے، اس میں پڑ کر غائب ہو جاتا ہے۔

اشرف: تم نے اس خلا کو کیوں نہ توڑ ڈالا۔

وہی آدمی: میں نے بہت کوشش کی، لیکن کامیاب نہیں ہوا۔ بات یہ ہے کہ معمولی پتھروں سے تو وہ ٹوٹ نہیں سکتا۔ اگر کوئی لوہے کی سلاخ مل جائے تو ٹوٹ جائے لیکن میں پکڑے جانے کے خوف سے دن میں باہر نہیں نکل سکتا، رات کو نکل تلاش کیا تو کوئی سلاخ ملی نہیں؟

اشرف: کل میں تلاش کروں گا۔

وہی آدمی: اگر تم نے سلاخ تلاش کر لی تو امید ہے ہم یہاں سے نکل سکیں گے۔

اشرف: آپ کا نام کیا ہے؟

وہی آدمی: میرا نام سعید ہے۔

اشرف: اگر مناسب سمجھو تو اب تم تہ خانہ میں نہ جاؤ۔ ہمارے ساتھ رہو۔

سعید: یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ پہچانے جانے کا اندیشہ ہے میں کل ملوں گا۔

اشرف: بہت اچھا۔

سعید: آپ کا کیا نام ہے؟

اشرف: میرا نام اشرف ہے

سعید: وطن کہاں ہے؟

اشرف: دمشق

سعید: کس کے صاحبزادے ہو؟

اشرف: میرے والد کا نام منصور ہے۔

سعید: تم سب کتنے آدمی ہو؟

اشرف: ہم چھبیس آدمی ہیں۔

سعید: اچھا اب آرام کیجئے میں کل مغرب کے بعد آؤں گا۔

اشرف: بہتر ہے جائیے۔

سعید اٹھ کر چلا گیا کہاں گیا، مگر اندھیرا ہونے کی وجہ سے اس کا کچھ پتہ نہ چلا اس کے جانے کے بعد اشرف اپنی جگہ پر آ کر پڑ رہا۔ ابھی رات باقی تھی۔ وہ تھوڑی دیر کروٹیں لینے کے بعد سو گیا۔ جب وہ بیدار ہوا، تو آفتاب طلوع ہو چکا تھا۔ وہ جلدی سے اٹھا۔ حوائج ضروری سے فراغت کر کے نماز پڑھی اور سلاخ کی تلاش میں روانہ ہو گیا۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ احاطہ نہایت وسیع تھا فصیل کے قریب شمال جانب والے کمرے منہدم پڑے ہوئے تھے۔ یہ سیدھا اسی طرف گیا۔ خدا جانے کب سے ملبہ کا ڈھیر لگ رہا تھا۔ اس نے ملبے کو الٹنا پلٹنا شروع کیا۔ خوش قسمتی سے تھوڑی ہی محنت پر لوہے کی سلاخ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہاتھ آ گیا۔ یہ ایک طرف سے نوکدار تھا۔ اشرف اس ٹکڑے کو دیکھ کر بہت خوش ہوا وہ اس ٹکڑے کو ہاتھ میں لے کر واپس لوٹا اسی طرف اس جیل خانہ کا دروازہ تھا۔ سنتری دروازہ کے کانچوں میں بیٹھ کر قیدیوں کی نگرانی کیا کرتے تھے۔

اشرف کو چند قدم چل کر اندیشہ ہوا کہ کہیں سنتری اس کے ہاتھ میں لوہے کا ٹکڑا دیکھ کر بدگمان نہ ہو جائیں، اس نے ایک جھاڑی میں وہ ٹکڑا چھپا دیا، اور اطمینان سے اپنے کمرہ میں چلا آیا۔ اب اس کے دل میں رہائی کی امید پیدا ہو گئی

امید کیا چیز ہے کوئی نہیں جانتا۔ عرف عام میں کسی بات کی توقع کو امید کہتے ہیں پہلا یہ ہے کہ اگر امید نہ ہو تو لوگوں کو زندگی کاٹنی دوبھر ہو جائے لیکن کوئی وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ امید ہے کیا۔

اشرف کو رہائی کی اُمید نے ایسا مسرور کیا کہ آج دن کاٹنا دوبھر ہوگیا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح جلد بجلد آفتاب غروب ہو جائے اور وہ سعید کے ساتھ مل کر رہائی کی جدوجہد شروع کرے۔ وہ الفضل کے پاس جا بیٹھا۔ الفضل کو آرام ہوگیا تھا۔ اس کے شانہ میں ریجنالڈ سے مقابلہ کرتے وقت جو زخم آیا تھا وہ مندمل ہوگیا تھا۔

الفضل اشرف کو بہت چاہتا تھا۔ اس سے اُسے ایسی ہی محبت ہو گئی تھی جیسی وہ اپنے بیٹے سے کر سکتا تھا۔ اس نے اشرف سے کہا "بیٹا تم کچھ مغموم رہتے ہو۔ کیا بات ہے؟"

اشرف نے جواب دیا "کوئی خاص بات نہیں۔ صرف اسیری کا غم ہے اگر نوجوان قید ہوتے تو کچھ غم نہ تھا۔ بزرگوں اور عورتوں کی قید نے غمگین کر رکھا ہے۔

الفضل: بیٹا غم کرنے سے کچھ نہیں ہوتا غم کا اثر صحت پر بُرا پڑتا ہے۔ ہم رہائی کی کوشش بھی نہیں کر سکتے۔ میں اس مکان کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ فی الحال کوئی ذریعہ یہاں سے نکلنے کا نہیں ہے۔

اشرف: کیا اس قصر کے قریب کوئی چشمہ بہتا ہے؟

الفضل: چشمہ نہیں۔ جب یہ قصر تعمیر ہوا تھا تو بحیرۂ طبریہ سے ایک نہر کھود کرائی گئی تھی جو اب خشک ہوگئی ہے۔

اشرف: کیا اس قصر کے قریب کوئی خزانہ دفن ہے؟

الفضل: تمام عیسائیوں میں یہ بات مشہور ہے۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟

اشرف: میں نے بھی سنا تھا۔

الفضل: کہتے ہیں کسی زمانہ میں ایک شہزادی اس قصر میں رہتی تھی۔ اس کے پاس بہت زیادہ دولت تھی۔ اس نے مرنے سے چند روز پہلے اپنی دولت پہاڑی کے کسی غار میں دفن کردی تھی۔

اشرف: جن لوگوں نے شہزادی کے ساتھ خزانہ کو دفن کیا تھا۔ اگر ان سے

پوچھا جاتا تو وہ بتا دیتے۔

الفضل: سُنا ہے حکمران وقت نے شہزادی کے انتقال کے بعد ان تمام لوگوں کو جو شہزادی کے ساتھ رہتے تھے بلا کر دریافت کیا تھا۔ لیکن سب نے لاعلمی ظاہر کی تھی۔ معلوم ہوا ہے کہ شہزادی نے ان لوگوں سے جو خزانہ کے دفن کرنے میں شریک تھے۔ حلف لے لیا تھا کہ وہ اسے نہ خود نکالیں گے نہ کسی کو اس کا پتہ بتائیں گے۔

اشرف: لیکن دولت کو لاپتہ کرنے سے شہزادی کا کیا مطلب تھا۔

الفضل: میں نے اپنے والد سے سنا تھا کہ شہزادی عیسائی تھی اسے کسی مسلمان سے محبت ہوگئی تھی۔ لیکن واقعات ایسے پیش آئے کہ ان دونوں کا عقد نہ ہو سکا۔ وہ دنیا سے بیزار ہوگئی اور اس نے اپنی تمام دولت دفن کر کے اپنے ہمرازوں کو وصیت کردی تھی کہ اگر کوئی مسلمان اس طرف آنکلے تو اسے اس دولت کا پتہ بتا دیا جائے۔

اشرف: عجیب بات ہے۔

الفضل: بالکل عجیب۔

منصور کے آجانے سے یہ گفتگو بند ہوگئی۔ اشرف اُٹھ کر باہر چلا گیا۔ اُسے آج لوہے کا ایک حقیر ٹکڑا پا جانے کی ایسی خوشی تھی جیسے کوئی بیش قیمت خزانہ مل گیا ہو وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح آج آفتاب جلد سے جلد غروب ہو جائے لیکن اس کے خیال میں آج دن کچھ بڑھ گیا تھا۔ سورج نہایت آہستہ آہستہ دورہ کر رہا تھا اس نے ایک ایک گھنٹہ ہی نہیں بلکہ ایک ایک منٹ اور ایک ایک سیکنڈ گن گن کر کاٹے خدا خدا کر کے آفتاب غروب ہوا دن چھپا۔ مغرب کی نماز پڑھی۔ کھانا کھایا۔ الفضل سے اِدھر اُدھر کی باتیں کیں۔ طبریہ کے حالات پوچھے۔ ان واقعات سے اگرچہ اُسے کوئی دلچسپی نہ تھی وہ صرف وقت گزارنے کے لئے پوچھ رہا تھا مگر کسی کسی بات سے اُسے حظ بھی حاصل ہو جاتا تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ عشاء کی نماز پڑھ کر پڑ رہا۔ اب اسے صرف

سعید کے آنے کا انتظار تھا۔ اگرچہ سعید نے دن چھپے ہی آنے کا وعدہ کیا تھا لیکن وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ لوگ سونے گئے۔ اس احاطہ میں خاموشی طاری ہونے لگی۔ الفضل اور منصور بھی سو گئے۔ صرف اشرف جاگتا رہا۔

ایک ثلث رات گذرنے پر اشرف نے قدموں کی چاپ سُنی وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے آہستہ آہستہ سے آواز دی۔ "سعید"

فوراً آواز آئی۔ "اشرف تم جاگ رہے ہو"۔

اشرف: ہاں میں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔

سعید: کہو کوئی لوہے کا ٹکڑا ملا؟

اشرف: مل گیا ہے۔

سعید اس کے قریب آیا۔ اس نے کہا۔ "لاؤ کہاں ہے"؟

اشرف اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا "چند منٹ انتظار کرو میں ابھی لاتا ہوں"۔

یہ کہتے ہی وہ لپک کر کمرہ سے باہر نکل آیا۔ اندھیری رات تھی۔ ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ آسمان پر تارے اسی طرح چمک رہے تھے جیسے کسی سیاہ تھال میں ہیرے رکھے ہوئے جگمگا رہے ہوں۔

اشرف جلد جلد چل کر اس جھاڑی کے پاس پہنچا جہاں اس نے لوہے کا ٹکڑا دن میں چھپا دیا تھا۔ اس نے اندھیرے میں ٹٹول کر اس ٹکڑے کو اٹھایا اور دبے قدموں گر تیزی سے واپس لوٹ کر کمرہ کے اندر پہنچا۔

تمام کمرہ میں غضب کا اندھیرا چھیلا ہوا تھا۔ کوئی چیز بھی نظر نہیں آتی تھی۔ سعید بھی تک کھڑا تھا۔ اس نے اشرف کے قدموں کی چاپ سُن کر کہا۔ "اشرف لے آؤ"۔

اشرف نے سعید کے پاس آ کر کہا۔ "لے آیا لیجئے"

سعید نے لوہے کے ٹکڑے کو اشرف سے لے کر دیکھا اس نے کہا "ایسے ہی ٹکڑے کی ضرورت تھی۔ اب تم میرے ساتھ آؤ"۔

اشرف نے ٹٹول کر سعید کا ہاتھ پکڑ لیا۔ سعید دبے قدموں واپس لوٹا۔ اس کمرہ کو عبور کر کے ایک چھوٹے اور تنگ کمرہ میں گیا۔ اس نے دیوار کو ہاتھ لگا کر جھٹکا دیا۔ ایک خفیف سی آواز آئی اشرف نے کہا۔ "سعید کیا کر رہے ہو"؟

سعید نے کہا "تہ خانہ کا چور دروازہ کھول رہا ہوں"۔

اشرف: مجھے بھی اس کے کھولنے کی تدبیر بتا دو۔ ممکن ہے کسی وقت مجھے تنہا ہی اسے کھولنا پڑے"۔

سعید: ٹھیک ہے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ کے ساتھ بڑھاؤ۔

اشرف نے ہاتھ بڑھایا۔ سعید نے ایک کنڈہ پر اشرف کا ہاتھ رکھ کر کہا۔ اس کنڈہ کو کھینچو۔

اشرف نے کنڈہ کھینچا خفیف سی آواز آئی۔ سعید نے کہا۔ "اس کے کھینچنے سے دروازہ بند ہو گیا۔ اب اسے دباؤ"۔

اشرف نے دبایا۔ پھر خفیف سی آواز آئی۔ سعید نے کہا "اب دروازہ کھل گیا یہ اس زینہ کا دروازہ ہے جو تہ خانہ میں نیچے کی طرف چلا گیا ہے میرے پیچھے نہایت ہوشیاری سے چلے آؤ غلطی نہ کرنا ورنہ گر پڑو گے اور پھر ہڈیوں پسلیوں کا پتہ نہ چلے گا۔

اشرف نے دروازہ عبور کر کے زینہ کی پہلی سیڑھی پر کھڑا ہو کر کہا۔ "اس طرف سے یہ دروازہ کس طرح کھلتا اور بند ہوتا ہے"؟

سعید: جیسا کنڈہ تم نے اس طرف دیکھا تھا ایسا ہی اس طرف کا بھی ہے۔ ہاتھ لاؤ۔ دیکھو کنڈہ یہ ہے۔ اس کے دبانے سے دروازہ کھلتا اور کھینچنے سے بند ہو جاتا ہے۔

اشرف: میں سمجھ گیا۔

اب یہ دونوں تہ خانے میں اترنے شروع ہوئے۔ یہاں اس غضب کا اندھیرا تھا کہ نظر بھی خانہ چشم سے ڈرتے ہوئے نکلی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سیاہ پٹی آنکھوں سے

باندھ کر اندھیرے کمرہ میں چھوڑ دیا گیا ہے۔"

یہ دونوں نہایت ہوشیاری سے ایک ایک سیڑھی اتر رہے تھے۔ اگر دیواروں کا سہارا نہ ہوتا تو سیڑھی کو طے کرنا مشکل تھا۔ بڑی دیر میں سیڑھیاں طے ہوئیں اور یہ تہ خانہ کے پہلے کمرہ میں پہنچے۔ سعید نے کھڑے ہو کر کہا۔ "دیکھو یہاں سے داہنے ہاتھ سیدھا برآمدہ چلا گیا ہے اس میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

اشرف نے دریافت کیا۔ "یہ برآمدہ کس قدر لمبا ہے"؟

سعید: میں نے شمار کیا تھا اکسٹھ (۶۱) قدم ہے۔

اشرف نے حیران ہو کر کہا۔ "اس قدر لمبا ہے"۔

سعید: ہاں اسی قدر ہے وقت کو باتوں میں ضائع نہ کرو۔ میرے ساتھ چلے آؤ۔ ہمیں ابھی بہت کام کرنا ہے خدا جانے پتھروں کو توڑنے میں کتنی دیر لگے۔ یہ کہتے ہی سعید روانہ ہوا۔ اشرف برابر اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا۔ وہ بھی چل پڑا۔ برآمدہ واقعی بہت طول و طویل تھا۔ برآمدہ کو طے کر کے یہ ایک وسیع کمرہ میں پہنچے۔ اشرف نے قیاس سے سمجھا کہ یہ کمرہ وسیع ہے۔ اس تمام تہ خانہ میں اس درجہ تاریکی پھیلی ہوئی تھی کہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے پر بھی سوائے اندھیرے کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔

اس کمرہ میں چند قدم چل کر اشرف ٹھٹکا۔ اس کے سر پر پانی کے چند قطرے ٹپکے۔ اس نے کہا۔ "سعید! کیا یہی وہ جگہ ہے جہاں پانی اوپر سے رستا ہے"۔

سعید: تم نے ٹھیک پہچانا۔ ہاتھ بڑھاؤ۔ پانی کے قطرے تمہارے ہاتھ پر آپڑیں گے۔

اشرف نے ہاتھ بڑھایا۔ ہاتھ پر بڑے بڑے ٹھنڈے پانی کے قطرے پڑنے لگے اس نے کہا "اچھا خاصا ترشح ہو رہا ہے"۔

سعید: ہاں نیچے ٹٹول کر دیکھو نالی بنی ہوئی ہے۔

اشرف نے ٹٹولا سوئے پتھر کو کاٹ کر نالی بنائی گئی تھی اس نے کہا۔ "میں نے

نالی دیکھ لی ہے"۔

سعید: دیکھو یاد رکھنا اب تک ہم مغرب کی طرف آتے رہے ہیں۔ اب جنوب کی طرف چلیں گے۔

سعید اشرف کا ہاتھ پکڑ کر جنوب کی طرف روانہ ہوا۔ تقریباً بیس قدم چل کر وہ رکا۔ اس نے کہا "دیکھو یہاں یہ کمرہ ختم ہو گیا ہے۔ نالی اس سامنے والے پتھر کے خلا میں جا کر غائب ہو جاتی ہے"۔

اشرف نے جھک کر ہاتھ سے ٹٹولا۔ اسے ایک چھوٹا سا سوراخ معلوم ہوا اس سوراخ سے تازہ ہوا آرہی تھی۔ اشرف نے کہا "یقیناً اس پتھر کے دوسری طرف کھلا ہوا میدان ہے"۔

سعید: میرا بھی یہی قیاس ہے آؤ اب قسمت آزمائی کریں میں نے اس طرف پتھروں کے ڈھیر لگا رکھے ہیں۔ میں اس بڑے پتھر کو ان پتھروں سے توڑنا چاہتا تھا لیکن کامیاب نہیں ہوا۔

اشرف نے پیروں سے ٹٹولا اسے شمال جانب پتھروں کے ٹکڑے پڑے ہوئے معلوم ہوئے۔

اب سعید بیٹھ گیا۔ اس نے بسم اللہ کر کے لوہے کا ٹکڑا نوک کی طرف سے پتھر پر مارنا شروع کیا۔ دو چار ضربیں لگانے سے جب پتھر پر کوئی اثر نہ ہوا تو اس کے دل میں ناامیدی پیدا ہونے لگی۔ اس نے یاس بھرے لہجہ میں اشرف سے کہا۔ "اشرف! ہماری محنت ضائع جاتی معلوم ہوتی ہے"۔

اشرف: تمہارا یہ خیال کس وجہ سے ہوا۔

سعید: اس لوہے کا پتھر پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

اشرف: ناامید نہیں ہونا چاہیے۔ کوشش کیجئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پتھر نہایت موٹا ہے۔

سعید: اندیشہ تو یہی ہے۔

اشرف: اندیشہ نہ کرو۔ لاؤ یہ لوہے کا ٹکڑا مجھے دو میں کوشش کروں۔

سعید نے اشرف کو لوہے کا ٹکڑا دے دیا۔ اس نے جیٹھ کر اپنی پوری قوت سے پتھر پر ضربیں لگانا شروع کیں۔ اول اول تو اُسے بھی ناکامی ہوئی لیکن دس بیس ضربوں کے بعد پتھر کے ورق اُترنے شروع ہو گئے۔ مگر اس عرصہ میں اشرف تھک بھی گیا اور پسینہ میں بھی نہا گیا۔

اب سعید نے اُس کے ہاتھ سے لوہے کو ضربیں لگانی شروع کیں۔ تھوڑی دیر میں پتھر اپنی جگہ سے سرکنے لگا۔ پورے دو گھنٹے کی سرتوڑ کوشش کے بعد پتھر نیچے پھسل گیا۔

پتھر کے سامنے سے ہٹتے ہی تازہ ہوا اور روشنی سے تمام وہ کمرہ بھر گیا جس میں اشرف اور سعید پسینہ میں شرابور کھڑے تھے۔ انہیں سامنے طبریہ کی شہر پناہ نظر آئی۔ دونوں اس غیر متوقع کامیابی پر باغ باغ ہو گئے۔ وہ فرط مسرت میں اس خیال کو بھول گئے کہ اگر جیلخانہ سے نکل بھی گئے تو شہر سے کس طرح نکل سکیں گے کیونکہ شہر کے چاروں طرف نہایت بلند اور مضبوط فصیل تھی۔ صرف دروازوں کے ذریعہ سے آمدورفت ہوتی تھی اور دروازوں پر ہر وقت پہرہ رہتا تھا۔

اس وقت رات دو ثلث گذر چکی تھی۔ چاند بہت کچھ بلند ہو گیا تھا۔ چاندنی ہر طرف اچھی طرح پھیل گئی تھی۔ اب اشرف نے سعید کو دیکھا وہ اُسے دیکھ کر نہایت متعجب ہوا۔

سعید کے سر داڑھی اور مونچھوں کے بال اس قدر گھنے لمبے اور بے ترتیب تھے کہ اس کا سارا منہ اور نصف سینہ بالوں میں چھپا ہوا تھا۔ اگر اشرف اُس سے پہلے سے واقف نہ ہوتا اور دفعتاً اُسے دیکھتا تو ضرور ڈر جاتا۔ اشرف نے کہا سعید! تمہارے بال کس قدر بڑھ گئے ہیں؟

سعید نے جواب دیا "اسی تہ خانہ میں میری داڑھی اور مونچھیں نکلیں اسی میں حجامت نہ بنوانے کی وجہ سے اس قدر بڑھ گئیں!"

اشرف نے مسکراتے ہوئے کہا "اس وقت تم بال بڑھے ہوئے ہونے کی وجہ سے اچھے خاصے بن مانس معلوم ہو رہے ہو۔ اس ہیئت کذائی میں تمہیں جو دیکھے گا وہ ڈر جائے گا"۔

سعید: ضرور ڈر جائے گا۔ مذاق بھر کر لینا۔ آؤ ذرا باہر کی تازہ ہوا کھائیں۔

اشرف: چلئے۔

دونوں تہ خانہ سے نکل کر آگے بڑھ گئے۔ چاند اس قدر بلند ہو گیا تھا کہ چاندنی شہر پناہ کی دیوار سے اُتر کر زمین پر لوٹنے لگی تھی۔

یہ دونوں دُور تک سیر کرتے چلے گئے۔ اس طرف آبادی نہیں تھی۔ اس وجہ سے سناٹا چھایا ہوا تھا۔ انہوں نے شہر کی فصیل کے قریب چاندنی میں کھڑے ہو کر اس عمارت کو دیکھا جس میں وہ قید تھے۔ یہ عمارت پہاڑی قلعہ پر سطح زمین سے پندرہ فٹ کی بلندی پر واقع تھی۔ اشرف نے کہا "آئیے اب تمام اپنے ہمراہیوں کو لے آئیں"۔

سعید: ابھی صبر کرو۔ ہم سب کے سب ایک ساتھ نہیں نکل سکتے۔

اشرف: یہاں سے چل کر آبا جان سے مشورہ کریں گے۔ ہاں ہمارے ساتھ افضل بھی ہیں۔ وہ عرصہ تک یہاں رہ چکا ہے۔ اس شہر کے گلی کوچوں سے بخوبی واقف ہے وہ بتا دے گا کہ ہم کس طرح شہر سے باہر نکل سکتے ہیں۔

سعید: اشرف ذرا صبر کرو۔ میں نے پورے سات سال بعد آسمان تارے چاند اور یہ خوش سواد منظر دیکھا ہے مجھے جی بھر کر سیر کر لینے دو۔

اشرف سعید کے ساتھ ہو لیا۔ کچھ دُور چل کر انہوں نے دو سنتریوں کو اسی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ سعید نے کہا "اشرف تم فوراً تہ خانہ میں چلے جاؤ۔ دونوں کا ایک جگہ رہنا ٹھیک نہیں۔ میں اس چٹان کی آڑ میں کھڑا ہوا جاتا ہوں"۔

اشرف نے کہا "سعید میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔"

سعید: میری طرف سے اندیشہ نہ کرو جس طرح میں کہوں کرتے رہو۔

مجبوراً اشرف واپس لوٹ آیا۔ وہ تہ خانہ میں جا گھسا۔ اُس نے پورے ایک گھنٹہ تک سعید کی واپسی کا انتظار کیا لیکن جب وہ نہ آیا تو وہ تہ خانہ سے نکل کر اُس طرف چلا جس طرف وہ اُسے چھوڑ کر آیا تھا۔ وہ آگے دیکھتا بھالتا اُس چٹان کے پاس پہنچ گیا جہاں سے وہ سعید سے الگ ہوا تھا۔ یہاں کوئی نہ تھا۔ ہر طرف رات کا قدرتی سکوت طاری تھا۔ وہ آگے بڑھ گیا۔ بہت دُور تک جانے پر بھی اُسے کوئی نظر آیا۔ نہ اُس نے کسی کی آواز سنی اس نے افسوس بھرے لہجہ میں کہا "افسوس غریب سعید! تو سات برس کے بعد جیلخانہ سے رہا ہوا لیکن رہا ہوتے ہی پھر گرفتار ہو گیا۔"

اشرف کو پورا یقین ہو گیا کہ سعید کو سنتریوں نے دیکھ کر ضرور گرفتار کر لیا۔ اب اُس بات پر افسوس ہوا کہ کیوں اُس نے سعید کا کہا مانا اور اُسے تنہا چھوڑ کر کیوں چلا آیا۔ لیکن اب افسوس کرنے سے کیا حاصل تھا چونکہ صبح قریب تھی اس لئے وہ افسوس کرتا ہوا واپس لوٹا اور تہ خانہ میں داخل ہو کر برآمدہ عبور کرنے لگا۔

۴

اقرار محبت

اشرف راستہ نہیں بھولا۔ وہ یادداشت اور خیال کی مدد سے برآمدہ کو عبور کر کے زینہ پر چڑھ گیا۔ آخری سیڑھی پر پہنچ کر اُس نے ٹٹول کر کنڈہ کو دبایا۔ ایک خفیف آواز کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا۔ وہ دروازہ سے باہر نکلا۔ اُس نے کنڈہ کھینچا دروازہ بند ہو گیا۔ وہ اس کمرہ کو عبور کر کے اس کمرہ میں پہنچا جس میں وہ سویا کرتا تھا۔ اس کمرے میں ابھی تک خاموشی طاری تھی۔ سب لوگ پڑے سو رہے تھے۔ اشرف بھی پڑ گئے۔ اگرچہ اسے سعید کی گرفتاری کے اندیشے سے کچھ فکر تھا مگر اس بات سے کسی قدر خوشی بھی تھی کہ اس نے اس جیلخانہ سے رہائی کا راستہ معلوم کر لیا چونکہ وہ ساری رات سویا نہ تھا۔ کچھ محنت بھی کرنا پڑی تھی۔ اس لیے تھک کر چور ہو گیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں سو گیا۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو سورج بہت اونچا ہو گیا تھا۔ دھوپ اچھی طرح پھیل گئی تھی۔ اس نے دیکھا کہ اُس کا باپ منصور اور الفضل دونوں اُس کے پاس بیٹھے اُسے تعجب اور متفکر نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔

اشرف اٹھ کر بیٹھ گیا۔ منصور نے کہا "الحمد للہ۔ اشرف! آج تمہاری طبیعت کیسی ہے؟"

اشرف نے جواب دیا "اچھی ہے فکر کی کوئی بات نہیں۔ رات نیند نہیں آئی تھی پچھلے پہر آنکھ لگی تھی۔ اس لیے دیر میں آنکھ کھلی۔"

منصور۔ خدا کا شکر ہے مجھے فکر پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں تمہارے دشمنوں کی طبیعت تو ناساز نہیں ہو گئی۔ اٹھو نماز پڑھ لو۔

اشرف اٹھ کر باہر گیا۔ اس نے حوائج ضروری سے فراغت کر کے نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر چہل قدمی کے لیے چل کھڑا ہوا۔ پہلے وہ کھنڈرات کی طرف گیا۔ اُدھر اُدھر دیکھا۔ وہاں سے طبیعت اچاٹ ہوئی۔ داہنے ہاتھ چل پڑا۔ اس طرف کثرت سے چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں چھوٹے بڑے درخت اور زمین پُر فضا معلوم ہوتی تھی جب وہ چند جھاڑیوں کو پیچھے چھوڑ گیا تو اسے ایک چھوٹا سا قطع صاف نظر آیا۔ اس قطع میں گھاس کھڑی ہوئی تھی۔ مشرق کی طرف چند تناور درخت اپنی شاخیں پھیلائے کھڑے تھے۔ اگرچہ آفتاب بہت کچھ اونچا ہو گیا تھا۔ لیکن سبزہ تک ان درختوں کے گھنے سایہ کی وجہ سے دھوپ نہ پہنچ سکتی تھی البتہ کہیں کہیں شاخوں اور پتوں میں سے چھن چھن کر آفتاب کی شعاعیں سبزہ پر لوٹ رہی تھیں جو بہت ہی بھلی معلوم ہو رہی تھیں۔ گرمیوں کا موسم تھا کسی قدر ہوا کے خوشگوار جھونکے چل رہے تھے۔ سبز لانبی لانبی گھاس ہل رہی تھی۔ درختوں سے چھن چھن کر آنے والی زرد پیلی شعاعیں سر سبز گھاس پر پڑ کر نہایت ہی دلفریب منظر پیدا کر رہی تھیں۔ اس لان کے عین بیچ میں حور وش مہ جبیں شان دلربائی کے ساتھ تنہا بیٹھی تھی۔ اس کی مشکبو زلف عنبریں کے جیسی نرم و نازک اور سیاہ بال کسی قدر اس کی گوری پیشانی پر جھک آئے تھے۔ اس قدر پیارے معلوم ہو رہے تھے کہ بیساختہ چومنے کو جی چاہتا تھا۔

اشرف نے اُس پری جمال کو دیکھا اس کا دل رعب حسن سے دھڑکنے لگا۔ اُسے آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ وہ ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا اور ہزاروں شوق اور لاکھوں تمناؤں کے ساتھ اس سیم تن کو دیکھنے میں محو ہو گیا۔

مہ جبین کا رُخ سامنے سورج کی طرف تھا۔ چند گستاخ شعاعیں درختوں کی شاخوں میں سے چھن چھن کر اس کے منور رخساروں پر پڑ رہی تھیں۔ یہ کہنا مشکل تھا کہ

شعاعوں نے اُس کے پُر نور چہرہ کو چمکا دیا ہے یا اُس کے منور چہرہ نے شعاعوں کو جگمگا رکھا ہے۔ وہ شہزادیوں کی شان کے ساتھ نہایت اطمینان کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اس کی بڑی بڑی کٹیلی آنکھیں جن پر مژگاں کی باڑہ کھڑی تھیں سبزہ پر جمی ہوئی تھیں۔ اُس کے نازک سر سے دوپٹہ ڈھلک کر کسی قدر پیچھے کی طرف جا پڑا تھا۔ جس سے اس کی سیاہ سانپ جیسی چوٹی نظر آنے لگی تھی۔ کچھ بال جو منور پیشانی کو چومنے کے لیے چوٹی سے نکل آئے تھے اور گوری پیشانی پر پڑے ہوا سے لہرا رہے تھے نہایت ہی بھلے اور پیارے معلوم ہو رہے تھے۔

کچھ دیر ٹھٹک کر اشرف آگے بڑھا اس کے قدموں کی چاپ سے مہ جبین چونکی۔ اس نے اپنی پُر نور صراحی دار گردن کو پھیر کر دیکھا۔ وہ اشرف کو آتا ہوا دیکھ کر مسکرائی اور جلدی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اشرف اس کے قریب آ کر کھڑا ہوا۔ اس نے کہا "آج تم یہاں تنہا کیسے چلی آئیں؟"

مہ جبین نے نگاہیں جھکا کر جواب دیا "بیٹھے بیٹھے جی گھبرانے لگا۔ یہاں چلی آئی"۔

اشرف للچائی ہوئی پیار بھری نظروں سے اُسے دیکھ رہا تھا وہ چاہتا تھا کہ وہ ماہ رخ مہ جبین کو اس قدر دیکھ لے جس سے اسکے دید کی حسرت پوری ہو جائے مگر وہ جس قدر اُس گل اندام کو دیکھتا تھا۔ اُسی قدر اس کی حسرت اور بڑھتی تھی۔

مہ جبین لجائی شرمائی کھڑی تھی۔ اشرف نے کہا "مہ جبین میں کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ اگر خفا نہ ہو۔ تو دریافت کروں"۔

مہ جبین نے سر جھکائے ہوئے جواب دیا "کیا دریافت کرنا ہے"؟

اشرف "میں نے جب سے تمہیں دیکھا ہے ہوش و حواس جاتے رہے ہیں آنکھوں پھر کچھ ہی کسک اور سینہ میں درد سا رہتا ہے"۔

مہ جبین اس کا کیا جواب دیتی وہ خاموش رہی۔ اشرف نے پھر کہا "آپ

نے جواب نہ دیا"۔

مہ جبین نے ایسی غلط انداز نظروں سے جن میں بجلیاں کوٹ کوٹ کر بھری تھیں اشرف کو دیکھا۔ اشرف کے دل پر چوٹ لگی۔ مہ جبین نے خفیف سے تبسم کے ساتھ کہا "آپ نے دریافت ہی کیا کیا جو جواب دیا جاتا"۔

اشرف نے مسکین صورت بنا کر کہا "مہ جبین مجھے خوف ہے کہ تم خفا ہو جاؤ گی جو میں کہنے والا ہوں اسے سن کر بگڑ جاؤ گی لیکن میں نے بہت کچھ ضبط کیا۔ اب نہیں ہو سکتا بغیر کہے چارہ نہیں۔ سنو میں تم پر فریفتہ ہو گیا ہوں"۔

اشرف یہ کہتے ہی کہتے چپ ہو گیا۔ مہ جبین پر دوشیزگی کی حیا طاری ہو گئی۔ دفعتہً اس کے دل میں رسوائی کا خوف پیدا ہوا۔ اس کا شہابی رنگ اڑ گیا۔ نازک عنابی لبوں پر خشکی دوڑ گئی۔ اس نے اپنے معصومانہ نظروں سے جو خاص عربی دوشیزہ لڑکیوں کا خاصا ہے۔ اشرف کو دیکھا۔ اشرف مہ جبین کی ان پاک اور شرم آلود نظروں کو دیکھ کر نادم ہو گیا۔ اس نے چند منٹ کے وقفے کے بعد کہا "ملائک فریب مہ جبین! خوف نہ کرو۔ میں اس روز زندہ نہ رہوں گا جب تمہاری رسوائی ہو۔ میں نے آج تک سوائے تمہارے کسی سے بھی اپنی فریفتگی کا اظہار نہیں کیا ہے۔ میں آتشِ فرقت سے جل جل کر مر جاؤں گا لیکن کسی کے سامنے حالِ دل کا اظہار نہ کروں گا"۔

مہ جبین کو قدرے اطمینان ہوا۔ اس کا اڑا ہوا رنگ واپس آ گیا۔ چہرہ کی چمک اور رعنائی بدستور ہو گئی۔

اشرف نے پھر کہا "ناز آفریں مہ جبین! مجھے تم سے اس قدر محبت ہو گئی ہے جیسے سرزمین عرب کے نجدی قیس کو لیلیٰ سے تھی لیکن میں قیس یا مجنوں کی طرح تنگ ظرف نہیں ہوں۔ میں تمہاری رسوائی کے خوف سے تنہائی میں بھی تمہارا پیارا نام نہیں لیتا۔ دل میں یاد کرتا ہوں۔ تصور میں باتیں کرتا رہتا ہوں۔

مہ جبین اب بھی خاموش تھی۔ اشرف اسے محبت و شوق بھری نظروں سے برابر دیکھ رہا تھا۔

مہ جبین اس سبزہ زار پر بالکل ایسی کھڑی تھی جیسے حسن کی دیوی ماحول کو اپنے حسن سے مسحور کرنے کے لیے آ کھڑی ہوئی ہو۔

اشرف نے اس بتِ طناز سے پھر کہا "مہ لقا دوشیزہ! میں صرف یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا میری محبت نے تمہارے پتھر سے زیادہ سخت دل پر کچھ اثر کیا ہے"۔

حور وش مہ جبین نے اپنی شرمیلی مگر جاں ستاں نظروں کو اٹھا کر اشرف کو دیکھا۔ اشرف مسحور ہو گیا۔ وہ اس بت شرمگیں کی فتنہ زا نظروں سے آنکھیں چار نہ کر سکا۔ بے اختیار اس کی آنکھیں لڑکھڑا کر جھک گئیں۔ مہ جبین نے ترنم خیز لہجہ میں کہا "جس دنیا میں تم نے قدم رکھا ہے اس میں شدائد و صعوبت قدم قدم پر ہیں۔ راستے سنگلاخ اور کانٹوں سے بھرے پڑے ہیں۔ ابھی تم اس دنیا میں زیادہ دور نہیں گئے ہو۔ ابھی وقت ہے واپس لوٹ آؤ"۔

اشرف نے بے ساختہ کہا "ناممکن ہے جس دنیا کو تم شدائد و مصائب سے لبریز بتاتی ہو وہ میری آرام گاہ ہے۔ میں اس دنیا سے ناواقف تھا مگر تمہاری بدولت واقف ہو گیا۔ مجھے وہ دنیا نہایت پیاری معلوم ہوتی ہے اس کی زندگی کیف انگیز ہے۔ دنیائے محبت بہترین دنیا ہے"۔

مہ جبین: آج تعریف کرتے ہو لیکن کل جب مصائب و آلام کے پہاڑ دیکھو گے تو برائی کرنے لگو گے۔

اشرف: یہ کبھی نہ ہوگا۔ تعریف کرتا ہوں اور تعریف ہی کرتا رہوں گا۔

مہ جبین: دیکھو اس وقت کیسی خوشگوار ہوا چل رہی ہے...... اشرف نے قطع کلام کر کے کہا "باتوں میں نہ ٹالو۔ خدا کے لیے بتاؤ، کیا تمہارے دل میں بھی

محبت کا احساس ہے؟"

مہ جبین نے پھر پرشوق نظروں سے اشرف کو دیکھا۔ اشرف نے اس مرتبہ بہت کچھ ہی کہہ دیا۔ انھیں چار کرنی چاہیں لیکن وہ پھر اُس حور وش کی نگاہوں سے نگاہیں لڑانے کی تاب نہ لا سکا۔ اُس کی نگاہیں جھک گئیں۔ مہ جبین نے کہا اشرف اس بات کو رہنے دو۔"

اشرف نے بسولی سی صورت بنا کر کہا۔ "مہ جبین بتا دو۔ اس سے میرے دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہو جائے گا۔"

مہ جبین خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔ اشرف نے کہا۔ "سوچنے کا وقت نہیں ہے خدا خدا کر کے آج تنہائی ملی ہے خدارا بتا دو۔"

مہ جبین: کیا بتاؤں!

اشرف: تمہیں مجھ سے محبت ہے یا نہیں۔

مہ جبین: ہے......

اشرف کا چہرہ شگفتہ پھول کی طرح کھل گیا اس نے کہا۔ "مسیح دم نازنین! آج تم نے مجھے جلایا میرے......"

ابھی اشرف کا فقرہ پورا نہ ہوا تھا کہ سامنے سے بھولی عائشہ آگئی۔ اس نے دور ہی سے کہنا شروع کیا۔ "واہ واہ تم یہاں دبکی کھڑی ہو۔ میں نے سارے ڈھونڈ لیا بھائی جان تم کو کہتے تھے کہ مہ جبین تم سے خفا ہے۔"

عائشہ ان دونوں کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ مہ جبین شرما گئی۔ اشرف نے کہا۔ "میں ان سے یہی دریافت کر رہا تھا کہ یہ مجھ سے کیوں خفا ہیں؟"

عائشہ: پھر انہوں نے کیا کہا۔

اشرف نے مسکرا کر کہا۔ جواب ہی نہیں دیتیں۔ بولتی ہی نہیں

عائشہ: کل میں نے بھی دریافت کیا تھا۔

اشرف: تمہیں کیا بتایا؟

عائشہ: کچھ بھی نہیں۔ چپ ہو گئیں

اشرف: اب بھی چپ ہیں

عائشہ: آخر یہ کیوں خفا ہیں۔ یہ تو کسی سے بھی نہیں ناراض ہوتی۔ تمہیں ہی کیا پڑی ہے۔ یہ ناراض ہی ہوتے دو۔ تم کیوں منانے پھرتے ہو۔

مہ جبین نے بہت کچھ ضبط کیا لیکن ہنسی آ ہی گئی۔ اشرف بھی مسکرا پڑا۔

عائشہ صاف دل اور سادہ لوح تھی۔ دنیا ساری یا دنیا کے ریچ پیچ سے ناواقف محض تھی اگرچہ وہ شباب کے ابتدائی زمانہ میں قدم رکھ چکی تھی لیکن ابھی وہ صاف دل اور پاک باطن تھی۔ عائشہ نے مہ جبین سے مخاطب ہو کر کہا کہ "مہ جبین بتا کیوں نہیں دیتیں۔ ایسی کیا بات ہوئی جو تم بھائی جان سے خفا ہو گئیں۔

حور وش مہ جبین نے مسکرا کر کہا۔ "میری بھولی عائشہ میں خفا نہیں ہو گئیں۔

عائشہ نے خوش ہو کر کہا۔ "خدا کا شکر ہے تم نے......"

عائشہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی کہ اس نے چند عیسائی سپاہیوں کو احاطہ میں داخل ہوتے دیکھا اس نے اشرف سے مخاطب ہو کر کہا۔ "بھائی جان یہ گھوڑے عیسائی سوار کیوں گھسے چلے آ رہے ہیں؟"

عائشہ کے توجہ دلانے پر مہ جبین اور اشرف نے دیکھا۔ سپاہی کمروں کی طرف جا رہے تھے۔ اشرف نے کہا۔ "ضرور کوئی نئی بات ہے آؤ معلوم کریں۔

اب یہ تینوں جلد جلد چل کر کمرہ میں پہنچے۔ انہوں نے دیکھا کہ سپاہی قیدیوں کو ایک جگہ جمع کر رہے ہیں۔ اشرف نے الفضل سے دریافت کیا کیا بات ہے یہ سپاہی کیوں آئے ہیں؟

الفضل: ابھی تک انہوں نے کوئی بات نہیں بتائی ہے۔

اشرف نے ایک سپاہی سے دریافت کیا کیا مہربانی کر کے آپ بتائیں گے کہ

کیوں آپ ہم سب لوگوں کو جمع کر رہے ہیں؟"

سپاہی نے جواب دیا۔ "آج قیدیوں کو یہاں سے قلعے کے اندر منتقل کیا جائیگا۔"

یہ سنتے ہی اشرف کو سخت غم و فکر ہوا۔ وہ صبح سے اس وقت تک اس خیال میں مگن رہا تھا کہ رات کو اس جیل خانہ سے نکلنے کی کوشش کرے گا لیکن بدقسمتی سے اس کے دل کی دل ہی میں رہی۔ سارے منصوبے خاک میں مل گئے اُس نے قیاس کر لیا کہ سعید گرفتار ہو گیا اور عیسائیوں نے یہ معلوم کر لیا کہ وہ کس طرح اس جیل خانہ سے باہر نکلا لیکن اس نے پھر بھی اسی سپاہی سے دریافت کیا۔ "نوجوان کیا تم ہمیں یہ بتاؤ گے کہ کیوں ہمیں جیلخانہ سے منتقل کرنا چاہتے ہو؟"

سپاہی نے جواب دیا۔ "ہمارے جاسوسوں نے اطلاع دی ہے کہ سلطان صلاح الدین طبریہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے بڑھا چلا آ رہا ہے چونکہ یہ جگہ غیر محفوظ ہے۔ اس لئے قیدیوں کو قلعہ میں لیجانے کا حکم ہوا ہے۔"

یہ بات سن کر تمام مسلمان قیدی کس قدر خوش ہوئے۔ سب سے زیادہ مسرت اشرف کو ہوئی کیونکہ اس خبر نے اس کے اس خیال کی تردید کر دی کہ سعید گرفتار ہو گیا ہے لیکن اس نے سوچا اگر سعید گرفتار نہیں ہوا تو کہاں گیا۔

وہ اسی فکر و تشویش میں تھا کہ تمام قیدی ایک جگہ جمع ہو گئے۔ سپاہیوں نے انہیں ریشم کی دوڑ میں مضبوط باندھ دیا اور حیوانوں کی طرح انہیں ہانکتے ہوئے لے کر چلے۔

---

(5)

جذبۂ ہمدردی

سعید عیسائی سواروں کو آتا ہوا دیکھ کر ایک چٹان کی آڑ میں چھپ ہو گیا تھا۔ سپاہی چٹان تک نہیں آئے۔ دور ہی سے واپس لوٹ گئے۔ جب کسی قدر فاصلے پر چلے گئے تو سعید چٹان کے پیچھے سے نکلا اور آہستہ آہستہ دروازہ کی طرف روانہ ہوا۔ ایک غیر معروف راستہ کسی قدر گھوم کر دروازہ پر جا نکلتا ہے سعید اسی راستہ پر چل پڑا۔ خوش قسمتی سے اسے راستہ میں کوئی نہ ملا۔ اس وقت چاند کسی قدر بلند ہو گیا تھا کہ چاندنی درختوں کی چوٹیوں اور دیواروں سے اتر کر میدانوں اور راستوں پر پھیل گئی تھی۔ صاف و شفاف چاندنی میں ہر چیز اچھی طرح نظر آ رہی تھی۔ سعید چپ چاپ بڑھا چلا جا رہا تھا۔ پچھلی رات کا وقت تھا۔ اس وقت رات کے تمام اوقات سے زیادہ خاموشی طاری ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ہر طرف کامل سکوت تھا کبھی کبھی کتوں کے بھونکنے کی آواز آ جاتی تھی۔ یا دور پر گیدڑ بولے جاتے تھے۔

چلتے چلتے سعید دروازہ پر پہنچ گیا آج قسمت اس کا ساتھ دے رہی تھی۔ دروازہ پر پہرہ والے غافل پڑے سو رہے تھے۔ سعید نے پھاٹک کے قریب جا کر چھوٹی کھڑکی کی کنڈی کھول لی لیکن جس وقت اس نے کواڑ کھولے تو کھٹکا ہونے سے دو سنتریوں کی آنکھ کھل گئی۔ وہ بڑبڑا کر اٹھ بیٹھے ان میں سے ایک نے کہا "کس نے کواڑ کھولے ہیں؟"

سعید اس آواز کو سنتے ہی گھبرا گیا۔ اس نے ایک دم سوچا کہ کیا کرے۔ اس

کے دماغ میں نکل بھاگنے ہی کا خیال آیا۔ وہ جلدی سے کھڑکی کے دوسری طرف کود
گیا۔ فوراً دونوں سنتری اٹھ کر اُس کے پیچھے دوڑے۔ سعید نہتا تھا۔ سنتریوں
کے ہاتھ میں تلواریں تھیں۔ جب وہ دونوں بھی کھڑکی سے کود کر دوسری طرف پہنچ
گئے اور سعید کو ان کی گرفت سے بھاگ کر نکل جانا دشوار معلوم ہوا تو مردانہ وار ان
دونوں کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔

دونوں سنتریوں کی اس پر ایک ساتھ نظر پڑی۔ وہ اس کی خوفناک ہیبت
دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔ دراصل سعید کی صورت نہایت ہیبت ناک ہو رہی تھی۔
سر اور داڑھی کے بال اس طرح بکھرے پڑے تھے کہ اس کا منہ اور سینہ تک کا کوئی
حصہ نظر ہی نہ آتا تھا۔ صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں جو چمک رہی تھیں۔

سنتری حیران و پریشان کھڑے تھے۔ سعید نے تیافے سے معلوم کر لیا کہ اُس کی
پر ہول صورت نے دونوں سنتریوں کو مخوف و پریشان کر دیا ہے۔ اسے شرارت
سوجھی یا تو وہ کھڑا تھا یا ایک دم گنگناتا ہوا سنتریوں کی طرف دوڑا۔ اس کا دوڑنا
تھا کہ دونوں سنتری چیخیں مار مار کر زمین پر گر پڑے اور گرتے ہی بیہوش ہو گئے۔

سعید اُن کے قریب پہنچا۔ وہ انہیں بیہوش دیکھ کر بہت ہنسا۔ تھوڑی ہی دیر
میں اُس کی ہنسی رخصت ہو گئی اور چہرہ سے خشونت و غضب کے آثار ظاہر ہو گئے۔
وہ پورے سات سال تک بیدرد عیسائیوں کی قید میں رہا تھا۔ اس سے وہ انکا
دشمن ہو گیا تھا۔ اس وقت اسے غصہ آ گیا۔ اس نے ایک سنتری کی تلوار اٹھا لی اور
ان دونوں بزدلوں کو جو بیہوش پڑے تھے قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن دفعتاً اس
کے دل میں رحم کا جذبہ پیدا ہوا۔ اُس نے آہستہ سے کہا۔ "بیہوشوں کو مارنا دلیری نہیں
ہے۔ میں انتقام لوں گا لیکن میدان جنگ میں۔"

سعید تلوار لے کر وہاں سے چل پڑا۔ وہ پہاڑی کے اوپر چڑھ گیا اور ایک صاف
پتھر پر تلوار کروٹ کے نیچے رکھ کر لیٹ گیا۔ پڑتے ہی اُسے نیند آ گئی۔ جب اُس کی آنکھ

کھلی تو ایک ثلث دن باقی رہ گیا تھا۔ وہ اٹھا۔ قریب ہی صاف و شفاف چشمہ
رواں تھا۔ اس نے وضو کر کے نماز پڑھی اور پھل دار درختوں سے چند پھل توڑ کر کھائے
اور پانی پی کر تازہ دم ہو گیا۔

سعید سات سال تک تہ خانہ میں قید رہا تھا اس مدت میں اس نے نہ انسانوں
کی صورت دیکھی نہ آفتاب نظر آیا تھا گویا وہ زندہ در گور ہو کر دنیا سے قطع تعلق کر
چکا تھا۔ آج وہ رہا ہوا تھا۔ ہر چیز کو شوق بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس پتھر
پر بیٹھ گیا تھا جس پر سو رہا تھا۔ ابھی اُسے بیٹھے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ایک
جام سامنے والی پگڈنڈی سے نیچے اترتا نظر آیا۔ سعید پتھر سے اٹھ کر اس کی طرف
بڑھا اور پگڈنڈی کے سرے پر جا کھڑا ہوا

جام آہستہ آہستہ سر جھکائے چلا آ رہا تھا۔ وہ تھکا ماندہ معلوم ہوتا تھا کہیں دور
سے سفر کیے آ رہا تھا۔ اس کے پیروں پر کافی گرد چڑھی ہوئی تھی۔ وہ شاید کسی خیال
میں غرق تھا۔ اِدھر اُدھر نہ دیکھتا تھا۔ نظریں نیچی کیے آ رہا تھا۔ جب وہ سعید کے قریب
آیا تو سعید نے کہا۔ "دوست کہاں سے آ رہے ہو؟"

جام چونک پڑا۔ اُس نے نظریں اٹھا کر سعید کو دیکھا۔ دیکھنا تھا کہ فرط خوف و
دہشت سے کانپنے لگا۔ بیچارے کی گھگی بندھ گئی۔ اُس کی کیفیت دیکھ کر سعید
متبسم ہوا۔ اُسے اندیشہ ہوا کہ کہیں جام بھی سنتریوں کی طرح دہشت زدہ ہو کر
بیہوش نہ ہو جائے۔ اس لئے اس نے جلدی سے کہا۔ "گھبراؤ نہیں میں انسان ہوں۔
میرا خط بنا دو۔"

جام کے ہوش و حواس پراں تھے۔ پہاڑی مقام تھا۔ چار گھڑی دن باقی رہا تھا۔
چاروں طرف سناٹا تھا ایسے مقام پر اس وقت وہ ایسے شخص کے پاس کھڑا تھا جس کا
منہ اور سینہ بالوں سے بالکل ڈھکا ہوا تھا۔ وہ خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہا تھا
سعید نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "نڈر رہو میں نے منت مانی تھی۔ نہیں بلکہ میں دشمنوں

میں گرفتار ہو گیا تھا۔ سات سال تک ایسے تیرہ و تار جیل خانہ میں کہ وہ تنہا بند پڑا رہا ہوں جہاں روشنی اور تازہ ہوا کا نام نہ تھا۔ میرا خط بڑھ گیا ہے۔ آؤ اس سامنے والے پتھر پر بیٹھ کر بنا دو۔

حجام کو انکار کی مجال کیا تھی۔ چپ چاپ سعید کے پیچھے چل پڑا۔ چشمہ میں سے پانی لیا اور پتھر پر بیٹھ کر خط بنانے لگا۔ اگرچہ وہ اپنے کام میں مشغول تھا لیکن اس کا دل فرط خوف سے دھڑک رہا تھا۔ سعید بار بار اسے اطمینان دلایا جاتا تھا کہ وہ انسان ہے جن یا بھوت پریت کی قسم سے نہیں ہے۔ تھوڑی دیر میں اس کا خط بن گیا۔ اب وہ سجیلا نوجوان معلوم ہونے لگا۔ اس کے چہرہ کا رنگ نہایت گورا تھا۔ آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔ وہ خوبصورت تھا۔ اس نے حجام کا شکریہ ادا کیا۔ حجام اسے انسانوں کی صورت میں دیکھ کر قدرے بشاش ہوا۔ جب وہ خط بنا چکا تو سعید نے کہا۔ "اب تم میرا ایک کام کر دو"۔

حجام نے دریافت کیا "کیا؟"

سعید: تم اپنے اوزار میرے پاس رکھ جاؤ اور طبریہ میں چلے جاؤ۔ کسی دولتمند مسلمان کے پاس جا کر کہنا کہ تمہارا ایک بھائی پہاڑ کے اوپر ننگا بیٹھا ہے۔ اس کیلئے ایک جوڑہ کپڑوں کا لے کر چلو"۔

حجام نے کہا "بھلا کون ایسا مسلمان ہو گا جو میرے کہنے سے تمہارے لیے کپڑے لے کر یہاں چلا آئے گا"

سعید: تم مسلمانوں کو نہیں جانتے ہو۔ مسلمان وہی ہے جو اپنے بھائی مسلمان کے لئے سب کچھ نثار کر دیتا ہے۔ تم چلے جاؤ۔ میرا پیغام پہنچا دو۔ جو شخص میرے لئے کپڑے لے کر آئے گا میں اسی سے تمہیں انعام ...... دلا دوں گا

حجام عیسائی تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا تھا کہ کوئی امیر مسلمان ایک مفلس فقیر کیلئے کپڑے لے کر کیوں چلا آئے گا لیکن وہ سعید سے ابھی تک خائف تھا۔ اسے خوف ہوا کہ اگر اس نے سعید کا کہا نہ مانا۔ تو وہ اس کے اوزار بھی چھین لے گا اور اسے

نقصان بھی پہنچائے گا۔ اس لئے وہ بہ جبر و اکراہ اس کا کام کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ اس نے اپنے اوزار سعید کے پاس رکھ دیئے اور خود روانہ ہوا۔ جب وہ چلنے لگا تو سعید نے کہا "دیکھو جلدی آنا دیر نہ لگا دینا"

حجام نے کہا "میں جلد سے جلد واپس آؤں گا"۔

وہ چلا گیا۔ سعید کے کپڑے میلے ہونے کے علاوہ جگہ جگہ سے پھٹ رہے تھے اس نے پھٹے ہوئے کپڑے اتار ڈالے اور چشمہ کے کنارہ بیٹھ کر نہانے لگا۔

اس نواح میں صرف ایک ہی چشمہ تھا۔ اس کا پانی صاف اور شیریں تھا طبریہ کے باشندے اسی چشمہ کا پانی استعمال کرتے تھے۔ شہر کے اندر جو کنوئیں تھے وہ اس قدر ناکافی تھے کہ ان سے تمام آبادی کو پانی میسر آتا تھا۔

سعید نہایت اطمینان سے نہاتا رہا۔ جب آفتاب غروب ہونے لگا تو وہ میلے کپڑوں سے ستر پوشی کر کے پھر پتھر پر آ بیٹھا۔ ابھی اسے بیٹھے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ حجام واپس آ گیا۔ اس کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر کا مسلمان آ رہا تھا۔ وہ مسلمان ذی وجاہت معلوم ہوتا تھا۔ اس نے سعید کے پاس پہنچ کر سلام کیا۔ سعید نے سلام کا جواب دیا۔ اس نے جوڑے کپڑوں کے سعید کے پاس رکھ دیئے۔ سعید نے جلدی سے کپڑے پہنے۔ کپڑے پہن کر اس نے آنے والے مسلمان کا شکریہ ادا کیا۔ آنیوالے مسلمان نے سعید سے دریافت کیا۔ "آپ کون ہیں۔ یہاں پہاڑ پر کیوں رہتے ہیں"

سعید نے کہا "میں بصرہ کا رہنے والا ہوں۔ سیاحت کے شوق میں یہاں آیا تھا ظالم عیسائیوں نے قید کر لیا۔ سات سال کے بعد خدا خدا کر کے آج رہائی نصیب ہوئی ہے"۔

"آنے والا نہایت حیرت سے سعید کی گفتگو سن رہا تھا۔ اس نے پوچھا "تم کیوں قید کر لیے گئے تھے؟"

سعید: مجھ پر شبہ کیا گیا تھا کہ میں اس خزانہ سے واقف ہوں جو طبریہ کی پہاڑی میں مدفون ہے۔

آنے والے نے ایسے لہجہ میں جیسے اسے کوئی پرانی بات یاد آگئی ہو کہا۔

"اخاہ میں سمجھ گیا۔ بہت عرصہ کی بات ہے جب اس کا چرچا ہوا تھا۔ تم نے بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں"۔

سعید: بہت زیادہ۔ کئی سال سے صرف پھلوں اور پانی کے چند قطروں پر گذارا کر رہا ہوں۔

آنیوالا۔ اب کہاں جانے کا قصد ہے؟

سعید: جس طرف خدا لے جائے۔ یوں تو ارادہ بصرہ ہی جانے کا ہے۔

آنیوالا: تم پیدل سفر نہ کر سکو گے۔ اگر تم کہلا بھیجتے تو میں تمہارے لیے ایک گھوڑا ابھی لیتا آتا۔ اب تمہیں اس وقت انتظار کرنا پڑے گا جب تک میں گھوڑا لے کر آؤں۔

سعید: آپ کا ہزار ہزار شکریہ لیکن میں اب آپ کو زیادہ تکلیف دینا نہیں چاہتا۔

آنیوالے نے کسی قدر جوش کے لہجہ میں کہا "تکلیف! ایک مسلمان کی مدد کرنے میں تکلیف ہو سکتی ہے۔ یہ میرے لیے عین راحت ہے"۔

سعید: لیکن میری حمیت اسے گوارا نہیں کرتی۔

آنیوالا۔ مگر قیامت کے روز جب خدا دریافت کرے گا کہ میں نے استطاعت ہوتے ہوئے ایک مظلوم مسلمان کو اس وقت گھوڑا نہ دیا جب وہ عیسائیوں کی قید سے سات سال کے بعد چھٹکارا پا کر طربیہ سے بصرہ جا رہا تھا تو میں کیا جواب دوں گا۔

سعید: اگر میں آپ سے گھوڑا طلب کروں اور آپ نہ دیں تب آپ مواخذہ دار ہیں۔

آنیوالا: اچھا میں کچھ نقدی لایا ہوں اسے قبول کر لیجیے۔

سعید: اگرچہ مجھے نقدی کی ضرورت نہیں لیکن آپ کے لحاظ سے لیے لیتا ہوں۔

آنیوالے نے ایک چھوٹی سی تھیلی سعید کو دی۔ حجام حیرت و استعجاب سے ان دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ اس نے کہا۔ میں سنا کرتا تھا کہ مسلمانوں میں بہت زیادہ اتفاق و اتحاد ہے۔ آج آنکھوں نے دیکھ لیا۔ حضرت مسیح کی قسم عیسائیوں میں یہ باتیں مفقود ہیں"۔

آنے والے مسلمان نے کہا "ساری دنیا کے مسلمان آپس میں بھائی ہیں۔ بھائی کی امداد کرنا بھائی پر واجب ہی نہیں فرض ہے"۔

حجام: اگر کسی عیسائی کو معلوم ہوتا کہ اس کا بھائی پہاڑ پر ننگا بیٹھا ہے تو وہ اس کے لیے کپڑے لے کر کبھی اس طرح دوڑا نہ چلا آتا جس طرح آپ آگئے۔

آنیوالا: تم جس مسلمان سے بھی کہتے وہی میری طرح دوڑ آتا۔

حجام: مجھے یقین نہیں تھا کہ کوئی مسلمان بھی آئے گا۔ میں نے آپ سے ڈرتے ڈرتے کہا تھا۔ جب آپ فوراً آنے کے لیے تیار ہو گئے تو مجھے بڑا رشک آیا۔

سعید نے حجام سے کہا "میں نے تمہیں انعام دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اب میں اپنا وعدہ ایفا کرتا ہوں۔

یہ کہہ کر سعید نے تھیلی کھولنی چاہی۔ آنیوالے نے کہا "آپ اس تھیلی میں سے انعام نہ دیں۔ آپ کو سفر درپیش ہے۔ خدا جانے کیا ضرورت پیش آئے۔ میں مکان پر چل کر اسے کافی انعام دے دوں گا"۔

حجام نے کہا "مجھے انعام کی خواہش نہیں رہی۔ میں ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں۔

آنیوالا۔ کیا؟

حجام: اگر کوئی شخص مسلمان ہو جائے تو کیا آپ اس کے ساتھ بھی ایسا سلوک کرتے ہیں۔

آنیوالا : بے شک ! چونکہ مسلمان ہونے والا بھی ہمارا بھائی ہو جاتا ہے اس لئے اس کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا جاتا ہے۔

حجام : خواہ وہ کسی طبقہ سے تعلق رکھتا ہو۔

آنیوالا : ہاں

حجام : اچھا تو مجھے مسلمان کر لیجئے۔

سعید اور آنیوالا مسلمان دونوں اس قدر خوش ہوئے کہ بے ساختہ اُن کی زبانوں سے اللہ اکبر کا پر ہیبت کلمہ نکل گیا۔ فوراً اس کو کلمہ کی تلقین کر کے مسلمان کر لیا گیا۔

اب آفتاب غروب ہو گیا تھا۔ ان تینوں نے وضو کر کے نماز پڑھی نماز پڑھ کر سعید نے آنیوالے مسلمان سے دریافت کیا "آپ کا کیا نام ہے"۔

آنیوالا : میرا نام عبدالسلام ہے۔

سعید : میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں چونکہ اب رات آگئی ہے اس لئے آپ سے رخصت ہونا چاہتا ہوں۔

عبدالسلام : میری خواہش تو یہ تھی کہ آپ دو چار روز میرے پاس رہتے لیکن اگر زیادہ نہیں تو کم سے کم رات کی رات تو ٹھہر جائیے۔

سعید : ابھی میں طبریہ میں نہیں جا سکتا مجھے خوف ہے کہ کہیں کوئی پہچان کر گرفتار نہ کر لے۔

عبدالسلام : یہ اندیشہ مجھے بھی ہے اسی وجہ سے میں زیادہ زور بھی نہیں دے سکتا۔ اچھا خدا حافظ۔

سعید اٹھ کر عبدالسلام اور حجام سے بغلگیر ہوا۔ وہ دونوں طبریہ کی طرف چلے گئے۔ سعید اس پگڈنڈی پر چل پڑا جس پر سے حجام آیا تھا۔ تھوڑی دور چل کر وہ رات کی تاریکی میں غائب ہو گیا۔

---

(۶)

شہر طبریہ کا سقوط

طبریہ کے عیسائیوں میں یہ عام سراسیمگی اور بدحواسی پھیل گئی تھی۔ ہر شخص پریشان نظر آنے لگا تھا۔ عورتیں سہمی ہوئی۔ بچے ڈرے ہوئے اور مرد گھبرائے ہوئے پھر رہے تھے۔ یہ خوف یہ پریشانی۔ یہ بدحواسی اس وجہ سے تھی کہ تمام طبریہ میں سلطان صلاح الدین کے یورش کی خبر مشہور ہو گئی تھی۔ ہر گلی ہر کوچہ، ہر بازار، ہر جگہ ہر مسجد اور ہر گھر میں سلطان کی لشکر کشی کا تذکرہ تھا۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ شہر طبریہ کے گرد قلعہ نما مضبوط فصیل تھی اس فصیل کے چاروں گوشوں پر بڑے بڑے چار برج تھے۔ دروازے صرف دو شرقاً غرباً تھے۔ دونوں دروازے نہایت عالیشان اور بلند تھے۔ ریمنڈ طبریہ کا بادشاہ موجود نہ تھا وہ اس بڑی کونسل میں شریک ہونے کے لیے گیا تھا۔ جو یروشلم میں منعقد ہو رہی تھی۔ جہاں ملک شام کے تمام عیسائی فرمانروا جمع ہو کر سلطان صلاح الدین کا مقابلہ کرنے کی تجویز پر غور کرنے والے تھے۔ ریمنڈ کی غیر حاضری میں اس کی بیگم یعنی طبریہ کی ملکہ میریا تمام نظم و نسق کر رہی تھی۔

عیسائیوں کو یہ گمان بھی نہ تھا کہ سلطان اس قدر جلد طبریہ پر حملہ آور ہو جائیگا۔ اس کی آمد آمد کی خبر سن کر تمام عیسائی نہایت پریشان اور فکرمند ہو گئے۔

میریا نے سب سے پہلے شہر کی فصیل کا معائنہ کیا۔ فصیل کئی جگہ سے شکستہ ہو رہی تھی۔ فوراً اس کی مرمت پر آدمی لگا دیئے گئے۔ سپاہیوں کو فصیل پر متعین کر

دیا گیا۔ خاردار پتھروں کے فصیل پر انبار لگا دیے گئے۔

مسلمان عیسائیوں کی ان تیاریوں کو دیکھ رہے تھے۔ وہ گڑگڑا کر سلطان کے جلد آنے اور فتح یاب ہونے کی دعائیں مانگ رہے تھے۔

میر نے تمام فوجی سرداروں شہر کے رئیسوں اور اراکین سلطنت کو طلب کر کے مجلس شوریٰ منعقد کی۔ کئی گھنٹے بحث مباحثہ رہا۔ آخر بڑے غور و خوض کے بعد طے ہوا کہ کوئی ڈی لنگنس بادشاہ یروشلم سے امداد کی درخواست کی جائے اور مدد آنے تک شہر کو جس طرح بھی ہو بچایا جائے۔ یہ طے ہوتے ہی فوراً پانچ آدمی یروشلم کی طرف بھیج دیے گئے۔

اس خوف سے شہر کے دروازے بند کر دیے گئے کہ کہیں سلطان دھوکہ دے کر کسی رات کو اچانک شہر پر نہ چڑھ آئے۔ عیسائیوں کو باہر نکلنے کی ممانعت کر دی گئی۔ گویا عیسائی قبل از وقت ہی متحصن ہو گئے۔

روزانہ کسی نہ کسی طرح عیسائیوں کو اسلامی لشکر کے قریب تر آنے کی خبریں پہنچتی رہتی تھیں۔ یہ بات بھی مشہور ہو گئی تھی کہ سلطان انتقام کے جوش میں غیظ و غضب میں بھرا ہوا یلغار کیے چلا آ رہا ہے۔ جوں جوں مسلمانوں کے قریب آنے کی خبریں سنتے تھے عیسائی اور متفکر اور مخوف ہوتے جاتے تھے۔ آخر ۲۲ ربیع الآخر ۵۸۳ھ کو طبریہ کے باشندوں نے سنا کہ سلطان حیرہ میں آ کر خیمہ زن ہو گیا ہے۔

حیرہ طبریہ سے چند میل کے فاصلہ پر جانب غرب پہاڑ کے دامن میں واقع تھا۔ اس خبر نے عیسائیوں کو اور بھی پریشان کر دیا۔ وہ روزانہ بیت المقدس کی طرف سارا سارا دن آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس امید سے دیکھتے رہتے تھے کہ شاید امدادی لشکر آ رہا ہو۔ لیکن ابھی تک امداد نہیں آئی تھی۔ فوجی سردار ساری ساری رات فصیل پر گشت کرتے رہتے تھے۔ آج عیسائیوں کو محسوس ہوا کہ اگر وہ مسلمانوں پر ظلم و ستم نہ کرتے تو سلطان کبھی حملہ آور نہ ہوتا، نہ انہیں تشویش ہوتی۔

۲۳ ربیع الآخر ۵۸۳ھ کو جبکہ آفتاب ابھی کسی قدر ہی بلند ہوا تھا، عیسائیوں نے دور سے پہاڑ پر اسلامی علم لہراتا ہوا دیکھا۔ تمام عیسائی اسلامی لشکر کو دیکھنے کے لیے فصیل پر امنڈ آئے۔ مظلوم و بیکس مسلمان بھی چاہتے تھے کہ شیر دل سلطان صلاح الدین کی آمد کا نظارہ دیکھیں لیکن انہیں فصیل پر چڑھنے کی ممانعت تھی۔ بیچارے اپنے شوق کو دبا کر بیٹھ رہے۔

پہاڑ کی چوٹی پر اسلامی علم نہایت شان و دبدبہ کے ساتھ لہراتا ہوا طبریہ کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا جب وہ کسی قدر قریب آیا تو اس کے سایہ میں اسلامی مجاہدوں کا لشکر نمودار ہوا۔ اس لشکر کے سوار گھوڑوں کی کنوتیوں سے کنوتیاں ملائے نہایت اطمینان اور جوش کے ساتھ قدم قدم آ رہے تھے۔ یہ مختصر فوجی دستہ اسلامی لشکر کا ہراول تھا۔ اس کا سردار یا سپہ سالار غازی مسعود تھا۔

بڑھتے بڑھتے یہ دستہ جب اس چشمہ کے کنارہ پر پہنچا۔ جہاں ایک روز قبل سعید نے قیام کیا تھا۔ تو مسعود رک گیا۔ اس نے چشمہ کے کنارے پر لشکر کو خیمہ زن ہونے کا حکم دیا۔

طبریہ کا شہر اس پہاڑ کے دامن میں واقع تھا۔ شہر کے ایک طرف بحیرۂ طبریہ تھا۔ دوسری طرف یہ پہاڑ تھا اور باقی دو اطراف میں مسطح میدانی تھے۔

مجاہدین گھوڑوں سے اتر پڑے۔ انہوں نے نہایت عجلت اور سرعت کے ساتھ خیمے نصب کرنے شروع کر دیے۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک اور علم پہاڑ کی چوٹی پر نمودار ہوا۔ یہ علم مسعود کے علم سے بڑا تھا۔ ہوا میں لہراتا ہوا بڑھا چلا آ رہا تھا۔ اس علم کے نیچے غیور و بہادر سلطان صلاح الدین تھا جس کے جلو میں تمام اسلامی لشکر نہایت شان و وقار کے ساتھ آ رہا تھا۔ یہی وہ لشکر تھا جس نے عیسائی دنیا میں تہلکہ ڈال دیا تھا۔ اسی لشکر کی کامیابی پر مظلوم و بیکس مسلمانوں کی خوش بختی کا انحصار تھا۔

جب یہ لشکر مسعود کے دستہ کے قریب آیا تو تمام مجاہدین نے مل کر ایک

ساتھ "اللہ اکبر" کا غلغلہ انداز نعرہ لگایا۔ اس پر ہیبت و جلال نعرے سے تمام پہاڑ گونج اٹھا۔ شہر طبریہ کی فصیل لرز گئی۔ فصیل پر کھڑے ہوئے عیسائی کانپ گئے زمین پر زلزلہ سا آگیا۔ شہر طبریہ کے مسلمانوں کو بھی معلوم ہو گیا کہ مجاہدین اسلام پہاڑی پر آکر خیمہ زن ہو گئے ہیں۔ اس سے انہیں ایک گونہ مسرت ہوئی۔ انہوں نے مسجدوں میں جاکر اسلام اور مسلمانوں کی فتح کی دعا کی۔

جب آفتاب غروب ہو گیا تو عیسائی افسردہ دل اور ملول خاطر ہو کر فصیل سے اتر گئے۔ صرف سپاہی حفاظت کے لیے باقی رہ گئے۔ تمام فصیل اور چاروں برجوں پر کثرت سے روشنی کر دی گئی۔

دن چھپتے ہی مسلمانوں نے مغرب کی نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر عام سپاہی کھانے کے انتظام میں مصروف ہو گئے۔ افسر شاہی خیمہ میں جمع ہونے لگے۔

اسلامی کیمپ میں بھی کثرت سے روشنی کر دی گئی تھی۔ ایک دستہ طلایہ کے طور پر مقرر کر دیا گیا تھا جو ابتدائی رات سے گرداوری کرنے لگا تھا۔

شاہی خیمہ سے چھوٹے بڑے تمام سپہ سالار اور سردار جمع ہو گئے تھے سلطان ایک زر نگار مسند پر تکیہ لگائے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرہ سے جوش و جلال کے آثار ہویدا تھے۔ تلوار میان میں رکھی ہوئی پاس پڑی تھی۔ اس نے تمام حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اسلامی شیرو! میں جانتا ہوں کہ تم سفر کیے آرہے ہو مجھے تمہارے آرام و آرائش کا بہت زیادہ خیال ہے۔ تمہیں سفر کا کسل دور کرنے کے لیے چند روز آرام کی ضرورت ہے لیکن اب ہمارا ایک ایک دن ایک ایک گھنٹہ اور ایک ایک منٹ قیمتی ہے۔ اگر ہم آرام کریں تو اس کے یہ معنی ہیں کہ دشمن کو اطمینان سے انتظار کرنے کا موقعہ دیں۔ بتاؤ تم آرام کرنا چاہتے ہو؟"

الافضل نے کہا۔ "حضور والا! ہم دشمنوں کے ملک میں آرام کرنے کے لیے نہیں آئے ہیں۔ ہمارے بھائیوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں۔ انہیں

وحشی درندے اور بربریت کے پتلے نہایت بیدردی سے قتل کر رہے ہیں۔ پردہ نشین خواتین کی بے حرمتی کی جا رہی ہے۔ ان باتوں کے ہوتے ہوئے کون ایسا سنگدل مسلمان ہے جو آرام کرنا چاہتا ہے۔ اگر جہاں پناہ اجازت دیں تو ہم ابھی اسی وقت جنگ کرنے کے لیے تیار ہیں۔"

مسعود نے کہا۔ "عالیجاہ! ہمارے بھائی مصیبتیں اٹھائیں، قتل ہوں اور ہم آرام کریں۔ خدا کو قیامت کے دن کیا منہ دکھائیں گے۔ ہم اس وقت آرام کر سکتے ہیں جب اپنے بھائیوں کو وحشیوں کے انسانیت سوز مظالم سے بچا لیں۔ ہمیں اجازت نہیں حکم دیجئے کہ ہم ابھی جنگ شروع کر دیں۔"

تقی الدین نے کہا۔ "جوش اخوت مجبور کر رہا ہے کہ ہم آرام کے خیال کو بھی چھوڑ دیں۔ ہمارے دل جہاد کے لئے بے تاب ہو رہے ہیں۔ ہماری تلواریں ظالموں کے خون کی پیاسی ہیں۔ میری تو تمنا ہے کہ صرف مجھے تنہا کو اجازت دیجئے میں اکیلا طبریہ پر حملہ کر دوں۔"

فقیہ عیسیٰ ایک تجربہ کار مشہور بہادر سپہ سالار تھا اس نے کہا "غریب نواز! مسلمانوں کے سینے جوش شجاعت سے لبریز ہیں۔ دلوں میں جہاد کی امنگ ہے اب جنگ کے لئے بے تاب ہیں۔ ہماری راحت میدان جنگ ہے۔ اجازت دیجئے کہ ہم اسی وقت حملہ کر دیں۔"

سلطان کا چہرہ فرط مسرت سے چمک اٹھا۔ اس نے دریافت کیا۔ "کیا آپ سب اسی وقت جنگ کرنے پر تیار ہیں؟"

سب طرف سے آوازیں آئیں۔ "اسی وقت تیار ہیں۔"

سلطان نے کہا "شاباش! اسلامی شیرو شاباش!! دلیری اور بہادری اسی کا نام ہے۔ سنو میرا خود بھی ارادہ تھا کہ آتے ہی جنگ شروع کر دوں۔ لیکن امیر المسلمین سے دریافت کرنا ضروری تھا۔ اس لئے ملتوی کر دیا۔ خوش قسمتی سے آج رات اندھیری

ہے۔ اندھیری رات میں طبریہ کا محاصرہ کرلو۔ طبریہ کے ایک طرف یہ پہاڑ ہے۔ دوسری طرف بحیرۂ عرب ہے۔ دو طرف کھلے ہوئے میدان ہیں۔ ان دونوں اطراف میں سے ایک طرف مسعود اپنا دستہ لے کر پہنچ جائے۔ دوسری طرف الافضل اور فقیہ عیسی جائیں۔ باقی سب لوگ سلطانی جھنڈے کے زیر سایہ رہیں۔ کھانا کھا کر عشا کی نماز پڑھتے ہی لوگ خاموشی سے روانہ ہو جائیں۔ اور چپ چاپ طبرہ کا محاصرہ کر لیں۔ صبح کی نماز پڑھتے ہی ایک دم حملہ کر دیں۔ اگر خدا کا فضل شامل حال ہے تو کل ظہر سے پہلے ہی طبریہ فتح ہو جائے گا۔

سب نے کہا "نہایت مناسب ہے"۔

چونکہ مشورہ ختم ہو چکا تھا اس لیے سب لوگ اٹھ کر چلے گئے۔ سب نے کھانا کھایا۔ عشا کی نماز پڑھی اور جن لوگوں کو کوچ کا حکم ملا تھا۔ وہ نہایت خاموشی سے روانہ ہو گئے۔

رات اندھیری تھی۔ چاند پچھلی رات کو نکلا کرتا تھا۔ آج خلاف معمول ابر کے گھرے ٹکڑے آسمان پر منڈلا رہے تھے جس کی وجہ سے اور بھی اندھیرا بڑھ گیا تھا۔ اس اندھیرے نے مسلمانوں کو بڑا فائدہ دیا۔ خاموشی کے ساتھ رات کی تاریکی میں روانہ ہوئے اور بخیریت اپنے مجوزہ قیام گاہوں پر پہنچ گئے۔

اگرچہ عیسائیوں نے تمام فصیل اور برجوں میں بہت زیادہ روشنی کر رکھی تھی لیکن وہ روشنی فصیل تک محدود تھی۔ فصیل کے نیچے بڑھے ہوئے اندھیرے کی وجہ سے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ شرقی دروازہ پر کسی قدر فاصلہ پر الافضل اور فقیہ عیسی جا پہنچے اور غربی دروازہ پر غازی مسعود نے جا قیام کیا۔ ان لوگوں نے بقیہ رات آرام کیا۔ صبح سویرے بیدار ہو کر حوائج ضروری سے فراغت کر کے نماز پڑھی۔ نماز پڑھتے ہی سب سے پہلے مسعود نے اپنے لشکر کو مسلح کر کے صف بستہ کر دیا۔

ابھی آفتاب طلوع نہیں ہوا تھا۔ ساری رات کے جاگے ہوئے عیسائی فصیل پر سو رہے تھے۔ دفعۃً انہوں نے طبل جنگ کی آواز سنی۔ یہ طبل جنگ فصیل کے اوپر عیسائیوں نے بجایا تھا۔ سپاہی گھبرا کر اٹھے جلدی جلدی مسلح ہوئے اور فصیل پر آ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ تین طرف سے سلطانی لشکر نے شہر کا محاصرہ کر لیا ہے۔ ان پر رعب و خوف طاری ہو گیا۔

جس وقت آفتاب کی پہلی شعاع زمین پر آئی۔ اسی وقت مسعود نے اللہ اکبر کا پُر زور نعرہ لگا کر نہایت جوش سے حملہ کر دیا۔ اسی طرح الافضل بھی حملہ آور ہوئے۔ سامنے سے سلطان نے تقی الدین اور ملک العزیز عثمان کو بڑھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بڑھے۔ تینوں طرف تیروں کی بارش شروع ہوئی۔ عیسائیوں نے اس کثرت سے تیروں اور خاردار پتھروں کو پھینکنا شروع کیا کہ مسلمانوں کو ایک قدم بڑھنا بھی دشوار ہو گیا۔

عیسائی زور زور سے طبل جنگ بجا رہے تھے۔ قومی نعرے لگا رہے تھے۔ پادری سامنے کھڑے انجیلیں ہاتھوں میں لیے دعائیں پڑھ رہے تھے۔ مسلمان اللہ اکبر کے غلغلہ انداز نعرے بلند کر رہے تھے۔ تمام وادی، ساری پہاڑی اور کل شہر طبریہ ان آوازوں سے گونج رہے تھے۔

جنگ نہایت زور شور سے ہو رہی تھی لیکن یہ جنگ دور ہی دور کی تھی۔ ابھی تیروں سے کام لیا جا رہا تھا۔ مسعود خاموش کھڑا جنگ کے نظاروں میں مشغول تھا وہ ان تیروں اور خاردار پتھروں کو دیکھ رہا تھا جو فصیل کے اوپر سے برسائے جا رہے تھے وہ پُرجوش نوجوان تھا۔ جوش شجاعت سے خون اس کی رگوں میں کھول رہا تھا۔ فرط طیش و غضب سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا لیکن وہ مجبور تھا پتھروں اور تیروں کی بارش اس کثرت سے ہو رہی تھی کہ مسلمانوں کا ایک قدم بڑھنا بھی موت کے منہ میں جانا تھا۔

اب آفتاب کسی قدر بلند ہو گیا تھا۔ دھوپ فصیل پار کرتے ہوئے میدانوں میں لوٹنے لگی تھی۔ تمام پہاڑی پر دھوپ نے زرد زرد غازہ پھیر دیا تھا۔ اس وقت مسعود نے دور سے تقی الدین کو پہاڑی سے نیچے اترتے ہوئے دیکھا۔ یہ دیکھ کر اس کا جوش ہیجان میں آ گیا۔ اُس نے ڈھال سامنے اس طرح کر لی جس سے وہ اور اُس کا گھوڑا دونوں محفوظ رہیں اور گھوڑے کو مہمیز لگا کر بڑھاتے ہوئے کہا مسلمانو! بڑھو فصیل پر قبضہ کرنے کے لیے بڑھو۔

اس کے دستہ نے اُسے بڑھتے ہوئے دیکھا۔ ان میں بھی کمال جوش پیدا ہو گیا۔ وہ بھی مسعود کی طرح ڈھالیں سامنے کر کے بڑھے۔ عیسائیوں نے انہیں بڑھتے ہوئے دیکھا وہ اور بھی شدت سے تیر اور پتھر پھینکنے لگے لیکن پر جوش مجاہدین کا یہ دستہ رکنے کے لیے نہ بڑھا تھا۔ اُن پر پتھر اور تیر آ آ کر پڑتے تھے سر فروش زخمی ہو ہو کر گرتے تھے لیکن اُن کا جوش ان کی شجاعت انہیں بڑھائے لیے چلی جا رہی تھی۔

عیسائی اُن کی جرات اُن کی دلیری دیکھ کر حیران رہ گئے۔ انہوں نے اور بھی زور زور سے طبل جنگ بجا بجا کر قومی نعرے لگا لگا کر پتھروں اور تیروں کی بارش شروع کر دی۔ مسعود اور اس کے ہمراہی نہایت اطمینان مگر پورے جوش کے ساتھ برابر بڑھ رہے تھے۔ عیسائی یہ کیفیت دیکھ کر گھبرا گئے۔ انہوں نے جلدی سے شہر کے تمام عیسائیوں کو فصیل پر چڑھا لیا۔ ان لوگوں نے اس شدت سے پتھر برسائے کہ کچھ دیر کے لیے مسلمانوں کی پیش قدمی رک گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں تمام میدان پتھروں سے بھر گیا۔ مسعود اور اس کے ہمراہی فصیل سے تھوڑے ہی فاصلہ پر رہ گئے تھے۔ ان پر تیروں اور پتھروں کی بارش اس کثرت سے کی جا رہی تھی کہ ان کا ایک قدم بھی بڑھنا تو کیا اس جگہ ٹھہرا رہنا بھی دشوار تھا۔ لیکن وہ لوگ ہراساں نہیں ہوئے۔ انہیں پیچھے ہٹتے ہوئے معلوم ہو مسعود نے بلند آواز

سے کہا مجاہدین اسلام! شہادت حاصل کرنے کے لیے بڑھو! یہ کہتے ہی اس نے گھوڑے کو تیزی سے بڑھایا۔ تمام مجاہدین نے اس کی تقلید کی۔ مسلمانوں کا سیلاب فصیل کی طرف بڑھنا شروع ہوا۔ عیسائیوں نے ہر چند پتھروں اور تیروں سے انہیں روکنے کی کوشش کی لیکن پر جوش مجاہدین کسی طرح نہ رکے وہ بڑھتے بڑھتے فصیل کے نیچے پہنچ گئے۔ اگرچہ اس جد و جہد میں بہت سے مسلمان شہید ہو گئے۔ لیکن انہوں نے فصیل کے نیچے پہنچنے کا جو ارادہ کیا تھا وہ پورا کر کے چھوڑا۔

اب چونکہ مسلمان عین فصیل کے نیچے پہنچ گئے تھے۔ اس لیے تیروں اور پتھروں سے کسی قدر امن مل گیا تھا۔ وہ فصیل کے نیچے کھڑے ہو کر اوپر چڑھنے کی تجویز کرنے لگے۔

جس زمانہ کا حال ہم قلمبند کر رہے ہیں۔ اس زمانہ میں ہر فوج اور ہر فوج کا دستہ قلعہ یا فصیل پر چڑھنے کے لیے آہنی سیڑھیاں اپنے ساتھ رکھتا تھا

مسعود کے سپاہی بھی سیڑھیاں لے کر آئے تھے۔ یہ سیڑھیاں فصیل سے لگا کر کھڑی کر دی گئیں۔ عیسائیوں نے خوف و ہراس بھری نظروں سے سیڑھیوں اور مسلمانوں کو دیکھنا شروع کیا۔ مسعود نے کہا "دلیرو! درندوں سے انتقام کے لیے خدا کا نام لے کر سیڑھیوں پر چڑھ جاؤ۔"

فوراً مجاہدین نے سیڑھیوں پر چڑھنا شروع کر دیا لیکن جو لوگ سیڑھی پر چڑھ کر فصیل کے کنگروں سے سر ابھارتے تھے۔ عیسائیوں کی بے پناہ تلواریں انہیں کاٹ کر نیچے ڈال دیتی تھیں۔ چونکہ عیسائی مقابلہ میں نہ تھے مسلمان نیچے سے اوپر چڑھتے تھے۔ عیسائی اوپر تلواریں لیے کھڑے تھے۔ وہ ہر اُس شخص کو قتل کر ڈالتے تھے جو سر اونچا کرتا تھا۔ اس سے مسلمانوں کا نقصان ہو رہا تھا لیکن اس سے مسلمانوں کے جوش میں کمی نہ آتی تھی جو لوگ کٹ کٹ کر گر جاتے تھے۔ ان کی جگہ پر کرنے کے لیے دوسرے لوگ جا پہنچتے تھے۔ مسلمان جانتے تھے۔ سمجھتے تھے کہ سیڑھیوں پر چڑھنا جان سے

ہاتھ دھونا ہے۔ لیکن وہ شمہ برابر نہ خوف کرتے تھے۔ نہ گھبراتے تھے نہ پہلو تہی کرتے
تھے بلکہ نہایت جوش۔ بڑے شوق اور نہایت دلیری سے سیڑھیوں پر چڑھنے
کے لئے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔

شیر دل سلطان صلاح الدین پہاڑی کی چوٹی پر اپنے علم کے نیچے کھڑا ہوا مسعود
اور اس کے دستہ کی دلیری جسارت اور شوق و جوش دیکھ دیکھ کر کمال مسرور ہو
رہا تھا۔ اس کے قریب اس کے جانباز سپہ سالار کھڑے تھے۔ وہ بھی حیرت و
استعجاب کی نظروں سے مسعود اور اس کے دستہ کی دلیری اور جرأت کو دیکھ کر
حیران ہو رہے تھے۔ سلطان نے کہا "مسعود نے کس قدر جرأت کا کام کیا ہے۔
خدا کی قسم وہ نہایت پُرجوش مجاہد ہے۔ میرے دل میں اس کی بہادری نے بہت کچھ
گھر کر لیا ہے۔"

ایک افسر نے کہا۔ "جہاں پناہ ایک تو وہ یونہی بہادر ہے ڈرنا یا مرعوب ہونا
جانتا ہی نہیں۔ دوسرے اشرف اس کے دوست کو عیسائیوں نے گرفتار کر لیا ہے
جوش انتقام نے اس کے جوش اس کی دلیری اور اس کی جرأت کو چہار چند بڑھا
دیا ہے۔"

سلطان۔ بیشک یہی بات ہے۔ اشرف بڑا ہی خوش قسمت ہے۔ دنیا
میں جس کا ایک دوست بھی ہو۔ اس کی خوش بختی کا کیا کہنا۔ میں بھی کس قدر خوش
نصیب ہوں کہ میرے جھنڈہ کے نیچے ایک ایسا شخص ہے جو کسی کا دوست کہلانے
کا مستحق ہے۔

دوسرا افسر۔ وہ دیکھئے حضور اب مسعود نے خود سیڑھی پر چڑھنا شروع کر دیا۔
سلطان: بڑی دلیری کی جرأت اس کا نام ہے۔ سپاہیوں کو کٹوا دینا بہادری
نہیں ہے۔ خدا کی قسم مسعود بیشہ شجاعت کا شیر ہے۔ خدا اسے اپنے حفظ
امن میں رکھے۔

یہ کہتے ہی سلطان گھوڑے کی زین پر ہی سر بسجود ہو گیا۔ اس نے کہا۔
"خداوندا میرے بہادر سپہ سالار کی دشمنوں سے حفاظت کر۔ اسے درندوں کے
ہاتھوں سے بچا۔ غیب سے اس کی مدد کر۔"

سلطان نے سر اٹھا کر فوراً عام حملہ کا حکم دیدیا۔ وہ مسلمان جو ابھی تک سلطان
کے جلو میں کھڑے لڑائی کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر نہایت تیزی
سے پہاڑی سے اترنے لگے۔ الافضل اور تقی الدین نے نعرہ کی آواز سنی۔ انہوں
نے خود سلطان کو پہاڑی سے نیچے اترتے ہوئے دیکھا۔ اس سے ان کی رگوں
میں جوش شجاعت سے خون کھولنے لگا۔ انہوں نے نہایت جوش سے حملہ کر دیا۔
اب فصیل کے تینوں طرف پورے زور و قوت اور جوش و خروش سے جنگ شروع
ہو گئی۔ عیسائیوں نے ہر طرف نہایت شدت سے تیروں اور پتھروں کی بارش
شروع کر دی۔ مسلمان ڈھالوں کی آڑ لے کر بڑھے۔ عام شور و غل و چیخ و پکار شروع
ہو گئی۔

مسعود مجاہدین اسلام کو کٹ کٹ کر گرتے ہوئے دیکھ کر بیچین ہو گیا تھا
اس کی شجاعت نے اسے ٹھوکر دے دے کر خود سیڑھی پر چڑھنے کے لیے مجبور کیا۔
وہ مردانہ وار سیڑھی پر چڑھنے لگا۔ اس کی اس جرأت نے عام مسلمانوں کے دلوں میں
جوش و ولولہ کا سمندر موجزن کر دیا۔ تمام سیڑھیوں پر اس کثرت سے مسلمان
چڑھ گئے کہ اکثر سیڑھیاں چھٹنے لگیں۔

مسعود ایک ہاتھ میں ڈھال لئے دوسرے ہاتھ سے سیڑھی کے ڈنڈوں کو
پکڑتا ہوا نہایت تیزی سے چڑھ رہا تھا۔ شہر طبریہ کی فصیل سطح زمین سے ۵۰ فٹ
اونچی تھی۔ اس قدر بلندی پر چڑھنا دشوار تھا لیکن وہ چڑھتے چڑھتے کنگوروں
کے قریب پہنچ ہی گیا۔ یہاں اس نے کچھ دم لیا اور تازہ دم ہو کر ڈھال کو مضبوط
پکڑ کر ابھرا۔ عیسائیوں نے فوراً اس پر تلواروں کا مینہ برسا دیا۔ اس کی ڈھال نہایت

مضبوط تھی۔ عیسائیوں کی تلواریں ڈھال پر پڑ پڑ کر اچٹ جاتی تھیں۔

مسعود زور کر کے فصیل پر پہنچ ہی گیا۔ عیسائیوں نے چاروں طرف سے نرغہ کر کے اسے فصیل سے نیچے گرا دینے کی کوشش شروع کی۔ لیکن اب مسعود نے بھی تلوار نکال لی۔ اس نے بھی حملے شروع کر دیئے۔ اس کے لڑنے سے یہ فائدہ ہوا کہ عیسائیوں کی تمام تر توجہ اُس کی طرف ہو گئی اور وہ اُس سیڑھی کی طرف سے غافل ہو گئے جس پر سے مسعود چڑھا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک ایک کر کے کئی مسلمان فصیل پر پہنچ گئے۔ اب دست بدست جنگ ہونے لگی۔ مسلمانوں نے یہ عقلمندی کی کہ انہوں نے زور کر کے عیسائیوں کو سیڑھیوں کے پاس سے ہٹا دیا۔ اس سے تمام سیڑھیوں سے مسلمان جلد جلد چڑھ کر فصیل پر پہنچنے لگے تھوڑی ہی دیر میں سینکڑوں اسلامی سرفروش فصیل پر جا پہنچے۔ جاتے ہی تلواریں سونت سونت کر دشمنوں پر جا پڑے۔ گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ تلواریں جلد جلد اپنا کام کرنے لگیں۔ سر کٹ کٹ کر گیند کی طرح اچھلنے لگے۔ فصیل کے پکھنڈوں پر خون بہنے لگا۔ مسلمان جوش و خروش میں بھرے ہوئے تھے۔ نہایت سرفروشی سے لڑنے لگے۔ عیسائی بھی ثابت قدمی سے جنگ میں مصروف ہو گئے۔

ملکہ میریا برج میں کھڑی حیرت و خوف بھری نظروں سے جنگ کا تماشا دیکھ رہی تھی چونکہ عیسائیوں کی تمام تر توجہ مسعود کی طرف ہو گئی تھی اس لئے الافضل اور تقی الدین پر تیروں اور پتھروں کی بارش میں کمی ہو گئی تھی۔ وہ بھی کمال جرأت و شجاعت سے لڑتے ہوئے فصیل کے نیچے پہنچ گئے تھے۔

اب آفتاب نصف النہار کے قریب پہنچ گیا تھا۔ دھوپ تمام فصیل سارے میدان اور پہاڑی کے ہر گوشہ پر اچھی طرح پھیل گئی تھی۔ گرمیوں کا موسم ہونے کی وجہ سے گرمی زیادہ بڑھ گئی تھی۔ خوش قسمتی سے آج کسی قدر ہوا چل رہی تھی۔ لیکن پھر بھی سرفروشوں کی پیشانیوں سے پسینے کے قطرے ٹپک رہے تھے۔

مسعود نہایت جوش اور دلیری سے لڑ رہا تھا۔ اُس نے بہت سے عیسائیوں کو قتل کر ڈالا تھا۔ وہ جس طرف حملہ کرتا تھا۔ عیسائی کائی کی طرح پھٹ جاتے تھے۔ اور مسلمان بھی اُسی کی طرح جنگ کر رہے تھے۔ ٹڈی دل عیسائی انہیں فصیل پر بڑھنے نہ دیتے تھے۔ وہ فصیل کے کنارہ پر کھڑے ہوئے جنگ کر رہے تھے۔

عیسائی اس کثرت سے فصیل پر موجود تھے کہ زرہ پوش سپاہیوں کی صفیں آہنی دیوار سی معلوم ہوتی تھی۔ تھوڑی دیر میں مسعود نے سنبھل کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اور بڑھ کر نہایت جوش و خروش سے حملہ کیا۔ تمام مسلمانوں نے نعرہ کی تکرار کر کے پُر زور حملہ کر دیا۔ اُن کی بے پناہ تلواریں نے عیسائیوں کے کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ عیسائی بہادروں کی صف جو آہنی دیوار معلوم ہو رہی تھی ٹوٹ گئی مسلمان عیسائیوں میں گھس پڑے۔ نہایت خونریز جنگ ہونے لگی۔ عیسائیوں نے مسلمانوں کو دھکیلنے کی بہت کوشش کی۔ پورا زور لگا دیا لیکن مسلمان ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹے۔ مجبوراً عیسائیوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ وہ ہٹتے ہٹتے اس برج سے لگے جس میں میریا کھڑی تھی۔

میریا یہ کیفیت دیکھ کر گھبرا گئی۔ فرط خوف سے اس کے چہرہ پر ہوائیاں چھوٹنے لگیں۔ اس نے کہا "سپاہیو! دیکھو! پیچھے ہٹے آتے ہو مسلمانوں کو مار کر فصیل سے نیچے ڈال دو"۔

عیسائیوں نے ایک دفعہ اور مسلمانوں کو دھکیلنے کی کوشش کی۔ لیکن تمام تر قوت صرف کرنے پر بھی ناکامیاب رہے۔ مسلمان ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹے۔

جس برج میں میریا کھڑی تھی۔ اس پر عیسائیوں کا علم لہرا رہا تھا۔ ایک مسلمان نے برج پر چڑھ کر عیسائی علم اتار کر نیچے گرا دیا اور اسلامی علم گاڑ کر اس کو ہوا میں لہرا دیا۔

مسلمانوں نے قلعہ پر اپنا علم دیکھ کر جوشِ مسرت سے بےخود ہو کر اللہ اکبر
کا پرزور نعرہ لگایا۔ عیسائیوں نے بھی اپنا علم سرنگوں اور مسلمانوں کا علم برج پر لہراتا
دیکھ لیا۔ یہ دیکھ کر ان کے دل ڈوب گئے۔

الافضل فصیل کے نیچے پہنچ گیا تھا۔ وہ کوشش کر کے دروازہ پر پہنچا اس
نے دروازہ توڑنے کا حکم دیا۔ تلواریں اور گرز دروازہ پر مارے جانے لگے عیسائی
یہ کیفیت دیکھ کر اور بھی گھبرا گئے۔ اب ان پر سراسیمگی اور بدحواسی طاری ہو گئی۔

ادھر مسعود اور اس کے ہمراہیوں نے مل کر اپنی پوری قوت سے حملہ کیا۔ اس
حملہ نے عیسائیوں کے پیر اکھاڑ دیئے۔ وہ گھبرا کر فصیل کے نیچے اترنے لگے۔ میریا
بھی سخت پریشان ہوئی وہ بھی اتر گئی۔ مسلمانوں نے جوش میں آکر ایک حملہ اور کیا۔
یہ حملہ تمام پہلے حملوں سے سخت تھا۔ انہوں نے چشم زدن میں کشتوں کے پشتے
لگا دیئے۔ سینکڑوں نہیں ہزاروں عیسائی مارے گئے۔ تمام فصیل عیسائیوں
کی لاشوں سے بھر گئی۔

بقیۃ السیف عیسائی نہایت بدحواسی سے زینوں کے ذریعے اترنے لگے
آدمی زیادہ تھے۔ زینے کم ایک دوسرے پر گرتے پڑتے اتر رہے تھے مسلمان ان
بزدل بھگوڑوں کا تعاقب کر رہے تھے۔ وہ انہیں مارتے کاٹتے ان کے پیچھے ہی
فصیل سے نیچے اتر کر تمام طبریہ میں پھیل گئے۔

اب سارے شہر میں عام جنگ شروع ہو گئی۔ وہ مظلوم مسلمان بھی جن پر
عیسائیوں نے نت نئے مظالم کیے تھے۔ تلواریں سونت کر عیسائیوں پر جا
پڑے۔ ایک ہی گھنٹہ میں عیسائیوں کا صفایا ہو گیا۔ شہر کے گوشہ سے چیخ و پکار آہ و زاری
دردناک و شیون کی فریادیں بلند ہونے لگیں۔ عیسائی عورتیں اور بچے گھبرائے گھبرائے
سہمے سہمے بازاروں اور گلیوں میں پھرنے لگے۔

ملکہ میریا اس طرف کا دروازہ کھول کر جس طرف سے مسعود نے حملہ کیا تھا۔

قلعہ کی طرف بھاگی بچے ہوئے سپاہی بھی اس کے ساتھ بھاگے۔ وہ بھاگتے جاتے
تھے اور پیچھے پھر پھر کر خوفزدہ نگاہوں سے شہر کی طرف اس ڈر سے دیکھتے جاتے
تھے کہ کہیں مسلمان ان کا تعاقب کرتے ہوئے تو نہیں چلے آ رہے۔ بھاگتے بھاگتے وہ طبریہ
کے قلعہ کے اندر پہنچ گئے اور جلدی سے دروازے بند کر قلعے کی فصیل پر جا چڑھے
اب شہر طبریہ میں صرف کمزور بڈھے۔ چھوٹے بچے اور عورتیں رہ گئیں۔ یہ سب
پریشان اور گھبرائے ہوئے کچھ گھروں میں گھسے پڑے تھے۔ کچھ سڑکوں اور گلیوں میں
پریشان حال پھر رہے تھے۔

آج عیسائیوں کو معلوم ہوا کہ بے بسی کیا چیز ہے جن لوگوں پر مظالم کیے
جاتے ہیں ان کی کیا کیفیت ہوتی ہے حالانکہ ان پر ابھی تک ظلم و ستم نہیں ہوئے
تھے مسلمانوں نے نہ انہیں ستایا تھا نہ قتل کیا تھا۔ نہ تکلیفیں دی تھیں نہ لوٹا تھا
نہ ان کے گھروں میں آگ لگائی گئی تھی۔

تھوڑی ہی دیر میں ایک طرف سے الافضل دروازہ توڑ کر شہر میں گھس آیا
دوسری طرف سے تقی الدین اور اس کے پیچھے خود سلطان مع لشکر کے اس دروازہ
سے جس سے میریا اور اس کے بزدل سپاہی بھاگتے تھے داخل ہوئے۔

سلطان نے عیسائی عورتوں، بچوں اور بڈھوں کی پریشان حالت کو دیکھا وہ
ان کی خوفزدہ نگاہیں مسکین صورتیں اور التجائے رحم و کرم کی نظروں دیکھ کر بہت
زیادہ متاثر ہوا۔ اس نے حکم دیا کہ کسی بڈھے، بچے اور عورت کو قتل نہ کیا جائے
گرجا، کلیسا اور صومعہ کو نہ توڑا جائے۔ مکانوں میں آگ نہ لگائی جائے۔ عیسائیوں
نے اس کا یہ حکم سن کر نہ صرف اس کا شکریہ ادا کیا بلکہ دعائیں دیں۔

تاریخیں بتاتی ہیں کہ سلطان نہایت رحمدل اور نرم مزاج تھا۔ وہ کسی کو تکلیف
پریشانی اور مصیبت میں دیکھ کر بہت زیادہ متاثر ہو جاتا تھا۔ اگرچہ اسے معلوم
تھا کہ عیسائیوں نے مسلمانوں پر وحشیانہ مظالم کیے تھے۔ مردوں، عورتوں اور

بچوں کا قتل عام کیا تھا۔ گھروں اور مسجدوں میں آگ لگا دی تھی، پردہ نشین عورتوں کی بیحرمتی کی تھی۔ وہ ان ہی کی باتوں کا انتقام لینے کے لیے گھر سے نکلا تھا۔ لیکن اس کی رحمدلی اور نرم مزاجی نے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ بھی وحشیانہ بربیت کرے اور عیسائی بڈھوں بیماروں، بچوں اور عورتوں کا قتل عام کرا دے بلکہ اس کے برعکس اس نے انہیں امن دیا۔ تسلی دی اور معاف کر دیا۔

سلطان ظہر کی نماز سے پہلے ہی ۲۴ ربیع الآخر ۵۸۳ھ کو طبریہ پر قابض ہو گیا۔ وہ قصر شاہی میں جا کر مقیم ہوا۔ لشکر چھاؤنی میں ٹھہرا۔ کچھ سپاہی فصیل پر تعینات کر دیئے گئے۔ سلطان کو عیسائیوں کے مقابلہ میں یہ دوسری فتح حاصل ہوئی۔ اس سے مسلمانوں کو کمال مسرت ہوئی۔ اس فتح کا سہرا مسعود کے سر رہا۔ وہ طبریہ کا فاتح کے لقب سے مشہور ہو گیا۔ سلطان نے اس کی بہت زیادہ تعریف کی۔ وہ اپنی تعریفیں سن سن کر کمال مسرور ہوا لیکن جب اسے اشرف یاد آ جاتا تھا تو اس ساری مسرت خاک میں مل جاتی تھی اور وہ رنج و غم کا پتلا بن کر رہ جاتا تھا۔ یہ فتح سلطان کی دوسری فتح تھی۔

---

(۷)

مجلس شوریٰ

ملک شام کے تمام عیسائی مقبوضات میں کروسیڈ کا تذکرہ تھا۔ وہ پادری سینٹ اور ولی جو کبھی گرجا کی چہار دیواروں سے باہر نہ نکلے تھے۔ اب بازاروں اور گلیوں میں جہاد کا وعظ کہتے پھرتے تھے۔ تمام دیندار لوگوں نے عام عیسائیوں میں صلیبیں تقسیم کرنی شروع کر دی تھیں۔ عیسائیوں میں انطاکیہ سے لیکر عسقلان تک جوش و غضب کا طوفان امنڈ آیا تھا۔ ہر شہر ہر قصبہ اور ہر گاؤں سے جوشیلے عیسائی گروہ یروشلم کی طرف روانہ ہو رہے تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں زبردست لشکر فراہم ہو گیا تھا۔

چونکہ تمام والیان ملک نہایت شان و شوکت سے آئے تھے۔ اس لیے بیت المقدس میں بہت کچھ رونق آ گئی تھی ابھی مجلس مشاورت منعقد نہیں ہوئی تھی اس کا انتظام کیا جا رہا تھا۔

لے کروسیڈ کے معنی صلیبی جنگ کے ہیں۔ یہ جنگ سنہ ۱۰۹۵ء سے شروع ہوئی عیسائیوں کے مذہبی پیشواؤں نے تمام ایشاء اور یورپ کے عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا کر دیوانہ بنا دیا تھا اور ملک شام کو مسلمانوں کے قبضہ سے نکال لینے کو اعلیٰ درجہ کی مذہبی خدمت اور ذریعہ نجات قرار دیا۔ عیسائیوں کے ان حملوں کا سلسلہ تین سو سال تک جاری رہا۔ (از تاریخ اسلام)

سلطان کے نقل و حرکت کی خبریں جاسوسوں کے ذریعے روزانہ بیت المقدس میں پہنچ رہی تھیں۔ آخری خبر سے معلوم ہوا تھا کہ سلطان نے طبریہ کی طرف رُخ کیا ہے۔ اس سے تمام عیسائیوں کو تفکر و پریشانی ہوئی لیکن ریمنڈ کو جس کے ملک کیطرف سلطان بڑھ رہا تھا۔ مطلق فکر و اندیشہ نہ تھا۔ چند ہی روز کے بعد معلوم ہو گیا کہ سلطان نے شہر طبریہ کا محاصرہ کر لیا ہے۔ اس خبر سے عیسائیوں میں تفکر بے چینی اور بڑھ گئی مگر ریمنڈ بجائے متفکر ہونے کے کسی قدر خوش ہوا۔

چونکہ اب سلطان کسی قدر عیسائی ممالک میں بڑھ آیا تھا۔ اس لئے عیسائیوں کی تشویش بڑھ گئی۔ ابھی وہ فکر و اندیشہ ہی میں مبتلا تھے کہ طبریا کے بھیجے ہوئے قاصد مدد مانگنے کے لئے آ پہنچے۔

اب مجلس شوریٰ کو مزید التوا میں ڈالنے سے طبریہ کے ہاتھوں سے نکل جانے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے فوراً مجلس شوریٰ منعقد کی گئی۔ جس بڑے کمرے میں گوئی ڈی لُنگنن دربار کیا کرتا تھا۔ اسی میں یہ مجلس منعقد ہوئی۔ تمام فرمانروا چھوٹے بڑے پادری، ارکین سلطنت اور عیسائی معززین جمع ہوئے چونکہ گوئی ڈی لُنگنن یروشلم (بیت المقدس) کا بادشاہ تھا۔ بیت المقدس عیسائیوں کا مقدس مقام تھا اس لئے تمام بادشاہ اس کے ماتحت یا اطاعت گذار سمجھے جاتے تھے۔

گوئی ڈی لُنگنن تخت پر بیٹھا تھا۔ اس کے داہنے ہاتھ کرسیوں پر مذہبی مقتدر ڈھیلے ڈھالے جُبّے پہنے، سینوں پر صلیبیں لٹکائے، ریشم ڈوری سے کمریں باندھے بیٹھے تھے۔ ان سب کی داڑھیاں لمبی لمبی اور گھنی تھیں۔ بائیں طرف تمام عیسائی فرمانروا بیش قیمت پوشاکیں پہنے بیٹھے تھے۔ سامنے ارکین سلطنت اور معززین عیسائی کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ ایک ادھیڑ عمر کا پادری اٹھا۔ وہ سفید ریشم کی پوشاک پہنے تھا۔ سر پر اونچی سی ٹوپی تھی۔ سُرخ ریشم کی ڈوری سے کمر بندھی ہوئی تھی۔ سینہ پر سُرخ صلیب آویزاں تھی۔ اس کا نام جیرڈ ڈی رڈ لیفرڈ تھا۔ یہ

بیت المقدس کا بطریق اعظم تھا۔ اس لیے کسی قدر بلند آواز سے کہا۔ "مسیحی مذہب کے جان نثارو، خدا اور خداوند کا ہزار ہزار شکر و احسان ہے کہ اس نے کروسیڈ کے لیے عیسائی بادشاہوں کو متفق و متحد کر دیا ہم اس پر جس قدر بھی مسرت اور فخر کا اظہار کریں کم ہے۔ یاد رکھو جس قوم میں نفاق پیدا ہو جاتا ہے وہ بہت جلد تباہ ہو جاتی ہے۔

آج عیسائیوں پر بیدینوں (مسلمانوں) نے یورش کر دی ہے۔ مسلمانوں کا فرمانروا سلطان صلاح الدین ہماری قوم پر حملہ آور ہوا ہے۔ اس کا یہ حملہ صرف عیسائی ممالک کو اپنے قبضہ میں لانے کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ وہ عیسائیت کو دنیا سے مٹانے کے لیے اٹھا ہے۔ اس کی سب سے بڑی خواہش گرجوں کو منہدم کرنے اور عیسائیوں کو مسلمان بنانے کی ہے۔ وہ صلیب مقدس کو سرنگوں کرنا چاہتا ہے۔ آہ میرے عیسائی بھائیو! بیدین بھیڑیئے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالنا چاہتے ہیں جس زمین پر خدا کے بیٹے کا خون تمہاری نجات کے لیے بہایا گیا ہے۔ اس مقدس اور پاک جگہ کو مسلمان اپنے منحوس قدموں سے ناپاک کرنا چاہتے ہیں۔ کیا عیسائی ایسے دون ہمت اور بزدل ہو گئے ہیں کہ وہ اس مقدس صلیب کو جس پر خداوند کا خون بہا ہے۔ بے دینوں کے حوالہ کر دیں۔ کیا تم اس مقام کو مسلمانوں کے حوالہ کر دو گے جس پر ہولی ورجن[1] نے معصوم خدا کے بیٹے کو اپنی مقدس گود میں کھلایا ہے"؟

ہر طرف سے آوازیں آئیں "ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں"۔

جیرڈ نے پھر کہا "یہی امید ہے۔ کوئی عیسائی بھی اس مقدس زمین کو بیدینوں کے حوالہ کرنے پر کسی طرح بھی تیار نہ ہوگا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ سلطان کیساتھ

---

[1] ہولی ورجن کے معنے مقدس کنواری کے ہیں۔ عیسائیوں میں یہ حضرت مریم کا مبارک اور پیارا لقب ہے۔

کل ۱۲ ہزار سپاہی ہیں۔ بہت تھوڑا لشکر ہے اس کے مقابلہ میں یہی جانباز چار گنا
ہیں۔ پھر ہم میں جوش ہے۔ مقدس یروشلم بچانے کے لئے ولولہ ہے وہ ہمارا
مقابلہ نہیں کر سکتا اور چونکہ اس کا ملک دُور اور ہمارا قریب ہے۔ اس لیے اسے
بھاگ کر جان بچانے کا بھی موقع نہیں مل سکتا۔ اگر تم نے سلطان صلاح الدین
کو زیر کر لیا تو تم تمام ملک شام پر قابض ہو جاؤ گے۔ تمہارا دینی اور دنیوی
اقتدار اس قدر بڑھ جائے گا کہ کسی کو تمہاری طرف دیکھنے کی جرأت نہ ہو گی۔
بیگم صاحبہ طرابلس کی سفارت آئی ہے۔ سلطان نے طبریہ کا محاصرہ کر لیا ہے۔
اس نے امداد طلب کی ہے چونکہ ہم تمام عیسائیوں کی مسلمانوں سے حفاظت کرنا
چاہتے ہیں۔ اس لیے مشورہ دیجئے کہ بیگم طرابلس کی کس طرح مدد کی جائے۔"

جیروڈ بیٹھ گیا۔ اب ریمنڈ کھڑا ہوا اس نے کہا۔ "طبریہ[1] میرا ملک ہے میری
بیوی میریا کو سلطان نے محصور کر لیا ہے۔ اگر امداد نہ پہنچی تو اس کے ہاتھوں
سے نکل جانے کا خطرہ یقینی ہے لیکن طبریہ کا راستہ دشوار گذار ہے میلوں
پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ملتا۔ وہاں کمک پہنچانے کی کوشش کرنا ہلاکت کو
گھر میں بلانا ہے۔ اس لیے طبریہ کو اس کی قسمت پر چھوڑ دیجئے۔ ملکہ میریا کو تقدیر
کا مقابلہ کرنے دیجئے۔ بیوی جاتی ہے۔ نوکر چاکر جاتے ہیں۔ شہر جاتا ہے جانے
دیجئے۔ ایک شہر تباہ ہو۔ اس شہر کے عیسائی برباد کئے جائیں۔ گرجے منہدم ہوں
ہونے دیجئے۔ اس شہر کی امداد کر کے ساری سلطنت اور مشرقی ایشیا کے تمام
عیسائیوں پر تباہی نہ آنے دیجئے۔"

---

[1] از کارزار صلیبیہ ریمنڈ کی یہ تمام گفتگو بجنسہٖ کارزار صلیبیہ میں موجود ہے۔ جو
ایک عیسائی کی لکھی ہوئی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ریمنڈ اپنی بیوی سے ناخوش تھا
(صادق۔ صدیقی)

ریمنڈ بیٹھ گیا۔ گوئی ڈی لسگنن نے ایسی نظروں سے اُسے دیکھا جس میں
بے اعتباری۔ عدم اعتمادی اور شک کی ملی جلی جھلک پائی جاتی تھی۔

جیروڈ کو ریمنڈ سے اس لیے کاوش تھی کہ اس نے صوبہ طرابلس کے علاقہ
بوترن کی بیوہ سے اس کا عقد نہ ہونے دیا تھا۔ اگر وہ اس سے شادی کر
لیتا تو آج ایک خود مختار فرمانروا ہوتا۔ لیکن ریمنڈ کی رخنہ اندازی سے وہ محروم
رہ گیا تھا اور اس نے بہ جبر و کراہ یا بخوشی یا کسی مصلحت سے مذہبی پیشوا بننا
منظور کر لیا تھا۔ وہ میریا کی مدد کرنا چاہتا تھا لیکن ریمنڈ نے جو تقریر کی تھی اُسے
سوائے اس کے اور گوئی ڈی لسگنن کے اور سب نے پسند کیا تھا۔ جیروڈ پھر اُٹھا۔
اس نے کہا "جو شریفانہ تقریر شاہ ریمنڈ نے کی ہے۔ اُس نے میرے دل پر بہت
زیادہ اثر کیا ہے۔ وہ اپنا شہر اور اپنی بیوی کو بچانے کے لیے عام عیسائیوں کو
مصیبت میں ڈالنا پسند نہیں کرتے۔ لیکن اگر اس شہر میں صرف بیگم صاحبہ ہی
ہوتیں اور عیسائی نہ ہوتے تو اُن کی رائے ضرور ماننے کے قابل تھی لیکن طبریہ میں
ہزاروں عیسائی مرد عورتیں اور بچے موجود ہیں اگر ہم نے اُن کی مدد نہ کی تو ظالم
سلطان شہر فتح کر کے انہیں نہایت بیدردی اور سنگدلی سے قتل کر ڈالے گا
طبریہ کی زمین عیسائیوں کے خون سے رنگی جائے گی اور اُن بے گناہوں کا
خون ہماری سب کی گردنوں پر ہو گا۔ اس لیے ہمیں ضرور اُن کی مدد کرنی چاہیئے۔"

گوئی نے کہا "شاہ ریمنڈ کی بے نفسی ان کی بے لوث تقریر سے ظاہر ہو گئی
دنیا میں کوئی شخص بھی اپنے بیوی بچوں کو دشمنوں کے حوالہ کرنے پر تیار نہیں ہوتا
لیکن ہمارے نیک دل بادشاہ ریمنڈ نے عام عیسائیوں کی تکلیف کے خیال سے
یہ ننگ بھی گوارا کرنا چاہا ہے مگر ہم اسے برداشت نہیں کر سکتے ہم کیسے گوارہ
کر لیں کہ عیسائی بچے غلام اور عیسائی عورتیں لونڈیاں بنائی جائیں۔ اس لئے ہمارا یہ
فرض ہے کہ ہم طبریہ والوں کی مدد کریں۔"

چونکہ بادشاہ گوئی نے طبریہ والوں کی امداد کرنے کا فیصلہ کر دیا تھا۔ اس لیے

کسی کو چوں و چرا کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اب ریجنالڈ آف چیٹیلان اٹھا۔ اس نے کہا "دراصل طبریہ والے ہوں یا کسی اور جگہ کے عیسائی ہمیں تو مسلمانوں کے مقابلہ میں سب کی مدد کرنا ہو گی اور اگر ہم نے مدد نہ کی تو نتیجہ یہ ہو گا کہ ایک ایک دو دو کر کے تمام شہر اور قلعے دشمنوں کے پاس چلے جائیں گے اور عیسائیوں کو وہ منحوس دن دیکھنا پڑے گا۔ جب مسلمانوں کے ناپاک قدم مسیح کے یروشلم کے دروازہ پر آ جائیں۔

اس لیے جس طرف سلطان کا رخ ہو ہمیں اسی طرف جانا پڑے گا۔ مسلمان نہایت ظالم، بیدرد اور وحشی ہیں وہ رحم کرنا جانتے ہی نہیں۔ اس کے علاوہ ان میں دلیری اور جرأت بھی ہے۔ انہیں حقیر نہیں سمجھنا چاہیئے بلکہ ان کے مقابلہ میں متفق و متحد ہو کر سب کو ایک ہی جھنڈہ کے نیچے جمع ہو جانا چاہیے۔ اگر ہم نے سلطان کو زیر کر لیا۔ تو سمجھ لو۔ تمام اسلامی ممالک زیر ہو گئے۔ ہمیں اپنی پوری جمعیت سے اس پر یورش کرنی چاہیئے۔

اب ہرقولیس جو بیت المقدس کا سب سے بڑا پیشوا تھا کھڑا ہوا۔ اس نے کہا "عیسائی بہادرو! یہ جنگ صلیبی جنگ ہے جو عیسائی اس جنگ میں شریک ہو گا۔ اس کی یقینی نجات ہو گی۔ میرے خیال میں بحث و تمحیص کو بند کر دیجئے اور تمام لشکر کو لے کر طبریہ کی طرف روانہ ہو جائیے۔ عیسائی بھیڑوں کو مسلمان بھیڑیوں نے محصور کر لیا ہے ان کی مدد کیجئے۔ ورنہ صفت مسلمانوں کے ہاتھوں سے انہیں بچائیے"۔

ہرقولیس بھی بیٹھ گیا۔ اب گوئی نے کہا "یہ سچ ہے کہ ہمیں زیادہ بحث میں نہیں الجھنا چاہیئے۔ آج کا دن نہایت مبارک ہے ہمیں خداوند کے بنائے ہوئے گرجا میں چل کر خلوص دل سے فتح کی دعا مانگنی چاہیئے۔

سب نے کہا "نہایت مناسب ہے"۔

گوئی اٹھ کر کھڑا ہوا۔ اس کے اٹھتے ہوئے تمام لوگ کھڑے ہو گئے۔ یہ سب اس ہال سے نکل کر باہر آئے اور یہاں سے سیدھے گرجا کی طرف روانہ ہوئے۔ شاہی قصر کے قریب نہایت عالیشان گرجہ تھا۔ ایک وسیع احاطہ کے اندر خوشنما باغیچہ تھا۔ باغیچے کے وسط میں گرجا کی بلند اور خوبصورت عمارت تھی۔ اس گرجا کے بائیں طرف ایک اور احاطہ تھا۔ اس احاطہ میں ننیں یعنی تارک الدنیا عورتیں رہا کرتی تھیں۔

یہ سب لوگ گرجا کے اندر داخل ہوئے۔ اس گرجا میں بہت سی سنگ مرمر کی قد آدم تصاویر نصب تھیں۔ یہ تصویریں پادریوں اور سینٹوں کی تھیں۔ یہ لوگ گرجا کے اس بڑے ہال کو عبور کر کے ایک چھوٹے کمرہ میں ہوتے ہوئے دوسرے مستطیل کمرہ میں پہنچے یہ کمرہ کسی قدر وسیع تھا۔ اس میں دبیز قالین پڑے ہوئے تھے سامنے ایک مچان تھا۔ تمام عیسائیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت عیسٰی کو اس مچان پر پیش کیا گیا تھا۔

اس وقت اس کمرہ میں مچان کے سامنے دو رویہ دونوں طرف دیواروں کے قریب ۲۵، ۳۰ کمسن عورتیں سفید ریشم کی پوشاکیں پہنے کھڑی تھیں۔ یہ تمام عورتیں خوبصورت تھیں۔ ان کے بھولے اور پیارے چہرے سفید پوشاک میں سفید ہی معلوم ہو رہے تھے جن پر جلد کی ہلکی رنگت ہونے کی وجہ سے خون کی روانی سے سرخی دمک رہی تھی۔ ان کی بڑی بڑی دلفریب سیاہ آنکھیں بڑی ہی پیاری معلوم ہو رہی تھیں جب وہ کسی کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتی تھیں۔ تو وہ شخص جسے دیکھا جاتا تھا۔ تیر نظر سے گھائل ہو کر کلیجہ پکڑ کر رہ جاتا تھا۔

ان سب پریوشوں کی سیاہ مگر دراز زلفیں سفید کپڑوں سے چھپی ہوئی تھیں۔ اگرچہ انہوں نے کوئی بناؤ سنگار نہیں کر رکھا تھا۔ لباس بھی ڈھیلا ڈھالا تھا مگر ان کے چہرے حسن کی تابش سے چمک رہے تھے وہ سب نظریں

جما سے خاموش کھڑی تھیں۔ مچان کے بالکل قریب ایک ادھیڑ عمر کی عورت اُن حوروشوں ہی کی سی پوشاک پہنے کھڑی تھی۔ ہرقولیس اس عورت کے قریب گیا اس نے کہا "مقدس خاتون! آج ہم تمام پادری اور سارے بادشاہ فتح یابی کیلئے دعا مانگنے آئے ہیں قبل اس کے کہ ہم دعا مانگیں تم ننوں سے کہو کہ وہ کوئی ایسا گیت گائیں جس سے ہماری سب کی طبیعتیں گداز ہو جائیں"۔

اُس عورت نے کہا "بہت اچھا"۔ اُس نے ننوں سے مخاطب ہو کر کہا "آج پُر درد گیت گاؤ جس سے ہر شخص کے آنسو جاری ہو جائیں"۔

پر جمال ننوں نے اپنے اپنے ہاتھوں کو جوڑ کر سینوں کے سامنے کئے۔ نازک اور صراحی دار گردنیں جھکائیں اور بہترین موسیقی نواز لہجہ میں گیت شروع کیا۔ ان کی باٹ دار منجی ہوئی آوازیں کمرہ میں گونجیں۔ تمام پادری اور سارے بادشاہ سر جھکا جھکا کر دست بستہ کھڑے ہو گئے۔

ننوں نے ایسے درد انگیز لہجہ میں گیت شروع کیا کہ سب کی طبیعتیں گداز ہونے لگیں۔ گیت جو گایا جا رہا تھا۔ اس کا مضمون قریب قریب یہ تھا۔ "ہزاروں سلام اس پر جو اپنی اُمت اور اپنی قوم کی نجات کے لیے مچان پر لٹایا گیا۔ ہزاروں سلام اس پر جو بے گناہ گنہگاروں کی نجات کے لیے صلیب پر چڑھا دیا گیا۔ ہزاروں سلام اس پر جو کانٹوں کا تاج پہن کر مسکرایا۔ ہزاروں سلام اس پر جو بے گناہ صلیب دیا گیا۔ ہزاروں سلام اس پر جو ہمارا خداوند تھا۔ ہزاروں سلام اس پر جو خدا کا بیٹا تھا۔ ہزاروں سلام اس پر جو اپنے باپ سے سفارش کر کے ہمیں نجات دلائے گا۔ وہ اچھا تھا۔ بہت اچھا نیک تھا۔ مہربان تھا۔ رحمدل تھا۔ وہی ہمارا خداوند تھا۔ ہولی ورجن کی گود کا کھلایا تھا۔ آہ پاک ماں تیرا پیارا بیٹا صلیب دیا گیا۔ اس پر ہزاروں سلام"۔

یہ گیت کچھ ایسے درد اور ایسی آواز سے گایا گیا کہ پادریوں اور بادشاہوں

کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے اُن سب کے جسد خاکی گویا بے حس و حرکت کھڑے تھے اور اُن کی روحیں موسیقی کے سمندر میں تیر رہی تھیں ان کے دل گداز ہو گئے تھے اور وہ سارے رو رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں جب گیت ختم ہو گیا تو وہ لوگ اس طرح ہوشیار ہوئے جس طرح کوئی گہری نیند میں سونے والا آہستہ آہستہ بیدار ہوا کرتا ہے۔ انہوں نے اپنے آنسو پونچھے اور سب آگے بڑھ کر مچان کے قریب گئے۔ انہوں نے مچان کے سامنے دوزانو ہو کر دعا مانگی۔

"خداوند! ہم مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ ہم جانتے ہیں۔ ہم پر مصیبت اس لئے نازل ہوئی ہے کہ ہم نے مذہب کو چھوڑ دیا ہے۔ عیش عشرت میں ڈوب گئے ہیں۔ اسی لیے ہم پر بے دین مسلمان حملہ آور ہوئے ہیں لیکن اب ہم توبہ کرتے ہیں۔ مذہب پر کاربند رہنے کا اقرار کرتے ہیں۔ ہم پر رحم کرو ہمیں بے دین مسلمانوں پر فتح دو"۔

یہ دعا مانگتے وقت تمام پادری اور سارے بادشاہ روتے رہے تھے۔ وہ دعا مانگ کر اُٹھے اور سیدھے قدموں تاکہ مچان کی طرف پشت نہ ہو واپس لوٹے ان کے پیچھے ہی گلعذار ننیں بھی انہیں کی طرح چلیں۔ یہ سب دوسرے کمرہ میں آئے۔ یہاں سے بڑے ہال میں ہوتے ہوئے گرجا سے باہر نکل آئے گرجا سے نکلتے ہی سب اپنے اپنے جائے قیام کی طرف چل پڑے۔ ننیں احاطہ کے اندر چلی گئیں۔

دوسرے روز علی الصباح تمام عیسائی لشکر طبریہ کی طرف سلطان صلاح الدین کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوا۔ اس لشکر کے ساتھ تمام بادشاہ بڑے بڑے پادری اور خود گوئی ڈی لشگنن روانہ ہوئے۔

---

(۸)

ہزیمت

عیسائی نہایت جوش وخروش سے طبریہ کی طرف سلطان کے مقابلہ کیلئے تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ عیسائیوں کی جمعیت ایک لاکھ کے قریب تھی۔ تمام مشہور اور متعصب پادری اس لشکر کے ساتھ تھے۔ گوئی ڈی لسگنن، اس کا بھائی ملک جعفری، ریجنالڈ آف چٹیلان۔ ریمنڈ۔ بلیان ابیلین کا فرمانروا۔ کونٹ گوئی عسقلان کا فرمانروا اور بہت سے والیان ملک اور تعلقداران اس لشکر کے ساتھ تھے۔ عیسائیوں نے متفق و متحد ہو کر یہ یورش سلطان اور مسلمانوں کو زیر اور فنا کرنے کے لیے کی تھی۔

سلطان صلاح الدین کو جاسوسوں کے ذریعے سے عیسائیوں کے اس عظیم الشان لشکر کی آمد کا حال معلوم ہو گیا تھا۔ سلطان کے پاس صرف چودہ ہزار لشکر تھا۔ گویا عیسائیوں کے مقابلہ میں آٹھواں حصہ لیکن سلطان یا مسلمانوں پر دشمنوں کی کثیر تعداد کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ انہوں نے ایک فیصلہ کن جنگ کرنے کا ارادہ کر لیا۔

طبریہ میں کوئی ایسا میدان نہیں تھا جہاں دونوں لشکروں کے قیام کیلئے کافی گنجائش ہوتی اور شہر طبریہ میں محصور ہو کر لڑنا سلطان کی علو ہمتی کو گوارا نہ تھا۔ اس لیے وہ طبریہ سے ہٹ کر قریہ لوبا کے وسیع میدان میں خیمہ زن ہو گیا۔

"لوبا" کا میدان نہایت کشادہ تھا۔ تقریباً سات میل وسیع تھا یہ میدان

ریتیلا تھا۔ جہاں تک نظر جاتی تھی ریگ زار نظر آتا تھا۔ کہیں کہیں بالو کے اونچے اونچے ٹیلے بھی تھے۔ ہواؤں نے چل چل کر ریت کو صاف کر دیا تھا۔ صاف ہونے کی وجہ سے تمام ریت پانی کی موجیں سی نظر آتی تھیں۔ دھوپ میں ریت کے سفید سفید ذرے چمک کر آنکھوں کو خیرہ کرنے لگتے تھے۔

چونکہ یہ تمام میدان ریگ زار تھا۔ اس لیے سورج نکلنے پر آفتاب کی حرارت سے ریت گرم ہو کر ناقابلِ برداشت گرمی پیدا کر دیتا تھا۔ البتہ آفتاب غروب ہونے کے بعد جب ریت ٹھنڈا ہو جاتا تھا تو نہایت خوشگوار اور فرحت بخش ٹھنڈا ہو جاتی تھی۔ رات کو نکھری ہوئی چاندنی میں سفید سفید ریت بہت ہی بھلا معلوم ہوتا تھا۔

جس روز سلطان نے اس وسیع ریگزار میں آ کر قیام کیا۔ اس سے ایک ہفتہ کے بعد عیسائیوں کا ٹڈی دل لشکر آنا شروع ہو گیا۔ متواتر تین روز تک لشکر آ آ کر خیمہ زن ہوتا رہا۔ چونکہ یہ جگہ نہایت گرم تھی۔ سارا میدان ریتیلا تھا۔ سبزہ کا کہیں نشان نہ تھا۔ اس لیے عیسائیوں نے طبریہ اور اس کے مضافات سے گھاس کے بنڈل اور بڑے بڑے بوجھ لا لا کر جمع کر دیئے تھے۔ یہ گھاس کچھ تو گھوڑوں کے لیے لائی گئی تھی کچھ آفتاب کی حرارت کو روکنے کے کام میں لائی جاتی تھی۔

جب عیسائیوں کا تمام لشکر آ گیا اور دو چار روز قیام کر کے انہوں نے علی الصباح اپنے تمام لشکر کو کمر بستہ کر کے طبل جنگ بجا کر اعلانِ جنگ کر دیا۔

مسلمان صبح کی نماز پڑھ چکے تھے۔ انہوں نے عیسائیوں کو مسلح ہو کر صف بستہ ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ سلطان زری کے شامیانہ کے نیچے کھڑا ہوا تھا۔ اس کا خیمہ ایک اونچے ٹیلہ پر تھا۔ اس وقت اس کے پاس مسعود کھڑا تھا۔ مسعود نے کہا "ظل اللہ عیسائی صف بستہ ہو گئے ہیں۔ ان کے لشکر میں طبل

جنگ بج رہا ہے۔ آپ بھی حکم دیجیے کہ اسلامی لشکر صف بستہ ہو جائے۔"

سلطان نے کہا "سارے سرداروں کو اطلاع کر دو کہ فوراً کمر بستہ ہو کر میدان جنگ میں پہنچ جائیں۔"

مسعود کے ہاتھ میں سبز رنگ کی جھنڈی تھی اس نے شامیانہ سے آگے بڑھ کر ٹیلہ کے کنارہ پر کھڑا ہو کر جھنڈی کو حرکت دی۔ اسلامی لشکر اگرچہ تھوڑا تھا لیکن اس قرینہ سے خیمہ زن ہوا تھا کہ زیادہ معلوم ہوتا تھا۔ خیمے قطار در قطار ایک دوسرے سے فاصلہ پر دور تک نصب ہوتے چلے گئے تھے۔ اونچے اونچے ٹیلوں پر سرداروں کے خیمے تھے۔

صبح کا نہایت خوشگوار وقت تھا۔ ابھی آفتاب طلوع نہیں ہوا تھا نسیم صبح کے ہلکے ہلکے فرحت بخش جھونکے چل رہے تھے۔ تمام سردار ٹیلوں پر کھڑے ہوئے صبح کے پُر فضا منظر اور فرحت بخش ہوا کا لطف اٹھا رہے تھے۔

دفعتہً انہوں نے اس اشارہ کو سمجھ لیا۔ وہ جلد جلد مسلح ہو ہو کر ٹیلوں سے نیچے اتر آئے اور اپنے اپنے لشکر کو مسلح ہونے کا حکم دے دیا۔

سارا لشکر مسلح ہونے لگا۔ اس تمام میدان میں ہلچل مچ گئی جس میں اسلامی لشکر خیمہ زن تھا۔ ہر شخص کام میں مصروف نظر آنے لگا۔ کوئی مسلح ہو رہا تھا۔ کوئی زین کس رہا تھا۔ کوئی گھوڑے پر سوار ہو رہا تھا۔ کوئی خیمہ کے اندر سے باہر آ رہا تھا کوئی کچھ چیز لینے خیمہ کے اندر جا رہا تھا۔ تمام لشکر پر عجیب دلفریب مصروفیت طاری ہو گئی تھی۔

تھوڑی ہی دیر میں تمام لشکر مسلح ہو گیا۔ ہر سردار اپنے اپنے لشکر کو لے کر میدان جنگ میں پہنچ گیا۔ خود سلطان بھی مسلح ہو کر گھوڑے پر سوار ہوا اور لشکر کے وسط میں جا پہنچا۔ مسعود بھی جلدی سے زرہ پہن کر گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے دستہ فوج میں جا کھڑا ہوا۔

الافضل فقیہ عیسیٰ اور العادل میسرہ پر متعین ہوئے تقی الدین العزیز، المسعود میمنہ پر مقرر ہوئے۔ امیر عز الدین اور دوسرے سرداران لشکر سلطان کے جھنڈہ کے نیچے قلب میں رہے۔ ایک دستہ فوج کا عبدالرحمٰن مسعود کے باپ کی سرکردگی میں محفوظ رکھا گیا ہے۔ اُسے ہدایت کر دی گئی کہ جس جگہ مدد کی ضرورت ہو مدد کرے۔

اس طریقہ سے صف بندی کر کے سلطان نے ایک مختصر فوج کا دستہ مسعود کے چچا عبداللہ کو دیکر خیموں کی حفاظت کے لیے علیحدہ کر دیا۔

اب آفتاب طلوع ہو گیا تھا۔ اُس کی آڑی ترچھی کرنیں سفید ریتیلے میدان میں پڑ پڑ کر ذروں کو چمکانے لگی تھیں۔

عیسائی لشکر میں زور زور سے طبل جنگ بجایا جا رہا تھا۔ پادری جگہ جگہ کھڑے انجیلیں پڑھ رہے تھے۔ ایک بڑی سنہری صلیب گوئی ڈی لوسگنن کے سامنے آویزاں کی گئی تھی۔

عیسائیوں کا لشکر دور تک صف بستہ ہوا تھا۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک میل کا فصل تھا۔ اُن کی صفیں کثیر اور قریب قریب تھیں۔ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ وہ سب مسرور الوقت تھے۔ تمام بادشاہ اپنے اپنے لشکر کے وسط میں نہایت تزک و احتشام کے ساتھ جلد ہتھیار لگائے زرہ بکتر پہنے کھڑے تھے۔

دفعتہً گوئی نے لشکر کو بڑھنے کا اشارہ کیا۔ عیسائیوں کا سیلاب بڑھا۔ پادری زور زور سے انجیلیں اور دعائیں پڑھنے لگے بڑھتے بڑھتے جب یہ لشکر مسلمانوں سے ایک تیر کے فاصلہ پر رہ گیا تو پادری پیچھے ہٹ گئے۔ گویا وہ انہیں موت کے کنارہ تک پہنچا گئے تھے۔ وہ خود مرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ البتہ عیسائیوں کے مرنے کا تماشا دیکھنے کو موجود تھے یا اگر عیسائی بھاگنے لگیں تو انہیں جوش و

اشتعال دلا دلا کر پھر میدان جنگ کی طرف لے جانے پر آمادہ تھے۔

اب عیسائیوں نے کمانیں ہاتھ میں لیں تیر نکالے اور تیر کمان میں جوڑ جوڑ کر چلانے شروع کر دیے۔ اگرچہ یہ تیر بے ترتیبی کے ساتھ چلائے جانے لگے لیکن تیر اندازوں کی کثرت کی وجہ سے تیروں کی بارش سی ہونے لگی۔

مسلمانوں نے بھی فوراً کمانیں سنبھالیں اور ایک ساتھ تیروں کو کمانوں میں رکھ کر اس طرح چلایا جیسے تمام تیر ایک ہی کمان سے نکلے ہوں۔ ایک مرتبہ تو ان تیروں نے آفتاب کی زریں شعاعوں کو ڈھک لیا۔

تیر اندازی سے یہ بات بخوبی ثابت ہو گئی کہ عیسائیوں کو تیر اندازی کا سلیقہ نہیں ہے۔ اگر وہ اس فن میں کچھ بھی ماہر ہوتے تو مسلمانوں کی طرح ایک ساتھ تیر برساتے لیکن نہ ان میں ترتیب تھی نہ اس فن میں ماہر تھے۔ اسی لیے ان کے تیر محض ضائع ہو رہے تھے۔ ان سے مسلمانوں کا کچھ بھی نقصان نہ ہو رہا تھا اور مسلمانوں کے تیر انہیں یعنی عیسائیوں کو کافی نقصان پہنچا رہے تھے۔

تقریباً ایک گھنٹہ تک تیر اندازی کی مشق ہوتی رہی۔ اس جنگ سے کسی فریق کو بھی کوئی معتدبہ فائدہ نہ ہوا۔ اس ایک گھنٹہ میں صرف چند صد عیسائیوں نے جام مرگ پیا۔ مسلمانوں کا ایک بھی نہ مرا۔ عیسائیوں کو یہ دیکھ کر سخت غصہ آیا۔ انہوں نے لشکر کو بڑھنے کا اشارہ کیا۔ عیسائی لشکر کا سیلاب کچھ اس جوش و خروش اور تیزی سے بڑھا جس کو دیکھ کر اندیشہ ہو گیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جائے گا لیکن مسلمانوں کو ان کی پیش قدمی سے کوئی خوف نہ ہوا وہ بدستور نہایت استقلال اور پامردی کے ساتھ کھڑے ہوئے تیر بازی کرتے رہے البتہ صرف یہ ہوا کہ انہوں نے تیر بازی میں اور شدت کر دی۔ ان کے بے پناہ تیروں نے عیسائیوں کی پہلی صف کا صفایا کر دیا تمام سوار تیر کھا کھا کر گرے اور گر گر کر تڑپنے لگے۔ ان کے گھوڑے میدان

جنگ میں ادھر ادھر کودنے، زقند بھرنے اور بھاگنے لگے۔

عیسائی لشکر اپنے ہی سپاہیوں کو کچلتا ہوا بڑھ رہا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ ان کی تعداد مسلمانوں کے مقابلہ میں آٹھ گنا ہے۔ اس سے ان کے دل شیر تھے اور وہ نہایت بے خوفی سے انتقام کے جوش میں مسلمانوں کو روند ڈالنے کے لیے برابر بڑھے چلے آ رہے تھے جب فاصلہ کم رہ گیا تو مسلمانوں نے بھی تیر اندازی موقوف کر دی۔ انہوں نے اپنے چھوٹے چھوٹے نیزے ہاتھوں میں لے کر گھوڑوں کی کنوتیوں کے بیچ میں رکھ لیے۔ تھوڑی ہی دیر میں دونوں لشکر مل گئے نیزہ بازی شروع ہو گئی۔ عیسائیوں کا خیال تھا کہ وہ پہلے ہی حملہ میں مسلمانوں کو مغلوب کر لیں گے لیکن جب مسلمانوں نے نیزوں سے ان کا استقبال کیا اور ان کی دوسری صف کو نیزوں سے چھید چھید کر گھوڑوں سے نیچے گرا دیا تو عیسائیوں کا سیلاب رک گیا اور انہوں نے نیزے ڈال کر تلواریں سونت لیں۔

مسلمانوں نے بھی نیزے پھینک دیے۔ انہوں نے بھی تلواریں کھینچ لیں بائیں ہاتھوں میں ڈھالیں لے لیں۔ زور شور سے جنگ شروع ہو گئی۔ ایک دفعہ تلواریں سورج کی شعاعوں میں چمکیں اور انسانی سمندر میں غوطہ زن ہو کر خون کے چھینٹے اڑاتی ہوئی بلند ہوئیں۔ شور و دار و گیر شروع ہو گیا۔ عیسائیوں نے زور سے طبل جنگ بجانا شروع کر دیا۔ قومی نعروں کی آواز گونج اٹھی۔ مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کا غلغلہ انداز نعرہ لگایا۔ اس نعرہ نے میدان کو ہلا دیا۔ زمین کانپ گئی۔ عیسائی لرز گئے۔ مسلمانوں نے جوش میں آ کر حملہ کیا۔ ابھی تک وہ اپنی جگہ سے نہ بڑھے تھے لیکن اب بڑھ کر عیسائیوں کی صفوں میں جا گھسے اب جنگ زبردست ہو رہی تھی جس طرف نظر جاتی تھی۔ تلواریں اٹھتی۔ غائب ہوتی اور پھر ابھرتی نظر آتی تھیں۔

اگرچہ مسلمان نسبتاً بہت ہی کم تھے ایک مسلمان کے مقابلہ میں آٹھ نصرانی

تھے لیکن مسلمانوں پر کوئی ہراس، کوئی خوف اور کوئی اندیشہ طاری نہ تھا وہ اس طرح جنگ میں مشغول تھے جیسے اپنے برابر کے لشکر سے لڑ رہے ہوں۔

عیسائیوں کو ان کی دلیری، اُن کی جرأت اُن کے استقلال پر حیرت ہو رہی تھی۔

تھوڑی ہی دیر میں تمام سفید سفید ریت پر خون کے چھینٹوں نے گر گر کر سُرخ رنگ آمیزی کر دی۔

جہاں اب سے تھوڑی دیر پہلے صاف وشفاف ریت کا سمندر تھا جس میں گھاس یا تنکے کا بھی نشان نہ تھا۔ وہاں لاشوں، سروں اور کٹے ہوئے ہاتھ پیروں کا انبار لگ گیا تھا۔ دلیروں اور سرفروشوں کے گھوڑے ان سروں اور لاشوں سے ٹھوکریں کھانے لگے۔

متفقہ فوجیں نہایت زور شور سے جنگ میں مصروف تھے مسلمان عیسائیوں پر اور عیسائی مسلمانوں پر پلے پڑتے تھے۔ تلواریں جلد جلد سر و تن کے فیصلے کر رہی تھیں۔ لوگوں میں اس قدر جنگ کا انہماک بڑھ گیا تھا کہ وہ سوائے جان لینے اور جان دینے کے اس وقت دنیا کی تمام باتیں بھول گئے تھے۔

اب آفتاب نصف النہار پر پہنچ گیا تھا۔ سورج کی حرارت نے ریگ زار کو اس قدر تپا دیا تھا کہ دانے بھونے جا سکتے تھے۔ سورج کی حرارت آمیز شعاعوں نے زرہ بکتروں اور گھوڑوں کی کاٹھیوں کو اس قدر گرم کر دیا تھا کہ اُن کی طپش جسموں کو جھلسے ڈالتی تھی۔ اس تپش نے پیاس بڑھا دی تھی۔ گھوڑوں نے پیاس کے مارے زبانیں نکال دی تھیں۔ لوگ گرمی اور پیاس سے سخت پریشان ہو گئے تھے لیکن اس تکلیف پر بھی وہ برابر جنگ کر رہے تھے۔

ریجنالڈ آف چیٹیلان، ملک جیفری، اور بیلین کار بیلان تقریریں کر کر کے لوگوں میں جوش پیدا کرا کرا انہیں مرنے اور مارنے پر آمادہ کر رہے تھے۔

دھوپ کی تیزی کے ساتھ جنگ کی تیزی بھی بڑھتی چلی جا رہی تھی عیسائی جوش میں آ آ کر حملے کر رہے تھے۔ وہ مسلمانوں کو دھکیلنا یا پیچھے ڈالنا چاہتے تھے لیکن مسلمان گویا سیسے کے بن گئے تھے وہ پیچھے ہٹنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔

جنگ نے اس قدر طول کھینچا کہ آفتاب ڈھل گیا اور ظہر کی نماز کا وقت آ گیا سلطان نے تمام لشکر میں حکم بھیج دیا کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کیجئے۔ فوراً نصف لشکر میدانِ جنگ سے ہٹ آیا۔ سلطان نے خود نماز پڑھانی شروع کی۔ اب میدان جنگ میں صرف چند ہزار مسلمان ایک لاکھ یا چند ہزار کم ایک لاکھ عیسائیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے رہ گئے۔

ریجنالڈ نے مسلمانوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اس نے بلند آواز سے کہا۔

"عیسائی دلیرو! مسلمانوں کا آدھا لشکر میدانِ جنگ سے ہٹ کر نماز میں مصروف ہو گیا ہے۔ آدھا لشکر تمہارے مقابلہ میں باقی رہ گیا ہے۔ یہ مٹھی بھر مسلمان ہیں انہیں قتل کر کے ڈال دو۔

عیسائیوں نے جوش میں آ کر اپنے مقدور بھر کوشش کی لیکن وہ اپنی متفقہ اور متحدہ کوشش کے باوجود مسلمانوں کو ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹا سکے۔

مسلمان عدیم النظیر جرأت اور بے مثل بہادری کے ساتھ نہایت استقلال سے جنگ میں مصروف رہے۔ عیسائی اُن کی جرأت دیکھ کر کمال حیران ہوئے۔

ایک رکعت ادا کر کے مسلمان ہٹے اور میدان جنگ میں آ کر لڑنے لگے اب وہ آدھے مسلمان جو اب تک لڑتے رہے تھے پیچھے ہٹے اور جلد جلد گھوڑوں سے اتر اتر کر سلطان کے پیچھے جا کھڑے ہوئے۔ اب انہوں نے نماز پڑھنی شروع کر دی۔

گی ڈی لزگنن اونچے ٹیلے پر کھڑا ہوا مسلمانوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا "مسلمانوں کی کامیابی کا راز خدا کی عبادت میں مضمر ہے۔ یہ لوگ سفر

مجبور، جنگ اور بیماری کسی حالت میں بھی نماز سے غفلت نہیں کرتے۔ اسی وجہ سے خدا ان پر مہربان ہے اور ہر جگہ فتح مند ہوتے ہیں۔

جنگ اب بھی نہایت زور شور سے ہو رہی تھی۔ عیسائی مسلمانوں کو کم سمجھ کر ان پر ٹوٹے پڑتے تھے اور اس فکر میں تھے کہ کسی طرح ان مسلمانوں کے آنے سے پہلے جو نماز پڑھ رہے تھے۔ لڑنے والے مسلمانوں کو قتل کر کے ڈال دیں۔ لیکن وہ ہزاروں سعی اور لاکھوں کوشش کرنے پر بھی مسلمانوں کو ایک انچ پیچھے نہ ہٹا سکے تھے۔

تھوڑی ہی دیر میں سلطان نے دوسری رکعت ختم کی۔ نماز سے فارغ ہو کر اس نے سربسجود ہو کر خلوص دل سے فتح کی دعا مانگی۔ تمام مسلمانوں کی پیشانیوں پر ہیبت جما رہ گیا تھا جو ان کی پیشانی پر چمک رہا تھا۔

نماز سے فراغت کرتے ہی ان آدھے مسلمانوں نے بھی جنگ میں شرکت کر کے حملہ کر دیا۔ اب پھر خون آشام جنگ شروع ہو گئی۔ عیسائی سرفروش کٹ کٹ کر گرتے تھے ان کی صفوں میں رخنے پڑ جاتے تھے لیکن پچھلی صفوں سے سوار آ آ کر ان رخنوں کو پورا کر دیتے تھے۔

مسعود تقی الدین کے زیر علم نہایت سرفروشی سے لڑ رہا تھا۔ اس کا دستہ لڑتے لڑتے عیسائیوں کے وسط میں پہنچ گیا تھا۔ العزیز اس کی کمک کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔ وہ مارتا کاٹتا مسعود تک پہنچ گیا۔ مسعود نے اس کمکی لشکر کو قریب دیکھ کر نہایت جوش و خروش سے حملہ کیا۔ اس کی اور اس کے ہمراہیوں کی بے پناہ تلواروں نے عیسائی مردوں کے انبار لگا دیے۔ شہزادہ عزیز بھی بپھرے ہوئے شیر کی طرح نہایت جوش سے حملے کر رہا تھا۔ ان کے حملوں نے عیسائیوں کے چھکے چھڑا دیے۔

مسعود نے دور سے گوئی ڈی لسگنن کو دیکھ لیا تھا۔ وہ قیاس سے یہ

سمجھ گیا تھا کہ جب تک گوئی گرفتار یا قتل نہ کیا جائے لڑائی کا فیصلہ نہ ہو گا اس لیے وہ عیسائی صفوں کو چیرتا ہوا گوئی کی طرف بڑھا چلا جا رہا تھا۔ عیسائی اسے ہر قدم پر روکتے تھے لیکن وہ رکنے کے بجائے بڑھتا تھا۔ وہ ہر اس عیسائی کو جو اس کا سد راہ ہوتا قتل کر ڈالتا اور آگے بڑھتا۔

گوئی نے بھی اسے اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ لیا تھا وہ بھی گھوڑے پر سوار ہو کر اس وقت کا انتظار کرنے لگا تھا جب مسعود اس کے پاس پہنچ کر اس پر حملہ کرے۔

لیکن دشواری یہ تھی کہ عیسائیوں کی جمعیت بہت زیادہ تھی۔ باوجودیکہ مسعود شہزادہ عزیز اور ان کے ہمراہیوں نے ہزاروں عیسائیوں کو کاٹ کر ڈال دیا تھا لیکن ابھی تک عیسائیوں میں کوئی نمایاں کمی نہ معلوم ہوئی تھی۔

دین کا پکا مسعود برابر جنگ میں مصروف تھا۔ وہ سر جھکائے ہوئے لڑ رہا تھا۔ اتفاق سے لڑتے لڑتے اس کا رخ دوسری طرف ہو گیا۔ وہ مارتا کاٹتا عیسائی صفوں کو درہم و برہم کرتا ہوا دوسری طرف جا نکلا۔ اس نے عیسائیوں کی صفوں سے باہر نکل کر دیکھا تو گوئی اس سے اب بھی اسی قدر فاصلہ پر تھا جیسا اس وقت تھا جب اس نے حملہ کیا تھا۔ بات یہ ہوئی کہ وہ گوئی کی طرف بڑھنے کی بجائے اس کے مخالف سمت میں بڑھا چلا آیا۔ مسعود کو اس بات پر سخت افسوس ہوا۔ اس نے شہزادہ العزیز اور ان کے ہمراہیوں نے کچھ دیر دم لیا۔ جب وہ دم لے رہے تھے تو انہوں نے ان گھاس کے گٹھوں کو دیکھا جنہیں عیسائیوں نے جمع کیا تھا۔ مسعود نے فوراً گھاس میں آگ لگوا دی۔ خشک گھاس نے آگ کو جلدی ہی پکڑ لیا۔ شعلے اٹھنے شروع ہو گئے۔

اب مسعود نے اللہ اکبر کا پرزور نعرہ لگا کر عیسائیوں کی پشت پر حملہ کر دیا۔ ٹھیک اس وقت سلطان صلاح الدین نے اپنے تمام لشکر سے نہایت

جوش وخروش سے حملہ کیا۔ ان متواتر حملوں سے عیسائی گھبرا گئے۔ اگرچہ انہوں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ لیکن اپنی تمام تر قوت صرف کرنے پر بھی وہ اسلامی شیروں کو نہ روک سکے۔

مسلمانوں نے چشم زدن میں مقتولوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ کٹے ہوئے اعضاء اور دھڑوں سے تمام میدان پٹ گیا۔

مسعود سرفروشانہ حملے کرتا ہوا عیسائیوں کے لشکر کے بیچ پہنچ گیا۔

اب ایک طرف سے سلطان، تقی الدین اور الافضل نے پورے جوش و خروش سے دھاوا کیا۔ دوسری طرف سے مسعود اور العزیز نے پرزور حملہ کر دیا ادھر آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ آگ کی لپیٹ اور دھوئیں نے عیسائیوں کے حواس پراگندہ کر دیئے۔ بے اختیار اُن کے قدم اکھڑ گئے وہ بُری طرح پسپا ہوتے۔ مسلمانوں نے ہزاروں عیسائیوں کو کاٹ کر ڈالدیا۔ آخر کوئی نے واپسی کا بگل بجایا۔ عیسائی لشکر واپس ہوا۔ مسلمان بھی لوٹ آئے۔ اگرچہ آج کی جنگ میں فتح و شکست کا فیصلہ نہ ہو سکا لیکن عیسائیوں کا بہت زیادہ نقصان ہوا۔ اُن کے دس ہزار آدمی مارے گئے۔ مسلمان بھی چار سو کے قریب شہید ہوئے۔ باعتبار نتیجہ کے مسلمان ہی کامیاب رہے۔

متحاربین میدانِ جنگ سے ہٹ کر زخمیوں کی مرہم پٹی اور کھانے کے انتظام میں مصروف ہوئے۔

تمام رات فریقین کو مشوروں اور تیاریوں میں مصروف رہنا پڑا۔ صبح سویرے ہی دونوں فریق صف بستہ ہو گئے۔ سلطان نے آج بھی کل کی ہی طرح میمنہ میں شہزادہ تقی الدین شہزادہ العزیز اور مسعود کو میسرہ میں شہزادہ الافضل اور عیسیٰ فقیہ الدین کو متعین کیا۔ آج بھی عبدالرحمٰن کو فوج کا ایک دستہ

دے کر روانہ کر دیا اور عبداللہ کو خیموں اور زخمیوں کی حفاظت پر بدستور رکھا

آفتاب طلوع ہوتے ہی عیسائی طبل جنگ بجا کر نہایت جوش و خروش سے بڑھے۔ مسلمانوں نے پہلی ہی نظر میں دیکھ لیا کہ آج عیسائی کل کی طرح تیروں سے نہ لڑیں گے۔ انہوں نے بھی کمانیں اور نیزے پھینک دیئے۔ سلطان نے انہیں بھی بڑھنے کا حکم دیا۔ وہ بھی بڑھے۔ دونوں لشکر بہت جلد مل گئے۔ فوراً ہی تلواریں سونت لی گئیں۔ صاف و شفاف تلواریں آفتاب کی شعاعوں میں چمکیں۔ تڑپیں اور انسانی سمندر میں غوطہ زن ہو گئیں۔ اب جو ابھریں تو اکثر و بیشتر خون میں نہا رہی تھیں۔ خون کے چھینٹے لالہ کاری کرنے لگے۔ سر گیندوں کی طرح اچھل اچھل کر گرنے لگے۔ ہاتھ پاؤں اور دھڑ کٹ کٹ کر گرے اور تڑپنے لگے۔

شور دار و گیر، قومی نعروں کی آواز، زخمیوں کی چیخ و پکار اور طبل جنگ کی آواز سے تمام میدان، سارے ٹیلے، میدان کے قرب و جوار کی وادیاں گونجنے لگیں۔ اس قدر شور و غل بلند ہوا کہ طیور پھڑپھڑا کر چرندے چوکڑیاں بھر کر درندے گھبرا کر اڑنے اور بھاگنے لگے۔

آج فریقین گذشتہ روز سے زیادہ جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔ سرفروش نہایت بہادری سے جنگ میں مشغول تھا۔ آج کوئی ڈی شٹلن بھی لڑ رہا تھا۔ اسے لڑتا ہوا دیکھ کر تمام عیسائیوں میں جوش و ولولہ بہت زیادہ ہو گیا تھا۔

جنگ نہایت خونریز اور پورے جوش و خروش سے ہو رہی تھی۔ آج محاذِ جنگ ڈیڑھ میل سے بھی زیادہ طویل ہو گیا تھا۔ ایک شخص اپنے متخاصم سے لڑنے میں مشغول تھا۔ ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی۔

تقی الدین اور مسعود نہایت بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ یہ دونوں اس

پھرتی اور چابکدستی سے تلواریں چلا رہے تھے کہ جو اُن کے سامنے آتا تھا۔ اُسی کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ڈال دیتے تھے۔ عیسائی ان دونوں سے ایسے ڈرنے اور گھبرانے لگے تھے کہ ان کی صورتیں دیکھتے ہی کانپ جاتے تھے۔ ان کے سامنے نہ آتے تھے۔ کترا کے اِدھر اُدھر نکل جاتے تھے۔ ان کے ہمراہی بھی جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔

الافضل اور رفیقہ جیسی بھی ایسی جرأت سے جنگ کر رہے تھے کہ عیسائیوں پر اُن کی ہیبت بھی طاری ہو گئی تھی۔ اُن کی شمشیر خارا شگاف نے سینکڑوں عیسائیوں کو کاٹ کر ڈال دیا تھا لیکن سب سے زیادہ جوش، سب سے زیادہ دلیری اور سب سے زیادہ بڑھ بڑھ کر سلطان حملے کر رہا تھا۔ اس نے گوئی ڈی نسگنن کو دیکھ لیا تھا۔ وہ اس کے قریب پہنچ کر اس سے جنگ کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن سلطان اور گوئی ڈی نسگنن کے درمیان ہزاروں عیسائیوں کی صفیں حائل تھیں جو قدم قدم پر سلطان کو روک رہے تھے۔ لیکن شیر دل سلطان ان کے روکے نہ رکتا تھا وہ ہر اُس عیسائی کو جو اُس کے سامنے آ جاتا تھا۔ ایک ہی وار میں قتل کر دیتا تھا لیکن پہلے کے قتل ہوتے ہی دوسرا آ موجود ہوتا تھا اور سلطان اس کے قتل کرنے میں مصروف ہو جاتا تھا۔ اب تک تنہا سلطان نے ۲۵ عیسائیوں کو قتل کر دیا تھا لیکن اتنے آدمی قتل کرنے پر بھی وہ پانچ قدم بھی نہ بڑھ سکا تھا۔

اب تقی الدین اور مسعود ایک جگہ کھڑے ہو کر کچھ سرگوشی کرنے لگے تھے تھوڑی ہی دیر میں تقی الدین نے بڑھ کر عیسائیوں پر حملہ کیا۔ اس کے ہمراہیوں نے بھی اس کے ساتھ ہی حملہ کیا۔ سخت خونریز جنگ شروع ہو گئی۔ کامل آدھ گھنٹہ تک تقی الدین اور اس کے ہمراہی نہایت سرفروشی سے لڑتے رہے وہ اس لیے بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے کہ کس طرح عیسائی لشکر کی صفیں توڑ دیں

لیکن عیسائی بھی کمال جوش اور دلیری سے جنگ میں مصروف تھے۔ انہوں نے تقی الدین کو صفیں توڑنے کا موقعہ ہی نہ دیا۔ اُن کی صفیں سنگی چٹانوں کی طرح تھیں جو ٹوٹنے کا نام ہی نہ لیتی تھیں۔ اور ٹوٹتی بھی کس طرح جبکہ پہلی صفوں کے سواروں کے مرتے ہی پچھلی صف میں سے تازہ دم سوار فوراً آ کر صفوں کو پورا کر دیتے تھے۔

اب آفتاب نصف النہار کے قریب پہنچ گیا تھا۔ دھوپ میں اس قدر حرارت اور تپش پیدا ہو گئی تھی کہ ہر شخص کو گرمی ناگوار گزرنے لگی تھی۔ زرہ بکتر اور آلات حرب ایسے جلنے لگے تھے جیسے ابھی انہیں آگ کی بھٹیوں میں سے نکالا ہو لیکن دلیران صف شکن اس گرمی اور اس حدت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے برابر جدال و قتال میں مصروف تھے۔

تقی الدین جو کسی قدر عیسائیوں کو دیکھتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا۔ عیسائیوں کے ریلے سے پیچھے ہٹا۔ اس نے نظریں اٹھا کر ادھر اُدھر دیکھا وہ مسعود کو تلاش کر رہا تھا۔ لیکن مسعود کا کہیں پتہ نہیں تھا نہ اس کا کوئی ہمراہی نظر آتا تھا۔

تقی الدین نے پورے جوش کے ساتھ حملہ کیا۔ عیسائی دلیروں نے اس کے حملہ کو روک کر اس پر اس شدت سے یورش کی کہ تقی الدین اور اس کے ہمراہیوں کو کئی قدم پیچھے ہٹا دیا۔

تقی الدین کو طیش آیا۔ اس نے سنبھل کر پھر حملہ کیا۔ وہ تنہا مارتا کاٹتا دو قدم بڑھ گیا لیکن عیسائیوں نے اس پر نرغہ کر کے آگے سے واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا اس نے اپنے ہمراہیوں کو للکارا مسلمانوں نے حملہ کیا۔ عیسائیوں نے پوری قوت سے مدافعت کر کے خود ایک زبردست حملہ کر دیا مسلمانوں نے اس حملہ کی مدافعت کرنی چاہی لیکن وہ نہ کر سکے اور عیسائیوں کے ریلے سے پندرہ بیس

قدم پیچھے ہٹتے چلے گئے۔

مسلمانوں کے میمنہ کے اس قدر پیچھے ہٹ جانے سے عیسائیوں کے دل بڑھ گئے۔ انہوں نے متفق ہو کر ایک اور حملہ کیا۔ اب مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے وہ بے تحاشا بھاگ کھڑے ہوئے۔ اوّل تو تقی الدین نے زور لگایا۔ ہمت کی میدان میں جما رہا لیکن جب تمام سوار اُسے تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے تو اُسے بھی مجبوراً بھاگنا پڑا۔ ان لوگوں کے بھاگتے ہی عیسائیوں نے اُن کا تعاقب کیا۔ عیسائی لشکر کے ایک حصہ نے میمنہ کے مسلمانوں کو اس قدر دھکیلا کہ وہ اپنے خیموں سے جا ملے۔

میمنہ کے مسلمانوں کی شکست نے عیسائیوں کے دل بڑھا دیئے۔ انہوں نے میسرہ اور قلب پر بھی اپنی پوری قوت سے حملہ کر دیا۔ جنگ نہایت شدومد سے شروع ہو گئی۔ سرفروشوں کے سر جلد جلد کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ اگرچہ اور کسی طرف سے مسلمان ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹے۔ مگر صورت حال نوع دگر ہو گئی تھی۔ بظاہر یہی نظر آتا تھا کہ مسلمان عنقریب شکست کھا کر بھاگنے والے ہیں۔

گوئی۔ ریجنالڈ، ملک جیفری، ریمنڈ اور دوسرے لوگ نہایت جوش اور بڑی دلیری سے جنگ لڑ رہے تھے۔ اُن سب کے حوصلے بڑھ گئے تھے گوئی نے بلند آواز سے کہا۔ "عیسائی دلیرو! مسلمانوں کے میمنہ کو شکست ہو گئی۔ ہمت کرو۔ قلب اور میسرہ کے مسلمان بھی شکست کھا کر بھاگنے والے ہیں"۔

اس آواز نے عیسائیوں میں تازہ روح پھونک دی۔ وہ انتہائی جوش و خروش سے جنگ کرنے لگے۔

ریجنالڈ میمنہ کے مسلمانوں کے تعاقب میں بڑھا چلا جا رہا تھا۔ جب وہ مسلمانوں کے خیموں تک پہنچ گیا۔ تو دفعتہً اس نے اپنی پشت کی طرف اللہ اکبر

کے نعرہ کی آواز سُنی۔ اُس نے گھبرا کر پیچھے کی طرف پھر کر دیکھا۔ اُسے اس طرف مسعود اور اس کے ہمراہی حملہ کرتے ہوئے نظر آئے۔ وہ ابھی یہ دیکھنا اور سمجھنا چاہتا تھا کہ مسعود کہاں سے پیدا ہو گیا کہ سامنے سے تقی الدین نے سنبھل کر جان توڑ حملہ کر دیا۔ ریجنالڈ اور وہ تمام سپاہی جو اس کے جلو میں تعاقب کرتے چلے آئے تھے۔ گھبرا گئے۔ وہ سراسیمہ اور ہکا بکا ہو کر دیکھنے لگے۔ ابھی وہ ہوشیار بھی نہ ہوئے تھے کہ ایک طرف تقی الدین نے اور دوسری طرف مسعود نے حملے کر کرکے سینکڑوں عیسائیوں کو کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ کاٹ کر ڈال دیا۔

ریجنالڈ نے کہا۔ "ہمیں دھوکا دیا گیا۔ ہم فریب کھا گئے۔ مسلمانوں نے ہمیں دھوکا دینے کے لیے شکست کھائی تھی۔ انہوں نے ایک دستہ فوج کا پہلے ہی سے گاڑے میں چھپا دیا تھا۔ سامنے بڑھنا فضول ہے۔ اس طرف زیادہ مسلمان ہیں پیچھے لوٹو"۔

تمام عیسائی لوٹ پڑے۔ ریجنالڈ سے یہ زبردست غلطی ہوئی۔ اُسے ایک دستہ فوج تقی الدین کے مقابلہ میں چھوڑ کر واپس لوٹنا چاہیئے تھا۔ اس طرح وہ بہت سے عیسائیوں کو بچا لیتا۔ لیکن اس نے غلطی سے سب کو واپسی کا حکم دیدیا عیسائیوں کے واپس لوٹتے ہی تقی الدین اور اس کے لشکر نے عیسائیوں پر حملہ کر کے جلد جلد انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔

مسعود عام عیسائیوں کو قتل کرتا کرتا ریجنالڈ تک پہنچ گیا۔ اس نے دُور سے اس کی شکل دیکھی تھی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ کوئی بڑا افسر یا بادشاہ ہے اس لئے وہ کوشش کر کے اس تک پہنچا۔ اب جب اُس نے اُسے قریب سے دیکھا تو فوراً شناخت کر لیا۔ اس نے کہا "کون ہے۔ وہ بدمعاش ریجنالڈ"

ریجنالڈ اُسے شناخت نہیں کرسکا۔ لیکن مسعود نے لنگوافرینکا[1] زبان میں گفتگو کی تھی۔ اس لیے وہ سمجھ گیا۔ اس نے دریافت کیا "کمسن اور نوجوان! تم کون ہو؟"

مسعود نے فوراً جواب دیا "میں اشرف کا دوست مسعود ہوں۔ خدا نے آج تجھے میرے سامنے پہنچا دیا ہے۔ اب میں تجھ سے اپنے دوست کا انتقام لوں گا۔"

یہ کہتے ہی مسعود نے اس پر حملہ کیا۔ ریجنالڈ سمجھتا تھا کہ مسعود نوجوان ہے۔ ناتجربہ کار ہے لیکن جب اس نے اُسے حملہ کرتے ہوئے دیکھا تو اس کی تجربہ کاری اور شجاعت دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ فوراً اس نے مسعود کا حملہ رد کر کے خود بھی حملہ کیا۔ مسعود نے بڑی ہوشیاری سے اس کا حملہ روکا۔ اب دونوں میں جنگ شروع ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے لیے صرف اتنے ٹکڑے میں جتنے میں ریجنالڈ اور مسعود لڑ رہے تھے، جنگ موقوف ہو گئی۔ دونوں طرف کے سپاہی ان دونوں کی جنگ دیکھنے لگے۔ یہ دونوں دلیر تجربہ کار اور چست و چالاک تھے۔ دیر تک جنگ کرتے رہے۔ آخر مسعود نے اللہ اکبر کہہ کر ریجنالڈ کے خود پر تلوار ماری۔ تلوار خود کو کاٹتی ہوئی ایک انچ کے قریب اس کے سر میں اتر گئی۔ ریجنالڈ کے سر سے خون جاری ہو گیا۔ اب اس نے ایک منٹ ضائع نہیں کیا۔ وہ گھوڑے کے مہمیز لگا کر بھاگا۔ مسعود

---

[1] جس طرح ہندوستان میں اردو چند زبانوں سے مل کر بنی ہے اسی طرح ملک شام میں مغربی اور ایشیائی زبانوں سے مل کر ایک مشترکہ زبان بن گئی تھی۔ جسے لنگوافرینکا کہتے تھے۔ اس نئی زبان سے عیسائی اور مسلمان بخوبی واقف تھے۔
(صادق صدیقی)

نے اس کا تعاقب کیا لیکن افسوس اس کا گھوڑا بہت تھکا ہوا تھا۔ وہ ریجنالڈ تک نہ پہنچ سکا۔ مسعود نے بلند آواز سے کہا "بزدل بھاگا۔ عورتوں کی طرح جان بچا کر بھاگا جاتا ہے۔ آئندہ جب میں اور تو ملیں گے تو وہ میرا یا تیرا آخری دن ہو گا۔"

ریجنالڈ بھاگ کر اپنی جان بچا کر لے گیا۔ اس کے بھاگنے سے عیسائیوں میں گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ وہ بھی بھاگ پڑے۔ مسلمانوں نے اُن کا تعاقب کیا۔ انہوں نے سینکڑوں بھاگتے ہوئے عیسائیوں کو مار مار کر گھوڑوں سے گرا دیا۔

اس وقت الافضل اور سلطان نے اللہ اکبر کا غلغلہ انداز لگا کر نہایت شدت سے حملہ کیا۔ عیسائیوں نے ریجنالڈ اور اس کے ہمراہیوں کو بھاگ کر آتے ہوئے دیکھا تھا وہ سمجھے شکست ہو گئی وہ گھبرانے لگے۔ ادھر سلطان نے سختی سے حملہ کر دیا۔ وہ ایسے خوفزدہ ہوئے کہ بے تحاشا بھاگنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پانسہ جنگ پلٹ گیا۔ عیسائیوں کی فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔ لشکر کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر ریمنڈ۔ بالیان، ملک جیفری حتیٰ کہ خود گوئی بھی بھاگ پڑے۔ مسلمانوں نے ان بھگوڑوں کا تعاقب کیا لیکن سلطان نے تعاقب کی اجازت نہ دی۔ سلطان کو خیال ہوا کہ جس طرح تقی الدین اور مسعود نے شکست کھا کر عیسائیوں کو دھوکا دیدیا تھا کہیں اسی طرح عیسائی مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہوں لیکن عیسائی دراصل شکست کھا چکے تھے۔ وہ اپنے کیمپ میں نہیں گئے بلکہ سیدھے حطین کی طرف ہو لیے۔ یہ کیفیت دیکھ کر مسلمانوں نے عیسائی کیمپ پر تاخت کر کے اُسے لوٹ لیا۔ سلطان نے گھوڑے کے زین پر سجدۂ شکر ادا کیا۔ عیسائیوں کے ملک میں داخل ہو کر سلطان کو تیسری فتح حاصل ہوئی۔

۹

عظیم الشّان فتح

لوبیا کے میدان میں عیسائیوں کو شکست ضرور ہوئی تھی لیکن یہ شکست کامل شکست نہیں کہی جا سکتی تھی کیونکہ دو روز کی جنگ میں نصاریٰ کے سوا ۱۶ ستر ۱۷ ہزار سپاہی نظر اجل ہو گئے تھے۔ اب بھی ان کی تعداد اسی ہزار سے زیادہ تھی۔

مسلمانوں کے پانچ سو آدمی شہید ہوئے تھے ان کی تعداد تیرہ ساڑھے تیرہ ہزار سی تھی۔ گویا اب بھی عیسائی مسلمانوں سے چھ گنا زیادہ تھے۔ اس لیے اس شکست کو کامل شکست سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں یہ شکست اتفاقیہ تھی۔ یحیٰبالد مسعود کے سامنے اپنی جان بچا کر بھاگا۔ اس کے ہمراہی جن کو تقی الدین اور مسعود کے سپاہیوں نے دو طرف سے گھیر لیا تھا۔ سر پر پیر رکھ کر بھاگے اُن کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر تمام عیسائی لشکر سراسیمہ ہو گیا۔ ہر سپاہی نے یہ سمجھ لیا کہ شکست ہو گئی۔ چنانچہ تمام عیسائی ایک دم بھاگ کھڑے ہوئے۔ سپاہیوں کے افسروں۔ سپہ سالاروں اور اُن کے بادشاہوں نے سپاہیوں کے روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ بلکہ خود بھی اُن کے ساتھ بھاگ پڑے۔ نتیجہ خراب نکلا۔ انہیں عارضی شکست ہو گئی۔ وہ حطین کی طرف بدحواس ہو کر بھاگے۔

رو رہے تھے۔ بعض انہیں تسلی دے رہے تھے۔

پادری لوگ چشمہ کے کنارے پر درختوں کے سایہ میں بیٹھے یا پڑے ہوئے عیسائیوں کی بُزدلی پر افسوس کر رہے تھے۔ اور مسلمانوں کو بُرا بھلا کہہ کہہ کر کوس رہے تھے۔

اب آفتاب ڈھل چکا تھا۔ دھوپ کی حرارت کم ہونی شروع ہو گئی چونکہ آج کسی قدر ہوا اس وقت چلنے لگی تھی۔ اس لیے عیسائی دلیروں کو فرحت بخش لطف آ رہا تھا۔ یہ لوگ بے خوفی اور اطمینان سے بیٹھے ہوئے تھے کہ دفعۃً انہوں نے اللہ اکبر کے کوہ شکن نعرہ کی آواز سُنی۔ تمام عیسائی اس آواز کو سُن کر خوفزدہ ہو گئے۔ انہوں نے گھبرا گھبرا کر لوبیا کی طرف نظریں اُٹھائیں تمام افسر اور سارے بادشاہ خیموں سے باہر نکل آئے انہوں نے بھی لوبیا کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ پادری لوگ بھی گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے بھی لوبیا کی طرف ٹکٹکی لگائی۔ انہیں دُور پر اسلامی پرچم ہوا میں لہراتا ہوا نظر آیا۔ اس پرچم کے نیچے بہت تھوڑا اسلامی لشکر تھا۔ ایک پادری نے کہا "بیدین کافر کس قدر دلیر ہو گئے ہیں" کسی نے چلا کر کہا "فوراً تمام لشکر مسلح ہو جائے۔"

تمام لشکر جلد جلد مسلح ہونے لگا۔ عیسائی دلیروں نے زرہ بکتر پہن کر صف بندی کر لی۔

اسلامی لشکر آہستہ آہستہ نہایت شان اور رعب و داب کے ساتھ بڑھا چلا آ رہا تھا۔ اس لشکر کا سردار مسعُود تھا مسعُود نے غلطی کی۔ اس نے بہادری کے زعم میں عیسائیوں کو ہوشیار کرنے کے لیے دُور ہی سے اللہ اکبر کا نعرہ لگا دیا۔ اگر وہ چُپ چاپ آتا تو عیسائیوں کو مسلح ہونے کا موقع نہ ملتا۔ اور وہ مسلح ہو کر صف بستہ ہونے سے پہلے ہی اُن کی بڑی تعداد کو قتل کر ڈالتا۔

لیکن سچ یہ ہے کہ مسلمان عیسائیوں کی کوئی ہستی ہی نہ سمجھتے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ ہر ظالم بزدل ہوتا ہے۔ جو شخص نہتوں پر تلواریں چلاتا ہے۔ وہ دون ہمت ہو جاتا ہے۔ چونکہ عیسائی عام طور پر ظلم و ستم کرنے کے عادی تھے اس لیے ان کی نظروں میں وہ بزدل تھے۔ اسی لیے مسلمانوں کی خواہش ہوتی تھی۔ کہ انہیں آگاہ اور ہوشیار کر کے مقابلہ میں آنے کی دعوت دے کر سرمیدان مردانہ وار جنگ کی جائے۔ اسی وجہ سے مسعود نے نصرانیوں کو ہوشیار کرنے کے لیے دُور ہی سے نعرہ لگایا تھا۔

مسعود نے اس میدان میں داخل ہوتے ہی اپنے لشکر کو صف بستہ کیا۔ اس کے ساتھ کل دو ہزار آدمی تھے۔ عیسائی اسّی ہزار تھے۔ لیکن مسعود یا اس کے ہمراہیوں کو اُن کی کثرت کا مطلق خیال نہ تھا۔ صف بستہ ہوتے ہی مسلمانوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر عیسائیوں پر حملہ کر دیا۔

عیسائی پہلے ہی سے تیار تھے۔ وہ مُسلمانوں کو کمتر دیکھ کر بہت زیادہ دلیر ہو گئے تھے۔ انہوں نے ان مٹھی بھر مسلمانوں سے اپنی شکست کی ندامت کا انتقام لینے کے لیے پر زور حملہ کر دیا۔ تلواریں بلند ہو ہو کر بہادروں کے سروں کا فیصلہ کرنے لگی تھیں۔ خُون کی چھینٹیں اُڑنے لگی تھیں۔ سر اور دھڑ کٹ کٹ کر گرنے لگے تھے۔ مسلمان اس قدر کم تھے کہ عیسائیوں سے ان کی کوئی نسبت ہی نہ کہی جا سکتی تھی۔ نصرانیوں نے چاروں طرف سے انہیں زغہ میں لے لیا تھا۔ مسلمانوں نے بھی ایک گول دائرہ بنا لیا تھا۔ اُن کی پشتیں دائرہ کے اندر کی طرف تھیں۔ مُنہ عیسائیوں کی طرف تھے۔ اس طرح انہیں پشت کی طرف سے حملہ کا اندیشہ نہ رہا تھا۔ انہوں نے عدیم النظیر جرأت و شجاعت دلیری اور بہادری سے نہایت استقلال اور بے خوفی کے ساتھ جنگ شروع کر دی۔

عیسائی جوش و غضب اور طیش و غصہ میں بھر بھر کر حملے کر رہے تھے۔ وہ اُن کا حصار توڑنا چاہتے تھے۔ لیکن ہزاروں کوششیں کرنے پر بھی حصار نہ ٹوٹتا تھا۔ اُنہیں سخت غصہ آ رہا تھا کہ انگلیوں پر گنے جانے والے مسلمان کس قدر بہادر ہیں جو کٹے مرنے ہی میں نہیں آتے۔ چند عیسائیوں کی زبان سے بے اختیار نکل گیا کہ مسلمان انسان نہیں جن ہیں۔ انسان اس استقلال یا مردمی اور دلیری سے جنگ نہیں کر سکتے۔ نہ انہیں کسی قسم کا ہراس ہے نہ کوئی خوف۔

مسلمان واقعی اس دلیری سے لڑ رہے تھے کہ حیرت ہوتی تھی۔ اُن کی تلواریں نہایت چابکدستی سے چل رہی تھیں۔ جو اجل رسیدہ نصرانی ان کی تلواروں کی زد میں آ جاتا تھا۔ ہزار طرح اپنی حفاظت کرتے پر بھی قتل ہی ہو جاتا تھا ——

مسعود کی تلوار گویا قضا کا فرشتہ تھی۔ وہ جس کو چھو بھی جاتی تھی وہی کشتہ ہو کر گھوڑے سے نیچے آ پڑتا تھا۔ نصرانی اس کے سامنے جاتے گھبرانے لگے تھے۔ وہ دُور کھڑے ہوتے اسے غصہ اور کینہ کی نظروں سے دیکھنے لگے تھے۔

ریجنالڈ دُور کھڑا ہوا تھا۔ اس کی پیشانی پر شکن بندھی ہوئی تھی۔ دُور ہی سے وہ عیسائیوں کو للکار للکار کر بڑھا رہا تھا۔

مسعود نے اسے دیکھ لیا۔ اُسے دیکھتے ہی اُس کی جوشیلی طبیعت قابو سے باہر ہو گئی۔ وہ بھی جانتا تھا کہ اشرف کو اسیر کرنے والا۔ اُس کے دوست کو اُس سے چھڑانے والا ریجنالڈ آف چٹیلان ہی ہے۔ ایک مرتبہ وہ اس کے مقابلہ میں آیا تھا۔ اور زخمی ہو کر بھاگ گیا تھا۔ اس نے ریجنالڈ سے کہہ دیا تھا کہ آئندہ جب کبھی وہ دونوں ملیں گے تو وہ دن اُن دونوں میں سے

ایک کی زندگی کا آخری دن ہوگا۔ اب جو اُس نے ریجنالڈ کو دیکھا تو جوش و غصہ سے اُس کی طبیعت بے قابو ہو گئی۔ اس نے گھوڑے کو بڑھایا۔ عیسائی سواروں نے اُسے روکنا چاہا۔ لیکن مسعود کی بے پناہ تلوار نے سدِ راہ ہونے والوں کو کاٹ کاٹ کر ڈالنا شروع کر دیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر عیسائی پیچھے ہٹ گئے۔ اِدھر اُدھر کترا گئے۔ وہ بڑھ کر ریجنالڈ کے قریب پہنچا اس نے لنگوا فرینکا زبان میں کہا۔ "ہیر تم قاتل! ہم دونوں پھر مل گئے ہیں"۔

ریجنالڈ نے اُسے دیکھا۔ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ وہ خوفزدہ ہو گیا لیکن یہ خوف فوری تھا۔ فوراً ہی جاتا بھی رہا۔ اس نے ایسی آواز سے جسے وہ بلند کرنا چاہتا تھا لیکن پست ہوتی جاتی تھی کہا۔ "اور آج ہی ہم دونوں میں سے ایک کی زندگی کا آخری دن ہے"۔

مسعود نے تلوار بلند کرتے ہوئے کہا ہاں میں نے یہی کہا تھا۔ سنبھل جاؤ۔ آج تمام مظلوم مسلمانوں کا تم سے انتقام لیا جائے گا"۔

ریجنالڈ نے کھسیانی ہنسی سے کہا۔ تم انتقام لوگے۔ اپنی خیر مناؤ۔

اس نے بھی فوراً تلوار نکال لی۔ دونوں نے جنگ شروع کر دی۔ عیسائیوں نے پیچھے دب کر اتنی جگہ چھوڑ دی جس سے دونوں دلیروں کو گھوڑوں کو کاوہ دینے میں آسانی ہو۔

دونوں بہادر تھے۔ دلیر تھے۔ فنونِ جنگ سے ماہر تھے نہایت ہوشیاری سے جنگ کر رہے تھے۔

مسعود نے یہ معمولی دلیری نہ کی تھی کہ وہ مسلمانوں سے الگ ہو کر ہزاروں عیسائیوں کے بیچ میں سے گذر کر تنہا ریجنالڈ کے مقابلہ میں جا پہنچا تھا۔ بات یہ ہے کہ وہ اشرف کا دوست تھا۔ اشرف کو اس کے سامنے ریجنالڈ نے قید کر لیا تھا وہ اپنے دوست کے لیے بے چین تھا۔ اس کا انتقام لینے کے لیے اپنی جان دینے

اور ریجنالڈ کی جان لینے پر ہر وقت کمربستہ رہتا تھا۔

فی زمانہ دیکھا جاتا ہے کہ لوگوں نے دوستی کو مذاق بنالیا ہے۔ دوست کہتے ہیں۔ بنجاتے ہیں لیکن اس دوستی میں ان کی کوئی نہ کوئی غرض پنہاں ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے عرصے تک دوستانہ تعلقات قائم نہیں رہتے۔ دوست وہ ہے جو دوست کے لیے اپنا سب کچھ نثار کر دے ۔ ۔

اب شناسائی بھی فسانہ ہے — خود غرض مطلبی زمانہ ہے۔
بےغرض دوستی کبھی ہو گی — اب تو مطلب کا دوستانہ ہے

مسعود خود غرض دوستوں میں نہ تھا۔ وہ اشرف کا مخلص دوست تھا۔ ہر وقت اس کے لیے بےچین رہتا تھا۔ اس کی سلامتی کی دعائیں مانگا کرتا تھا۔ اس نے آج تک جس قدر لڑائیاں لڑیں۔ ان لڑائیوں میں جتنا جرأت و دلیری کا اظہار کیا۔ سب جذبۂ دوستی کا رہین منت تھا۔ اب بھی یکہ و تنہا ہزاروں دشمنوں کے غول میں بےخوفی اور جرأت سے اس جذبۂ دوستی ہی کی بدولت ریجنالڈ سے ہم نبرد ہو رہا تھا۔

اوّل اوّل تو ریجنالڈ نہایت جرأت و جوش سے جنگ کرتا رہا۔ لیکن اُس میں وہ جذبہ نہ تھا۔ جو مسعود میں تھا۔ اس لیے جلد ہی تھک گیا۔ اس کے اعضاء جواب دینے لگے۔ وار اوچھے پڑنے لگے۔

مسعود اگرچہ دیر سے جنگ میں مشغول تھا۔ اس نے بہت سے عیسائیوں کو مار ڈالا تھا۔ اب ریجنالڈ کا مقابلہ کر رہا تھا۔ لیکن ابھی اس کے قویٰ نے جواب نہ دیا تھا۔ وہ برابر جوش میں آ آکر حملے کر رہا تھا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ ریجنالڈ بچنے لگا ہے۔ اُسے اندیشہ ہوا کہیں وہ پھر پہلے کی طرح اس کے سامنے سے بھاگ نہ جائے۔ اس لیے اس نے لڑتے لڑتے ہی کمند نکالی۔ اور موقع دیکھ کر ریجنالڈ پر پھینکی۔

کمند ریجنالڈ کی گردن میں جا پھنسی۔ مسعود نے جھٹکا دیا۔ ریجنالڈ گھوڑے پر قائم نہ رہ سکا۔ وہ گرا۔ مسعود نے اسے لٹکا لیا۔

یہ کمند مضبوط ریشم کی تھی اگرچہ باریک تھی۔ لیکن دس من پختہ وزن اُٹھا سکتی تھی۔ ریجنالڈ کے بوجھ سے اس کے ٹوٹنے کا احتمال نہ تھا۔

جبکہ مسعود ریجنالڈ کو قابو میں کرنے کی فکر کر رہا تھا۔ عیسائیوں نے یہ دیکھ کر کہ اُن کا ایک بادشاہ گرفتار ہوا جاتا ہے۔ چاروں طرف سے مسعود پر حملہ کر دیا۔

مسعود نہ گھبرایا نہ سراسیمہ ہوا۔ نہ اُس نے اپنے اوسان کھوئے۔ بلکہ نہایت استقلال اور جرأت سے ایک ہاتھ سے اُس کمند کو پکڑے رہا جس میں ریجنالڈ لٹک رہا تھا۔ اور دوسرے ہاتھ سے تلوار نکال کر عیسائیوں پر ٹوٹ پڑا۔ اس نے سنبھل کر اللہ اکبر کا بڑے زور سے نعرہ لگایا۔ اس نعرہ کی آواز اُن مسلمانوں نے سُنی جو اس سے فاصلہ پر عیسائیوں سے جنگ کر رہے تھے۔ وہ بےچین ہو گئے انہوں نے سمجھ لیا کہ اس وقت مسعود کو مدد کی ضرورت ہے۔ انہوں نے اپنا حصار توڑ دیا اور مردانہ وار حملے کرتے ہوئے مسعود کی طرف بڑھے۔

عیسائیوں نے انہیں روکا۔ انسانوں کی دیوار اُن کے اور مسعود کے درمیان حائل تھی۔ لیکن مسلمانوں نے اس زور سے ریلا دیا کہ دیوار ٹوٹ گئی۔ سیکڑوں عیسائی مارے گئے۔ اور وہ مسعود تک پہنچ گئے۔

مسعود نہایت جوش و جرأت سے لڑ رہا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں کمند اور دوسرے میں تلوار تھی۔ عیسائی ریجنالڈ کو چھڑانے کے لیے کمند کاٹنا چاہتے تھے۔ بچا رہا تھا۔ چونکہ ریجنالڈ کی گردن پھنسی ہوئی تھی۔ وہ اب تک برابر لٹک رہا تھا۔ اس لیے اس پر غشی طاری ہو گئی تھی۔ اُس کی پیشانی کا زخم کھل گیا تھا۔ اس زخم سے خون بہنے لگا تھا۔

مسلمانوں نے مسعود کے پاس پہنچتے ہی اس کے گرد حلقہ قائم کر لیا۔ اب
اُسے قدرے اطمینان ہوا۔ وہ اپنے گھوڑے سے اُترا۔ اس نے ریجنالڈ کو کمند
میں مضبوط جکڑ کر زمین پر ڈال دیا۔ اور جلدی سے گھوڑے پر سوار ہو کر پھر جنگ
میں مشغول ہو گیا۔

اب آفتاب دو ثلث منزل طے کر گیا تھا اگرچہ دھوپ کی حرارت کم ہو گئی
تھی۔ عیسائی نہایت جوش و غضب سے بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ چونکہ دو
ہزار مسلمانوں کو اسی ہزار عیسائیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے کئی گھنٹے ہو گئے تھے۔ انہوں
نے سینکڑوں عیسائیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اس لیے اب ان کے
بازو شل ہو گئے تھے۔ ان میں مزید جنگ کرنے کی طاقت نہ رہی تھی۔ وہ لیبیا
کی طرف امدادی لشکر کی آمد کا نشان دیکھنے لگے تھے۔

عیسائیوں نے اُن کی شکستگی کے آثار دیکھ لیے تھے۔ وہ دلیر ہو گئے۔
انہوں نے نہایت جوش سے شکستہ مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اب مسلمانوں میں حملہ
کے مدافعت کی طاقت بھی باقی نہ رہی تھی۔ مسعود نے اُن کی یہ کیفیت دیکھ کر کہا: "
مسلم دلیرو! بہشت آراستہ کر دی گئی ہے۔ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔ ہماری سب سے
بڑی آرزو خدا کا قرب اور بہشت حاصل کرنا ہے۔ شہادت ہی سے ہمیں یہ
دونوں چیزیں مل سکتی ہیں۔ بڑھو۔ حملہ کرو۔ اور شہید ہو جاؤ۔"

مسعود کی اس مختصر تقریر نے مسلمانوں میں تازہ روح پھونک دی۔ اُن
میں جوش پیدا ہوا۔ وہ شیروں کی طرح عیسائیوں پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے
سینکڑوں کو مار کر ڈال دیا۔ لیکن یہ جوش زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا۔
بہت جلد سرد پڑ گیا۔ اور اب مسلمان پہلے سے بھی زیادہ مضمحل ہو گئے۔ ان کی
زندگی کی کوئی توقع نہ رہی۔ عیسائیوں نے انہیں نرغہ میں لے لیا۔ مسلمانوں کے
بازو اس قدر شل ہو گئے تھے کہ کوشش کرنے پر بھی تلوار کندھے سے اُوپر

نہ اٹھتی تھی۔ مسعود نے یہ حالت دیکھ کر کہا: "خداوندا! غیب سے ہماری مدد کر۔
ہمیں بھیڑوں کی طرح قتل ہونے سے بچا لے۔"

ابھی مسعود کی دُعا کے الفاظ فضا میں گونج رہے تھے کہ میدانِ جنگ کے کنارہ
سے اللہ اکبر کے غلغلہ انداز نعرہ کی آواز آئی۔ عیسائی اور مسلمان دونوں نے اس
آواز کو سنا۔ عیسائی گھبرا گئے۔ مسلمان خوش ہو گئے۔ انہوں نے بھی جوابی
نعرہ لگایا۔ مسعود نے گھوڑے پر اُونچا ہو کر دیکھا۔ اُسے اسلامی علم لہراتا ہوا
اور اس علم کے نیچے شاہزادہ الافضل آتا ہوا نظر آیا۔ مسعود نے بلند آواز سے "مسلمانو!
غیب سے امداد آگئی۔ شاہزادہ الافضل آ پہنچے۔"

جس طرح سوکھی ہوئی کھیتی بارش ہونے سے تر و تازہ ہو جاتی ہے۔
اسی طرح مسلمان شاہزادہ کی آمد سے تازہ دم ہو گئے۔ یا تو اُن کے بازو کام نہ
دیتے تھے۔ یا اب ان میں اس قدر طاقت آگئی تھی کہ وہ پھر جنگ کرنے کے
لیے آمادہ ہو گئے۔ انہوں نے نعرہ لگاتے ہی نہایت جوش سے عیسائیوں
پر حملہ کر دیا۔

عیسائی جو انہیں قتل کرنے کے لیے بڑھے چلے آ رہے تھے اور جو یہ
سمجھے ہوئے تھے کہ مسلمانوں میں لڑنے کی طاقت نہیں رہی ہے۔ انہیں حملہ
کرتے ہوئے دیکھ کر گھبرا گئے۔ وہ پیچھے ہٹے۔ مسلمانوں نے بڑھ کر دوسرا حملہ اور
کیا۔ لیکن اُن کے حواس گم اور چہرے خوف و دہشت سے زرد ہو رہے تھے۔

شہزادہ الافضل نے ایک لمحہ توقف نہیں کیا۔ اس نے آتے ہی نہایت
سختی سے حملہ کر دیا۔ اب عیسائیوں کی توجہ بٹ گئی تھی۔ اُن کی زیادہ تعداد الافضل اور
اس کے تازہ دم مسلمانوں کے مقابلہ میں آگئی۔ مگر الافضل کے ساتھ بھی صرف دو ہزار
ہی مسلمان تھے۔ اس لیے عیسائیوں میں عام تذبذب پیدا نہیں ہوا۔

الافضل کے مقابلہ کے لیے گوئی کا بھائی جیفری بڑھا۔ اس نے آتے ہی الافضل

پر حملہ کر دیا۔ الافضل نے اس کی کلغی سے پہچان لیا کہ وہ کوئی بادشاہ ہے۔ وہ جھٹ اُسکی طرف متوجہ ہوگیا۔ دونوں نہایت جوش اور پوری دلیری سے جنگ کرنے لگے۔ ملک جیفری تجربہ کار، جہاندیدہ اور بڑے ڈیل ڈول کا تھا۔ شہزادہ الافضل کمسن اور نحیف الجثہ تھا۔ اوّل اوّل ملک جیفری نے سمجھا تھا کہ وہ الافضل کو جلد ہی زیر کرے گا۔ لیکن جب اس نے شہزادہ کی چستی اور فنونِ جنگ سے واقفیت دیکھی تو وہ حیران ہوا۔ اور افسوس کرنے لگا کہ کیوں وہ اُسے حقیر سمجھ کر اس پر حملہ آور ہوا۔

شہزادے نے بڑھ کر شمشیر خارا شگاف کا پورا ہاتھ مارا۔ تلوار اُس کا خود کاٹتی ہوئی اس کی پیشانی کی طرف بڑھی۔ ملک جیفری نے جلدی سے سر نیچے کر لیا۔ تلوار گھوڑے کی گردن پر پڑی۔ گھوڑے کی آدھی گردن کٹ گئی۔ گھوڑا الف ہو کر گرا۔ ساتھ ہی ملک جیفری بھی نیچے آ رہا۔ اس کے نیچے گرتے ہی مسلمانوں نے اُسے نرغہ میں لے لیا۔ دو مسلمان جلدی سے گھوڑوں سے کودے اور قبل اس کے کہ جیفری اپنے آپ کو گھوڑے کے نیچے سے نکالے۔ اُن دونوں مسلمانوں نے اُسے اپنے قبضہ میں کر کے کمند میں جکڑ لیا۔

عیسائی جیفری کو گرفتار دیکھ کر بھپر گئے۔ اُن کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ انہوں نے نہایت جوش و غضب میں آ کر حملہ کیا۔ مسلمان اس حملہ کی تاب نہ لا کر پسپا ہوئے۔ الافضل نے مسلمانوں کو للکارا۔ مسلمان رُکے وہ جم کر مقابلہ کرنے لگے۔ لیکن عیسائیوں کی تعداد اس قدر کثیر تھی کہ اگر وہ مسلمانوں پر اینٹ اور پتھر بھی پھینکتے تو شاید مسلمان دب کر رہ جاتے۔ لیکن آفرین ہے مسلمانوں کو انہیں اُن کی کثیر جمعیت کا مطلق بھی اندیشہ نہ تھا۔

مسعود اور اس کے ہمراہی برابر ابھی تک جنگ کر رہے تھے۔ انہیں خیال تھا کہ شہزادہ الافضل اُن کی مدد کرے گا۔ لیکن عیسائیوں کی کثیر تعداد نے

انہیں دوسری طرف متوجہ کر کے جنگ شروع کر دی۔ اس لیے اِن تھکے ہوئے مسلمانوں کو کوئی مدد نہ پہنچ سکی۔

یہ دیکھ کر مسعود کے ہمراہیوں کے دل ڈوبنے لگے۔ مسعود نے بلند آواز سے کہا۔ "مسلم شیرو! نا امید نہ ہو۔ جرأت کرو۔ تم اُن کی اولاد ہو جو ساٹھ ساٹھ آدمی ساٹھ ساٹھ ہزار سے لڑتے رہے ہیں۔ کیوں گھبراتے ہو۔ تم نے دشمن کے ایک خود سر، مغرور اور ظالم بادشاہ کو گرفتار کر لیا ہے۔ اگر ہمت کی تو اُن کے تمام بادشاہوں کو گرفتار کر لو گے۔"

مسلمانوں میں اس تقریر سے پھر حرارت پیدا ہوئی۔ انہوں نے پھر پرزور حملے شروع کر دیئے۔ دراصل یہ مسلمانوں ہی کی جرأت و ہمت تھی کہ وہ ٹڈی دل عیسائیوں سے لڑ رہے تھے۔

تھوڑی ہی دیر میں مسلمانوں نے پھر اللہ اکبر کے نعرہ کی آواز سنی۔ مسعود نے پھر اپنے گھوڑے پہ اونچا ہو کر دیکھا۔ اُسے دور سے اسلامی پرچم آتا ہوا نظر آیا۔ اس نے پہچان لیا۔ اس علم کے پیچھے شہزادہ العزیز مع مختصر لشکر کے نہایت تیزی سے آ رہا تھا۔ اس نے آتے ہی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اور دشمنوں پر ٹوٹ پڑا۔ عیسائیوں نے اُسے بھی نرغہ میں لے کر چاروں طرف سے تلواریں مارنا شروع کر دیں۔

اگرچہ شہزادہ العزیز بھی نوجوان تھا لیکن اس میں جوش زیادہ تھا۔ اس نے خود گھوڑے کو دوڑا دوڑا کر حملے شروع کر دیئے۔ اس کی یہ کیفیت دیکھ کر اس کے ہمراہیوں میں کمال جوش پیدا ہو گیا۔ وہ بھی پُرزور حملے کرنے لگے۔ نہایت خونریز جنگ شروع ہو گئی۔

تمام سبزہ زار میدان خون کے چھینٹے پڑنے سے لالہ زار ہو گیا۔ کٹے ہوئے ہاتھوں پیروں، سروں اور دھڑوں کے انبار لگ گئے۔ طبل جنگ کی آواز۔ قومی نعروں کی صدا زخمیوں کی چیخ و پکار سے ایسا شور و شغب پیدا ہوا کہ کانوں پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

دار و گیر کی صدا کوسوں تک جا رہی تھی۔

اس وقت تک مسلمانوں کے تین سردار آئے تھے۔ ان کے ہمراہ دو ہزار مجاہدین تھے۔ ان کی تعداد چھ ہزار تک پہنچی تھی۔ لیکن پھر بھی وہ عیسائیوں کے مقابلہ میں آٹے میں نمک کی مثال تھے۔

مسلمان اپنے مقدور بھر لڑ رہے تھے۔ وہ عیسائیوں کو پسپا کرنا چاہتے تھے۔ لیکن عیسائی کٹتے تھے۔ مرتے تھے۔ زخمی ہو کر گھوڑوں سے گرتے تھے۔ لیکن ایک قدم پیچھے نہ ہٹتے تھے۔ بات یہ تھی کہ عیسائیوں کی تعداد اس قدر کثیر تھی کہ انہوں نے سارے میدان کو ڈھک لیا تھا۔ انہیں کسی طرف ہٹنے کو جگہ ہی نہ تھی۔ ان کے دو صورتیں تھیں۔ یا تو دشمنوں کو ماریں یا لڑتے لڑتے مر جائیں۔

مسلمان کچھ ایسے واقع ہوتے تھے۔ کہ باوجود تھک جانے اور کم ہونے کے نہ مرتے تھے۔ نہ زخمی ہوتے تھے اور اگر کوئی مرتا بھی تھا تو دس بیس عیسائیوں کو مار کر۔ اس سے عیسائیوں میں ان کا بہت رعب قائم ہو گیا تھا۔

ابھی جنگ نہایت جوش و خروش سے ہو رہی تھی کہ مسلمانوں نے پھر نعرہ کی آواز سنی۔ اس مرتبہ شہزادہ تقی الدین معہ اپنے جانباز ہمراہیوں کے آیا تھا۔ وہ بھی آتے ہی عیسائیوں پر جھک پڑا تھا۔

اس کی تازہ دم فوج نے عیسائیوں کے لشکر کو کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ کر ڈال دیا۔ نہایت سخت جدال و قتال کیا۔ وہ تیزی سے مارتا کاٹتا الافضل تک پہنچ گیا۔ الافضل نے اُسے دیکھتے ہی کہا۔

"شہزادہ! مسعود کی خبر لو۔ مسعود اور اس کے ہمراہی بری طرح دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں۔"

تقی الدین نے کہا۔ "ہمیں سب کو ایک جگہ جمع ہو جانا چاہیے۔ آؤ میرے ساتھ تم بھی حملہ کرو۔"

الافضل، نہایت مناسب ہے۔

دونوں شہزادوں نے مل کر عیسائیوں پر حملہ کر دیا۔ اُن کے ہمراہی مسلمان نصرانیوں پر اس طرح ٹوٹ پڑے جس طرح دن کا بھوکا شیر شکار پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ مسلمانوں کا یہ حملہ اس قدر سخت تھا کہ نصرانی تاب مقاومت نہ لا سکے وہ راہ فرار کر گئے۔ بیشمار عیسائی مارے گئے۔ ہزاروں زخمی ہو گئے۔ وہ مسلمانوں کے سامنے سے ادھر اُدھر ہٹ گئے۔ مسلمان بڑھ کر مسعود کے قریب پہنچ گئے۔ مسعود نے انہیں دیکھتے ہی خوش ہو کر کہا۔ "خدا نے لوگوں کو بچا لیا۔ اس کا شکر ہے احسان ہے۔ میں دونوں شہزادہ کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔"

الافضل نے کہا۔ "مسعود شکریہ کی ضرورت نہیں نہ بات کرنے کا موقع ہے۔ بہت تھوڑا دن باقی رہ گیا ہے۔ آفتاب غروب ہونے سے قبل جنگ کا خاتمہ ہونا چاہیے۔"

مسعود نے کہا۔ "انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔"

یہ کہتے ہی اس نے نہایت سخت حملہ کیا۔ امداد کے آجانے سے مسعود کے ہمراہیوں کے دل بھی بڑھ گئے تھے۔ انہوں نے بھی اس قدر سخت حملہ کیا کہ شہزادہ الافضل اور تقی الدین کی زبانوں سے بیساختہ آفرین نکل گئی۔

الافضل اور تقی الدین نے کوہ شکن حملہ کر دیا۔ نہایت سخت جنگ شروع ہو گئی۔ یوں تو جب سے حطین میں آئے سخت جنگ کر رہے تھے۔ لیکن اس وقت نہایت ہی خونریز جنگ ہونے لگی تھی۔ خون آلود تلواریں بلند ہو ہو کر آفتاب کی زرد کرنوں میں اُبھرتی تھیں اور پھر انسانی سمندروں میں ڈوب جاتی تھیں۔ عیسائی اس قدر کثرت سے قتل ہو ہو کر گر رہے تھے کہ وہ اس جگہ کو جہاں جہاں جنگ ہو رہی تھی۔ لاشوں سے بھرتے چلے جا رہے تھے۔

اگر ریمنڈ میسرہ میں عیسائیوں کو جوش دلا دلا کر حملہ کرنے کی ترغیب دے رہا تھا۔ تو ایلین کا بلیان میمنہ میں ایسا ہی کر رہا تھا۔ گوئی ڈی شگٹن قلب میں کھڑا ہوا تھا۔ اس کے سامنے سنہری صلیب آویزاں تھی اُسے ملکہ جیفری

اور یحییٰ الثانی کی گرفتاری کی اطلاع ہو چکی تھی۔ ابھی تک وہ جنگ میں شریک نہیں ہوا تھا لیکن اب وہ بھی آمادہ ہو گیا تھا۔ اس نے بلند آواز سے کہا: عیسائی دلیرو! یہ وہ سرزمین ہے جہاں ہولی ورجن کے گود کھلاتے خدا کے بیٹے کا پاک خون بہایا گیا ہے۔ بے دین مسلمان اس پاک زمین پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ اُن کی نظر اُس مقدس ترین مقام پر ہے جس میں خدا کا پیارا بیٹا۔ عیسائیوں کا نجات دہندہ بیگناہ صلیب دیا جانے والا آرام کر رہا ہے۔ اگر خدا نہ کرے مسلمانوں نے اس مقام پر قبضہ کر لیا تو ہمارے خداوند کو سخت تکلیف ہوگی۔ ہر عیسائی کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اس مقدس مقام کی حُرمت اور پاک سرزمین کی حفاظت میں اپنے خون کا آخری قطرہ بھی بہا دے گا۔ عیسائی جانبازو! مسلمان تھوڑے ہیں۔ تم بہت ہو۔ بڑھو حملہ کرو۔ اور ان بے دینوں کو کاٹ کر ڈال دو۔"

پادری جوگری کے قریب کھڑے تھے۔ زور زور سے انجیل کی آیتیں اور دعائیں پڑھنے لگے۔

گوئی نے سنہری صلیب کو بوسہ دیا اور تیزی سے جنگ کرنے کے لیے بڑھا۔ اُسے بڑھتے ہوئے دیکھ کر عیسائیوں میں جوش جانبازی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ بھی ہزاروں امنگیں اور لاکھوں ولولوں کے ساتھ بڑھے۔ تمام عیسائیوں نے قومی نعروں سے زمین کو ہلا دیا طبل جنگ اور بھی زور زور سے بجایا جانے لگا شور و غل اس قدر بلند ہوا کہ کانوں کے پردے پھٹنے لگے تھے۔

اس نازک موقع پر دفعۃً مسلمانوں نے پھر نعرۂ اللہ اکبر کی پر ہیبت آواز سُنی۔ انہوں نے لوبیا کی طرف دیکھا۔ انہیں سلطان کی آمد کا انتظار تھا۔ سلطان آگیا تھا۔ سلطان آگیا تھا۔ اُس نے آتے ہی گوئی کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ اس کا حملہ نہایت سخت اور عیسائیوں کے لیے تباہ کن ثابت ہوا۔

سلطان کے سرفروش ہمراہیوں نے آتے ہی عیسائیوں کو تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا۔ اور چشم زدن میں ہزاروں کو کاٹ کر فرش خاک پر گرا دیا۔

سلطان کے اس پہلے ہی حملہ سے عیسائیوں میں سراسیمگی پھیل گئی۔ وہ گھبرا گئے۔ ان پر خوف و دہشت مسلط ہو گئے۔ ہر عیسائی کا چہرہ فق ہو کر زرد پڑ گیا۔ موت اُن کی آنکھوں کے سامنے پھر گئی۔ وہ جنگ سے جی چرانے لگے۔

سُلطان نے ڈھال اپنے پیچھے گھوڑے کی پشت پر زین میں باندھ دی۔ اور دونوں ہاتھوں میں تلواریں لیکر عیسائیوں کے نرغہ میں جا گھسا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے تلواریں چلانے لگا۔ یہ بڑی دلیری اور جرأت و طاقت کا کام تھا۔ اس کی بے پناہ تلواریں ایک ہی حملہ میں دو عیسائیوں کو قتل کر ڈالتی تھی عیسائیوں نے آج تک اس شان اور اس دلیری سے کسی کو لڑتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ وہ سُنا کرتے تھے کہ سلطان شیر دل ہے۔ بہادر ہے۔ طاقتور ہے۔ نڈر ہے۔ آج اُنہوں نے اُس اسلامی شیر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ وہ اس کی شجاعت۔ اُس کی شمشیر زنی اور اُس کا جوش دیکھ کر دریائے حیرت و خوف میں غرق ہو گئے۔

دراصل یہ کوئی معمولی بات یہ تھی کہ ایک شخص اپنی بچاؤ کا کچھ بھی سامان نہ کرے۔ ڈھال کو گھوڑے کی پشت پر زین سے باندھ دے اور دونوں ہاتھوں میں تلواریں لے کر دشمنوں کے نرغہ میں جا گھسے۔ تاریخی دنیا میں اس قسم کی جنگ کی اور کوئی نظیر نہیں ملتی۔ یہ شرف خدا نے سلطان صلاح الدین ایوبی ہی کو دیا تھا۔

سُلطان نے اس دلیری سے عیسائیوں کے حواس پراگندہ کر دیئے۔ انہوں نے بہتیرا چاہا کہ کسی طرح سلطان کو بڑھنے سے روکیں۔ اس کا مقابلہ کریں۔ لیکن وہ نہ اسے روک سکے نہ اس کا مقابلہ کر سکے۔ جو مقابلہ کرتا یا روکنا چاہتا وہی قتل ہو کر زمین پر آ رہتا۔

سلطان کے پیچھے اس کے باڈی گارڈ کا رسالہ بھی سلطان ہی کی تیزی کے ساتھ مارتا کاٹتا راستہ صاف کرتا بڑھا چلا جا رہا تھا۔

سلطان نے حملہ کرنے سے پہلے گوئی کو دیکھ لیا تھا۔ وہ اُس تک پہنچنے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ عیسائیوں نے اس کا ارادہ معلوم کر لیا تھا۔ وہ اُسے اسی لیے روکنا چاہتے تھے کہ وہ کسی طرح گوئی تک نہ پہنچ سکے مگر اُن کے بنائے کچھ نہ بنتا تھا۔ سلطان اس طرح بڑھا چلا جا رہا تھا جیسے کوئی کشش اُسے کھینچے لیے چلی جا رہی ہو۔

عیسائیوں کی کثیر تعداد سلطان کو روکنے کی جدوجہد میں قتل ہو گئی۔ آخر سلطان گوئی کے سامنے جا ہی پہنچا۔ سب سے پہلے اس نے ایک ہاتھ سے صلیب بردار اور دوسرے ہاتھ سے علمبردار پر حملہ کیا۔ دونوں ایک ہی ساتھ قتل ہو کر گرے۔ صلیب اوندھی ہو گئی۔ جھنڈا گر گیا۔ گوئی نے حیرت سے سلطان کی اس دلیرانہ جرأت کو دیکھا۔ ابھی وہ حیران و پریشان ہی تھا کہ سلطان نے تحکمانہ لہجہ میں گوئی سے کہا: "بزدل عیسائی فرمانروا فوراً ہتھیار پھینک دو۔"

سلطان نے گوئی کو بزدل حق بجانب کہا تھا۔ گوئی نے دُور سے سلطان کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اس میں اتنی جرأت نہ ہوئی تھی کہ وہ سلطان کی طرف ایک قدم بھی بڑھاتا۔ بلکہ اس کے برعکس جہاں تھا وہیں کھڑا رہا تھا۔

گوئی کے پیچھے پادری لوگ پرا باندھے کھڑے تھے۔ ایک پادری نے آگے بڑھ کر کہا: "ہرگز ہتھیار نہ ڈالنا۔ سلطان کی موت اُسے تمہارے سامنے لائی ہے۔ جرأت کرو۔ لڑو۔ اور سلطان کو قتل کر ڈالو۔"

سلطان نے فوراً پادری پر وار کیا۔ پادری گھبرا کر پیچھے ہٹنا چاہتا تھا۔ ابھی وہ ایک قدم بھی نہ ہٹا تھا کہ سلطان کی تلوار اُس کی گردن پر پڑی۔ سر کٹ کر گیند کی طرح اُچھلا اور دُور جا کر گرا۔

گوئی پہلے سے خوفزدہ ہو رہا تھا۔ وہ پادری کے مارے جانے سے اور بھی ڈر گیا۔ اس نے کہا: "بیشک میں سلطان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ قسمت نے

فیصلہ کر دیا۔ میری تقدیر میں اسیری ہی تھی۔"

یہ کہتے ہی اس نے ہتھیار پھینک دیے۔ سلطان کے باڈی گارڈ کے ایک سوار نے بڑھ کر یروشلم کے بادشاہ اور عیسائیوں کے سب سے بڑے فرمانروا کو گرفتار کر لیا۔

سلطان نے اس کامیابی سے مسرور ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ تمام اُن مسلمانوں نے جو سلطان کے قریب تھے نعرہ میں شرکت کی۔ عیسائیوں نے گھبرا کر اس طرف دیکھا۔ انہیں نہ صلیب نظر آئی نہ عیسائی جھنڈا اور نہ بادشاہ گوئی۔ وہ سخت بدحواس ہوئے۔ ان میں ابتری پھیل گئی۔ وہ بھاگنے کے لیے راستہ ڈھونڈنے لگے ——

سلطان نے گوئی کو گرفتار کرتے ہی نہایت جوش و خروش سے حملہ کیا۔ یہ حملہ پہلے تمام حملوں سے سخت تھا۔ عیسائی اس حملہ کی تاب نہ لا کر پسپا ہو گئے۔

جبکہ سلطان گوئی کو اسیر کر رہا تھا۔ ٹھیک اسی وقت مسعود ریمنڈ کے مقابلہ پر جا پہنچا تھا۔ ریمنڈ نے اسے دیکھا۔ وہ دیکھ چکا تھا کہ اسی دلیر نے ریجنالڈ جیسے بہادر کو گرفتار کیا تھا۔ مسعود کی صورت دیکھتے ہی اُس پر ایسا دبدبہ اور رُعب طاری ہوا کہ بغیر مقابلہ کیے ہی بھاگ کھڑا ہوا۔ مسعود نے اس کا تعاقب بھی کیا۔ لیکن اس کا گھوڑا تازہ دم تھا وہ اُسے نکال ہی لے گیا۔

ریمنڈ کے بھاگتے ہی عیسائیوں کے قدم اُکھڑ گئے۔ ابیلن بالیان نے بھی ریمنڈ کو بھاگتے ہوئے دیکھ لیا تھا وہ بھی بھاگ پڑا۔ یہی بادشاہ قتل یا گرفتار ہونے سے باقی رہ گئے تھے۔ یہی بھاگ پڑے۔ بغیر سرداروں کے عیسائی کس طرح ٹھہرتے وہ نہایت بدحواس ہو کر بھاگے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا۔ انہوں نے بھاگنے والے عیسائیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ دُور تک عیسائیوں کی لاشیں ڈھیر ہوتی چلی گئیں۔

بدقسمتی سے ریمنڈ اس طرف بھاگا جس طرف سلطان لڑ رہا تھا۔ سلطان نے اُسے دیکھ لیا۔ اس نے بڑھ کر اس پر حملہ کیا۔ وہ زرہ پہنے ہوئے تھا۔ تلوار زرہ کو کاٹ کر ریمنڈ کے شانہ میں کئی انچ اُتر گئی۔ لیکن گرم گھاؤ ہونے کی وجہ سے ریمنڈ بھاگا چلا گیا۔ اس نے اپنے زخم کی پرواہ نہ کی۔ شام ہونے سے پہلے ہی پہلے تمام میدان عیسائیوں کی لاشوں سے پٹ گیا۔ اس جنگ میں تیس ہزار عیسائی مارے گئے۔ اور اسی قدر گرفتار ہوئے مغرب کی اذان ہونے سے پہلے تمام میدان سورما عیسائیوں سے پاک و صاف ہو گیا۔ اور سلطان کو عظیم الشان فتح حاصل ہوئی۔

مسلمانوں نے آفتاب غروب ہوتے ہی سب سے پہلے چشمہ سے وضو کر کے مغرب کی نماز ادا کی۔ نماز پڑھ کر خیمے نصب کیے اور مسلم زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے لگے۔

سلطان کو عیسائیوں پر یہ چوتھی فتح حاصل ہوئی۔ جو نتیجہ کے اعتبار سے نہایت اہم تھی۔

---

[1] عیسائی مؤرخ لکھتے ہیں کہ ریمنڈ بھاگ کر طلوز پہنچا اور دل شکستہ ہو کر پندرہ روز بعد مر گیا۔ لیکن عربی مؤرخ لکھتے ہیں کہ سلطان نے جو زخم اس کے شانہ پر لگایا تھا۔ وہ اس کی ہلاکت کا باعث ہوا۔ خیر کسی طرح مرا ہو۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ ریمنڈ اس جنگ کے پندرہ روز بعد ہی بمقام طلوز مر گیا۔

(صادق صدیقی)

۱۰

ایک اور حُور جمال دوشیزہ

علی التواتر جنگی واقعات پیش آنے کی وجہ سے ہم سعید کا کچھ حال نہ لکھ سکے۔

سعید عبدالسلام سے رخصت ہو کر اس پگڈنڈی پر چل پڑا جو بتدریج پہاڑی کی چوٹی پر اٹھتی چلی گئی تھی۔ وہ اس پہاڑی کی چوٹی کو عبور کر کے دوسری طرف اترنے لگا۔ اس طرف پہاڑی دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اب رات زیادہ آگئی تھی۔ ہر طرف تاریکی پھیل گئی تھی۔ چاندنی رات نہ ہونے کی وجہ سے تمام پہاڑی پر سیاہ پاؤڈر سا بھر گیا تھا۔ سیاہی مائل نیلگوں آسمان پر تارے نہایت آب و تاب سے چمکنے لگے تھے۔ تاروں کی ہلکی ہلکی ضیا کائنات پر مدہم سی روشنی کا عکس ڈالے ہوئے تھی۔ وہ بھی اس قدر کہ قریب کی چیز غور کرنے سے بہت دھندلی سی نظر آنے لگتی تھی۔

سعید آہستہ آہستہ بڑھا چلا جا رہا تھا۔ اس نے ابھی یہ طے نہیں کیا تھا کہ اُسے کس طرف جانا چاہیے۔ وہ محض طبریہ اور طبریہ کی ملحقہ پہاڑی کو جلد سے جلد عبور کرنا چاہتا تھا۔ وہ تنہا اُس پہاڑی کو طے کر رہا تھا جس کی بابت اہل طبریہ میں عجیب و غریب افواہیں گرم تھیں۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ اس پہاڑی پر بھوتوں اور خبیث ارواحوں نے قبضہ کر لیا ہے اور وہ رات کے وقت اس تمام پہاڑی پر گشت کرتی رہتی ہیں۔ بعض لوگ اسے جنوں کا مسکن

بتاتے تھے بعض کہتے تھے کہ شیطان کی ذریات اس پہاڑی پر آ کر رہنے لگی ہے۔ غرض یہ اور اسی قسم کی بہت سی باتیں مشہور تھیں۔ دن چھپنے کے بعد اس پہاڑی پر کوئی نہ آتا تھا۔

ایک واقعہ لوگوں میں خاص طور پر مشہور تھا وہ یہ کہ ۴ سال ہوتے جب ایک نائٹ رات کو اس پہاڑی پر بہادری کے زعم میں چلا گیا تھا۔ اُس رات کے بعد سے اُسے پھر کسی نے نہیں دیکھا۔ خدا جانے کیا ہوا۔ البتہ دو چار آدمیوں نے رات کے وقت اس پہاڑی پر ایک ایسے سوار کو گشت کرتے ہوئے ضرور دیکھا تھا جو اُس نائٹ کا ہمشکل معلوم ہوتا تھا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ وہ نائٹ اور اُس کا گھوڑا دونوں مر چکے ہیں۔ اور مرنے کے بعد خبیث ارواحوں کے قابو میں آ کر بھوت بن گئے ہیں۔

بارہویں صدی عیسوی میں عیسائیوں کے توہمات بہت زیادہ بڑھے ہوئے تھے۔ وہ بہت سی چیزوں سے ڈرتے اور بہت سی باتوں سے شگون لیتے تھے۔

سعید تلوار ہاتھ میں لیکر برابر بڑھے چلے جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ اُس نے پہاڑی کو طے کر لیا۔ پہاڑی کے دوسری طرف ایک خوش سواد سبزہ زار میدان تھا۔ اس میدان میں درختوں کے جھنڈ کھڑے تھے۔ اس وقت نصف رات سے زیادہ گذر چکی تھی۔ افق مشرق سے چاند نمودار ہو گیا تھا۔ چاند کی ٹھنڈی روشنی نے خاموش اور پُرسکون کائنات کو روشن کر دیا تھا۔ نکھری ہوئی چاندنی میں ہر چیز صاف نظر آنے لگی تھی۔ سبزہ زار پر سفید سفید چاندنی نہایت ہی دلفریب معلوم ہو رہی تھی۔ گرمیوں کے ایام میں پچھلی رات کو خوشگوار ہوا چلنے لگتی ہے۔ چنانچہ اس وقت نہایت فرحت بخش ہوا چل رہی تھی۔

سعید ایک طرف سبزہ زار پر پڑ گیا۔ وہ اس وقت جبکہ خدا کی تمام مخلوق پڑی سو رہی تھی قدرتی منظر کا لطف اُٹھانے لگا۔ لیکن نسیم سحری سے جلد ہی اس کی آنکھیں جھپکنے لگیں۔ اور وہ گہری نیند میں پڑ کر سو گیا۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو آفتاب بہت کچھ بلند ہو چکا تھا۔ تمام میدان میں سنہری دھوپ پھیل گئی تھی۔ اس سنہری دھوپ میں ہری ہری گھاس ہوا کے خفیف جھونکوں سے لہرا کر نہایت دیدہ زیب معلوم ہو رہی تھی۔ وہ کلمہ پڑھ کر اُٹھ بیٹھا۔ اُس نے حوائج ضروری سے فراغت کر کے اس میدان کے کنارہ پر بہنے والے چشمے سے وضو کیا۔ نماز پڑھی اور چل کھڑا ہوا۔

سعید کو ابھی تک اپنے تعقب کیے جانے اور پکڑے جانے کا اندیشہ تھا۔ حالانکہ اس کا یہ اندیشہ محض فضول تھا کیونکہ جب وہ طریہ میں آیا تھا اور گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈالا گیا تھا۔ اسوقت وہ بے ریش بزرگ کا لڑکا تھا۔ اب سات سال گذرنے پر وہ داڑھی مونچھ والا نوجوان مل گیا تھا۔ جس کسی نے اُس وقت اُسے دیکھا ہو گا۔ وہ اس وقت کبھی بھی نہیں پہچان سکتا تھا۔

اگرچہ اُسے لنگوا فرینکا زبان سے بخوبی واقفیت تھی۔ لیکن سات سال کی اسیری نے یہ اثر کیا تھا کہ وہ قریب قریب اس زبان کو بھول گیا تھا۔ مگر اتنا نہیں بھولا تھا کہ سمجھ بھی نہ سکے۔ سمجھ سکتا تھا۔ لیکن بولتا وقت سے تھا۔ اس نے اس میدان سے جس میں رات بسر کی تھی دو تین ہی میل کا سفر طے کیا تھا کہ اُسے ایک گاؤں نظر پڑا۔ وہ گاؤں میں داخل ہوا یہ گاؤں عیسائیوں کا تھا۔ اس گاؤں میں ایک بھی مسلمان نہ رہتا تھا۔ اس وقت اُسے بھوک لگی ہوئی تھی۔ وہ بازار میں گیا تھا۔ دو چار معمولی دوکانیں تھیں۔ اُس نے دیکھا کہ عیسائی اسے نفرت حقارت کی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اس نے ان کی ان نگاہوں کی پرواہ نہیں کی۔ وہ ایک دوکاندار کے پاس گیا۔ اور اس سے کھانے کا سامان خریدنا چاہا

دوکاندار اُس کے ساتھ بڑی بے مروتی اور بے رُخی سے پیش آیا۔ اس نے نہ سعید سے منہ بات کی، نہ چیزوں کا نرخ بتایا۔ جب سعید نے زیادہ اصرار کیا تو دوکاندار نے کہا: "میاں صاحب آگے بڑھو ہم تمہارے ہاتھ کچھ بھی فروخت کرنا نہیں چاہتے۔"

سعید نے کہا: "بھلے آدمی مجھے بھوک لگی ہوئی ہے۔ میں کھانے کی چیزیں خریدنا چاہتا ہوں۔ قیمت جو چاہے لے لو۔ میں عذر نہیں کرتا۔ مگر مجھے کھانے کو دو۔"

مسیحی دوکاندار نے بگڑ کر کہا: "ہم مسلمانوں کے ہاتھوں کوئی چیز کسی قیمت پر بھی فروخت کرنا پسند نہیں کرتے۔"

سعید نے ملائمت سے دریافت کیا: "آخر کیا وجہ ہے کہ تم لوگ مسلمانوں سے اس قدر کیوں ناراض ہو؟"

دوکاندار نے برافروختہ ہو کر کہا: "نہیں بتاتے۔ فضول بک بک کر کے دماغ نہ چاٹو۔ اپنا راستہ لو۔"

سعید کو غصہ تو بہت آیا۔ مگر کیا کرتا۔ وہ تنہا تھا۔ اور تمام گاؤں عیسائیوں کا تھا۔ اگر ذرا بھی بولتا تو سارے عیسائی اس پر ٹوٹ پڑتے۔ وہ غصہ کو پی کر آگے بڑھا۔ دوسرے دوکاندار کے پاس پہنچا۔ اُس نے بھی سخت برتاؤ کیا۔ مجبوراً وہ بھوکا پیاسا ہی گاؤں سے نکل آیا۔ اور صبر و شکر کر کے چل پڑا۔ تھوڑی دُور چل کر اُسے جنگل ملا۔ جنگل میں پھل دار درخت کھڑے تھے۔ اُس نے پھل توڑ کر کھائے۔ پانی پیا۔ اور خدا کا شکر کرتا ہوا آگے بڑھا۔ اُسے رہ رہ کر عیسائیوں کی ذہنیت پر تعجب۔ افسوس اور غصہ آرہا تھا۔

چلتے چلتے اُسے شام ہو گئی۔ شام کے وقت وہ پھر ایک پہاڑی پر جا پہنچا۔ چونکہ وہ جغرافیہ سے ناواقف تھا۔ ملک شام کے شہروں، قصبوں

دریاؤں اور پہاڑوں کو نہ جانتا تھا۔ اس لیے نہ سمجھ سکا کہ اس وقت وہ کس پہاڑ پر آگیا ہے۔ جب وہ پہاڑی پر چڑھا تو آفتاب غروب ہو رہا تھا۔

یہ پہاڑی نہایت سرسبز و شاداب تھی۔ پتھروں پر سبزہ اُگا ہوا تھا۔ ہرے بھرے درخت کھڑے لہرا رہے تھے۔ وہ پگڈنڈی پر چڑھتا چلا گیا۔ جب آفتاب غروب ہونے سے شفق نمودار ہوئی۔ اور تمام پہاڑی۔ پہاڑی کے سارے سبز درخت ہلکی سُرخی مائل رنگ میں رنگے گئے۔ اُسے سبز درختوں پر ہلکی سُرخی نہایت پیاری معلوم ہوئی۔

رفتہ رفتہ شفق معدوم ہونے لگی رات کی تاریکی بڑھنے لگی۔ اس وقت وہ ایک چشمہ کے کنارہ پر پہنچ گیا۔ اس نے وضو کر کے نماز پڑھی۔ ابھی وہ نماز سے فارغ ہی ہوا تھا کہ اس نے ایک پادری کو جاتے ہوئے دیکھا۔ پادری کی داڑھی سفید اور لمبی تھی۔ وہ سفید جبہ پہنے ہوئے تھا۔ سینہ پر سُرخ صلیب آویزاں تھی۔ سر پر اُونچی ٹوپی تھی۔ صورت سے حلم و مروت کے آثار ظاہر تھے۔

سعید بڑھ کر اس کے پاس پہنچا اس نے اُسے سلام کر کے کہا: "مقدس بزرگ! کیا آپ اس پہاڑی پر رہتے ہیں۔؟"

پادری نے سعید کو دیکھا۔ دفعتاً اس کے چہرہ پر خشونت کے آثار ظاہر ہوئے۔ اس نے جواب دیا: "ہاں اسی پہاڑی پر رہتا ہوں۔ تم کون ہو۔ کہاں سے آئے ہو؟"

سعید نے کہا: "میں ایک غریب الوطن مسافر ہوں اس پہاڑی پر آ گیا ہوں۔ آپ کے پاس رہ کر رات گذار دوں؟"

پادری نے جلدی سے کہا: "نہیں! نہیں!! میں رات کے وقت کسی کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔"

یہ کہتے ہی وہ بڑھ گیا۔ سعید اُس کے پیچھے ہو لیا۔ تھوڑی دُور چل کر اُسے

سامنے ایک چٹان پر چھوٹا سا گرجہ نظر آیا۔ اس گرجہ میں موہوم سی روشنی ہو رہی تھی۔ پادری نے لوٹ کر دیکھا۔ وہ سعید کو اپنے پیچھے آتا ہُوا دیکھ کر کمال برافروختہ ہُوا۔ اُس نے ترش لہجہ میں کہا "تم نہایت بدتہذیب ہو۔ میں نے تمہیں دھتکار دیا اور تم پھر میرے پیچھے لگے چلے آ رہے ہو۔ خبردار! جواب تم میرے پیچھے آئے تو؟"

سعید کو کچھ افسوس ہُوا۔ کچھ غصہ آیا۔ لیکن اُس نے پادری کو کچھ نہیں کہا بلکہ وہیں رُک گیا۔ یہ جگہ نہایت پُرفضا تھی۔ قدرے سطح میدان تھا۔ اس نے اسی جگہ قیام کرنے کا ارادہ کر لیا۔ وہ ایک صاف سے پتھر پر بیٹھ گیا۔

اس وقت اس قدر اندھیرا ہو گیا تھا کہ پاس کی چیز بھی صاف نظر نہ آتی تھی۔ سعید اس طرف دیکھنے لگا جس طرف پادری گیا تھا۔ پادری رات کی تاریکی میں غائب ہو گیا تھا۔ سامنے گرجہ میں چراغ ٹمٹماتا ہُوا نظر آ رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں چراغ کی موہُوم روشنی میں دُور سے بیٹھے ہُوئے سعید نے پادری کو گرجہ میں داخل ہوتے دیکھا۔ اُسے وہاں ایک اور صورت بھی نظر آئی۔ لیکن فاصلہ زیادہ تھا یہ معلوم نہ ہو سکا کہ دوسرا کون ہے اب اُس نے عشاء کی نماز پڑھی اور پتھر پہ دراز ہو گیا۔

تھوڑی ہی دیر میں اُسے نیند آ گئی۔ خدا جانے وہ کتنی دیر تک سوتا رہا۔ کسی کھٹکے سے اُس کی آنکھ کھل گئی وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ ابھی تک اندھیرا ہو رہا تھا۔ چاند نہیں نکلا تھا۔ آسمان پر تارے بکھرے پڑے تھے۔ ہر طرف خاموشی چھائی ہُوئی تھی وہ پھر لیٹ گیا۔ لیٹتے ہی اُس نے قدموں کی چاپ سُنی۔ ایسا قدم ہُوا جیسے کئی آدمی دبے قدموں جا رہے ہوں۔ وہ پھر اُٹھ کر بیٹھ گیا اس نے اندھیرے میں مٹی مٹی تین چار صورتیں دیکھیں۔ غور کرنے سے معلوم ہو گیا کہ چار آدمی ہیں گرجہ کی طرف جا رہے ہیں۔ وہ سمجھا عیسائی ہوں گے پادری

کے پاس جا رہے ہیں۔

وہ پھر لیٹ گیا اور کچھ دیر کروٹیں بدلنے کے بعد سو گیا۔ ابھی وہ اچھی طرح نہیں سویا تھا کہ اس نے چیخ کی آواز سُنی وہ جلدی سے اُٹھ بیٹھا۔ پھر چیخ کی آواز آئی۔ اس نے معلوم کر لیا کہ گرجہ کی طرف سے چیخ کی آوازیں آ رہی ہیں۔ اگرچہ وہ عیسائیوں کے ملک میں تھا۔ عیسائیوں نے اس کے ساتھ خلاف انسانیت برتاؤ کیا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ گرجہ میں عیسائی رہتے ہوں گے۔ اس وقت کوئی عیسائی کسی عیسائی پر ہی ظلم کر رہا ہو گا۔

اگر وہ خاموش ہو کر پڑ جاتا تو کچھ بے جا نہ تھا۔ لیکن انسانی ہمدردی نے ٹھوکے دے دیکر اُسے اُٹھایا۔ وہ تلوار ہاتھ میں لیکر اُٹھا اور نہایت تیزی سے گرجہ کیطرف چل پڑا۔ جب وہ گرجہ کے قریب پہنچا تو اُس نے سُنا کہ پادری کہہ رہا تھا "خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو۔ میں پادری ہوں۔ عیسائی پادریوں پر ظلم نہیں کرتے"
کسی نے کڑکتی ہوئی آواز میں کہا! "عرصہ کے بعد آج تیرا پتہ چلا ہے یا تو سیدھی طرح تو بتا دے ورنہ تیری بوٹی بوٹی کاٹ ڈالی جائے گی"۔

سعید حیران تھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ کیوں پادری کی تلاش میں تھے اس سے کیا دریافت کر رہے ہیں؟ ابھی وہ حیرت ہی میں تھا کہ اس نے پادری کو کہتے ہوئے سُنا "میں کیا بتاؤں مجھے خود ہی کچھ معلوم نہیں۔ آہ تم نے میرے بدن کو زخموں سے چُور کر دیا ہے۔ بیرحموں! ظالموں خدا سے ڈرو"

ایک آواز آئی "ابھی یہ بڑا مکار ہے ہرگز نہ بتائے گا ایک بوٹی اور اُتار لو"

ایک دلفریب اور شیریں آواز آئی "نہ آ ایسا نہ کرو۔ میرا بڈھا باپ مر جائے گا۔"

یہ آواز کسی کمسن لڑکی کی معلوم ہوتی تھی۔ ابھی سعید غور ہی کر رہا تھا کہ یہ کیا واقعہ ہے کہ اتنے میں پادری نے پھر چیخ ماری۔ اب سعید بے قابو ہو گیا۔ وہ

جلدی سے گرجا کے اندر جا گھسا۔

پہلی ہی نظر میں اُس نے دیکھ لیا کہ چار قوی ہیکل عیسائی ننگی تلواریں لیے کھڑے ہیں۔ پادری زمین پر پڑا ہے۔ اس کے شانوں اور بازوؤں پر تازہ زخم ہیں۔ زخموں سے خون رِس رہا ہے۔ ایک نوجوان دوشیزہ لڑکی سر جھکائے پادری کو دیکھ رہی ہے۔

یہ گرجے کا پہلا کمرہ تھا۔ اس کمرہ میں چراغ جل رہا تھا۔ چراغ کی موہوم روشنی میں سعید کو وہ سب نظر آیا جو اُوپر بیان ہوا۔

سعید کے گرجے میں داخل ہوتے ہی چاروں عیسائیوں نے خوفزدہ نگاہوں سے اُسے دیکھا۔ پادری اور دوشیزہ لڑکی کی نگاہیں بھی اُس کی طرف اُٹھ گئیں پادری نے انتہائی لجاجت کے لہجہ میں کہا: "شریف اور بہادر مسلمان مجھے میری قوم کے درندوں کے ہاتھوں سے بچاؤ۔"

لڑکی نے شیریں لہجہ میں کہا: "مسیح کے لیے میرے باپ کو بچالو۔"

سعید نے دلیری سے کہا: "بچاؤں گا۔"

عیسائیوں نے اُس کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ "نوجوان! تم ہمارے معاملہ میں دخل نہ دو! تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ اس وقت یہاں سے چلے جاؤ۔"

سعید نے کڑک کر کہا: "بزدلو! نامردو! ایک نہتے اور بڈھے پادری پر ظلم کر رہے ہو۔ لعنت ہے تم پر اگر کچھ جرأت ہے تو گرجے سے نکل کر مقابلہ کرو۔"

ایک عیسائی نے اُس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا: "گرجے سے نکلنے کی کیا ضرورت ہے جب تم جان دینا ہی چاہتے ہو تو کیوں نہ تمہیں اسی جگہ قتل کر دیا جائے۔"

یہ کہتے ہی اُس نے سعید پر تلوار سے حملہ کیا۔ سعید نے پینترا بدل کر اس کا حملہ روک لیا۔ اور جلدی سے تلوار میان سے کھینچ کر اس عیسائی پر ٹوٹ پڑا۔

دو چار ہی حملوں میں عیسائی عاجز آ گیا سعید نے بڑھ کر اس پر تلوار ماری۔ اس کا سر کٹ کر دیوار سے جا ٹکرایا۔

یہ دیکھتے ہی تینوں عیسائیوں کو غصہ آ گیا وہ تینوں ایک دم سعید پر حملہ آور ہوئے سعید نے اُن کے وار روکنے شروع کیے۔

یہ کمرہ چھوٹا تھا۔ جنگ کرنے کے لیے کافی جگہ نہ تھی۔ ایک طرف زخمی پادری پڑا ہوا تھا۔ پادری کے پاس لڑکی بیٹھی تھی۔ یہ دونوں امید و بیم بھری نظروں سے سعید کو جنگ کرتے دیکھ رہے تھے۔ پادری آہستہ آہستہ اور لڑکی دل ہی دل میں سعید کی فتحیابی کی دُعا مانگ رہے تھے۔

سعید نے موقعہ پا کر ایک اور عیسائی کا سر اڑا دیا۔ اب صرف دو ہی اُس کے مقابلہ میں رہ گئے جو طیش و غصہ سے دیوانہ ہو گئے تھے۔ وہ نہایت جوش و خروش سے سعید پر حملے کر رہے تھے۔

سعید کی پشت کی طرف دیوار تھی۔ دونوں عیسائی اس کے سامنے تھے۔ وہ بڑی پھرتی اور نہایت دلیری سے لڑ رہا تھا۔ اتفاق سے ایک عیسائی کا پاؤں پھسل گیا۔ وہ جھکا۔ اس کے جھکتے ہی سعید کی تلوار اس کی گردن پر پڑی۔ فوراً سر کٹ کر گرا اور کئی قدم لڑھکتا چلا گیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر جو تھا جلدی سے گرجے سے باہر نکل گیا۔ سعید نے اس کا تعاقب کیا۔ لیکن وہ نہایت تیزی سے بھاگ کر رات کی تاریکی میں غائب ہو گیا۔

اب سعید گرجے میں واپس آیا۔ پادری نے اُسے مشکورانہ نظروں سے دیکھ کر کہا: "بہادر اور شریف نوجوان! تمہارا شکریہ ادا نہیں کیا جا سکتا۔ آج تمہاری بروقت مدد نے مجھے بچا لیا۔ کاش! میں رات ہی تمہیں اپنے ساتھ لے آتا۔ لیکن قسمت میں زخمی ہونا لکھا تھا۔ آؤ بیٹھ جاؤ۔"

سعید نے کہا: "شکریہ کی ضرورت نہیں! ایک انسان کا فرض ہے کہ

دوسرے انسان کو مصیبت اور تکلیف میں دیکھ اس کی مدد کرے۔ میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے اگر آپ اجازت دیں تو میں ان مُردہ لاشوں کو گرجے سے باہر پھینکدوں۔

پادری: ضرور پھینکدو۔ گرجے کے داہنی طرف غار میں اُن میں ڈالدو۔

سعید نے ایک ایک لاش کو کھینچکر پادری کے بتاتے ہُوئے غار دوں میں پھینک دیا۔ لیکن اس تمام کمرہ میں خُون بہہ رہا تھا۔ پادری نے کہا: "مجھے اٹھاکر دوسرے کمرہ میں لے چلو۔ میری بیٹی اگنیس بھی تمہیں مدد دے گی۔

اب سعید نے اگنیس کو دیکھا۔ اگنیس نہایت حسین وجمیل تھی۔ اس کا چہرہ گول تھا۔ رنگ سُرخ وسفید تھا۔ عارض چکنے، صاف اور صبیح تھے۔ جن میں اس بلا کی ملاحت اور کشش تھی کہ دیکھنے والا ہزار جان سے شیفتہ ہوجاتا تھا۔ سر کے بال ملائم دراز کسی قدر بھورے اور گھنگریالے تھے۔ آنکھیں بڑی بڑی اور دلکش تھیں۔ ناک موزوں۔ لب پتلے اور عنابی تھے۔ دانت چھوٹے چھوٹے خوبصورت اور سفید تھے۔

سعید اس دوشیزہ پریجمال کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اتفاق سے ماہوش اگنیس کی حیاء پرور آنکھیں بھی اُٹھ گئیں۔ اُس نے بھی سعید کو دیکھا۔ تیر نظر نے سعید کا دل زخمی کردیا۔ دل کے زخم کا اثر سینے نے لیا۔ سینہ کی کسک سے بے ساختہ لبوں سے آہ نکل گئی۔ پادری سعید کو دیکھ رہا تھا اگرچہ وہ زخمی تھا۔ زخموں سے خُون بہہ رہا تھا۔ اسے تکلیف تھی لیکن سعید کی آہ نے اسے بے چین کر دیا۔ اُس نے دریافت کیا: "بہادر نوجوان! کیا تم بھی زخمی ہُوئے ہو؟"

سعید نے جلدی سے کہا: "نہیں میں زخمی نہیں ہُوا۔ میں افسوس کر رہا تھا کس قدر خراب زمانہ آگیا ہے کہ لوگ اپنے پیشواؤں کو بھی قتل وزخمی کرنے لگے ہیں۔

پادری نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ مجھے بھی افسوس ہے لیکن میں تمہیں بتاؤں گا کہ یہ لوگ کس وجہ سے میرے دشمن ہیں۔ پہلے تم مجھے دوسرے کمرہ میں لے چلو۔

سعید جانتا تھا کہ زر زمین اور زن تینوں ہی چیزیں دشمنی کا باعث ہُوا کرتی ہیں۔ مفلوک الحال پادری کے پاس زر اور زمین تو کہاں ہوں گے۔ لیکن زن اس کے پاس ضرور ہے یہی خُوبجمال لڑکی باعث نزاع ہوگی۔

چونکہ پادر زیادہ گفتگو نہ کرسکتا تھا۔ زخموں سے خون جاری ہونے کی وجہ سے وہ کمزور ہوتا جارہا تھا۔ اس لیے سعید نے اُسے اپنی آغوش میں اُٹھایا۔ اگنیس آگے چلی۔ اس نے دوسرے کمرہ میں اُسے ایک چٹائی پر لٹا دیا اور وہ اور اگنیس دونوں مل کر اس کی مرہم پٹی کرنے لگے۔

11

"کیفرِ کردار"

قرنِ لوبیا کے ریتیلے میدان میں عیسائیوں کو جو شکست ہوئی تھی۔ وہ کامل شکست نہ تھی۔ البتہ حطین کے سرسبز و شاداب میدان میں عیسائیوں کو جو شکست ہوئی وہ کامل شکست تھی۔

اس جنگ کو عربی مؤرخوں کے علاوہ عیسائی مؤرخوں نے بھی معرکۂ عظیم سے تعبیر کیا ہے۔ طائر کا ولیم مشہور عیسائی مؤرخ جو اس جنگ میں شریک تھا لکھتا ہے کہ خدا اور خداوند دو مسیحوں سے اُن کی نافرمانی اور عیش و عشرت میں مشغول ہونے کی وجہ سے ناخوش ہو گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بے دینوں کے مختصر لشکر نے عیسائیوں کی عظیم الشان جمعیت کو پارہ پارہ کر دیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ ایشیا کے وہ تمام عیسائی فرمانروا جو اس جنگ میں شریک ہوتے مارے گئے یا گرفتار کر لیے گئے۔ بمشکل ایبلن کا بالیاں اور طرابلس کا ریمنڈ ہی جان بچا کر لیجا سکے۔ ان دونوں میں سے بھی ایک یعنی ریمنڈ طرابلس جا کر اس جنگ کے پندرہ روز بعد ہی مر گیا۔ حطین کا معرکۂ عظیم مقدس یروشلم کی سلطنت کو برباد کرنے والا ثابت ہوا۔ عیسائیوں کا قوی وقار حضیضِ زوال کو پہنچ گیا۔ اور سلطان صلاح الدین کی کامیابی کا دروازہ کھل گیا۔

سچ یہ ہے کہ یہ سلطان صلاح الدین ہی کا دل گردہ تھا کہ وہ ایک لاکھ

عیسائیوں کے مقابلہ میں تیرہ چودہ ہزار مجاہدینِ اسلام کو لے کر ڈٹ گیا۔ اور اس کی عدیم النظیر جرأت و شجاعت نے عیسائیوں کے تیس ہزار دلیروں کو خاک و خون میں لٹا کر انہیں کامل ہزیمت دیدی۔ عرصہ دراز تک عیسائیوں کے ڈھانچے اس میدان میں بے گور و کفن پڑے رہے۔ اور اس طرف سے گذرنے والوں کو درسِ عبرت دیتے رہے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ فتح مسلمانوں کی عظیم الشان فتح تھی نہ صرف اس لیے کہ انہوں نے ۲۰ ہزار عیسائیوں کو مار ڈالا اور ۳۰ ہزار کو گرفتار کر لیا۔ بلکہ اس لیے تھی کہ اس فتح کے بعد سے عیسائیوں پر مسلمانوں کا رعب تام ہو گیا اور مسلمانوں پر جو وحشیانہ مظالم وہ کرتے رہتے تھے ان سے دستکش ہو گئے۔ اس سے مسلمانوں کو کسی قدر امن و اطمینان نصیب ہوا۔

مسلمان شیر دل سلطان صلاح الدین کی تعریف آج تک جو کیے جاتے ہیں۔ یا رہتی دنیا تک کیے جائیں گے۔ اس کی وجہ صرف یہی نہیں ہے کہ اس نے عیسائیوں کو شکست دی۔ نہایت دلیری سے جنگ کی عیسائیوں سے ان شہروں اور قلعوں کو واپس لیا جن پر وہ قابض ہو گئے تھے۔ بلکہ زیادہ تر وجہ یہ ہے کہ اس نے دینِ متین کی حفاظت کی۔ مسلمانوں کو عیسائیوں کے پنجۂ ظلم و ستم سے بچایا۔ درندہ صفت عیسائیوں کو مجبور کیا کہ وہ وحشیانہ مظالم سے دستکش ہو جائیں۔

جنگ عیسائیوں کو کامل ہزیمت اور مسلمانوں کو عظیم الشان فتح ہو گئی۔ حطین کا وسیع میدان عیسائیوں کی لاشوں سے پٹ گیا۔ سارے دن جنگ و پیکار کرنے والے مسلمانوں نے مغرب کی نماز پڑھی۔ سلطان کے حکم سے زخمی مسلمانوں کی مرہم پٹی کی جانے لگی۔ تو خود سلطان صلاح الدین آرام و اطمینان سے اپنے خیمہ میں نہیں بیٹھا۔ بلکہ وہ عیسائیوں اور مسلمانوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے ایک معمولی سپاہی کا بھیس بدل کر مسعود کو ہمراہ لیکر اپنے

خیمہ سے نکلا اور روانہ ہُوا۔

یہ ظاہر ہے کہ عام مسلمانوں کی طرح سارے دن سلطان بھی لڑائی میں مشغول رہا تھا۔ اس وقت اُسے آرام کرنے کی اشد ضرورت تھی۔ لیکن اس کا قول تھا کہ کسی فرمانروا کا آرام طلب ہو جانا ملک و قوم کی بدنصیبی ہے۔"

مسلمانوں کے خیمے قطار در قطار میدان کے زیادہ حصے میں دُور دُور تک نصب تھے۔ روشنی بھی کافی ہو رہی تھی مسلمان کھانا پکانے۔ کھانے اپنے زخمی بھائیوں کی تیمارداری کرنے میں مشغول تھے۔ کہیں کہیں قرآن شریف کی بھی تلاوت کی جا رہی تھی کہیں دس پانچ مسلمان بیٹھے گذشتہ جنگ پر تبصرہ کر رہے تھے۔ اکثر جگہ سلطان کی دلیرانہ جنگ کا بھی تذکرہ تھا۔ لیکن بیشتر لوگ مسعود کی جیداری بہادری استقلال اور جوش کا تذکرہ کر رہے تھے۔

سلطان اپنے لشکر کی یہ کیفیت دیکھ کر لوگوں کی باتیں سُن کر نہایت محظوظ ہو رہا تھا۔ اُس نے مسعود کی طرف دیکھ کر کہا "تم نے سُنا لوگ تمہاری تعریفیں کر رہے

مسعود نے مؤدبانہ لہجہ میں کہا "میں سُن رہا ہُوں۔ نادم ہوں۔ میں نے اپنا فرض کما حقہ، ادا نہیں کیا۔ دس بیس عیسائیوں کو مار ڈالنا۔ دو چار کو گرفتار کر لینا بہادری نہیں ہے۔ بہادری جب ہوتی جب حضور کو تکلیف نہ اٹھانی پڑتی۔ گوئی ڈی لشتن رجنگیس گرفتار کرنا۔ دراصل یہ فتح حضور کی جانبازانہ اور سرفروشانہ جنگ کا نتیجہ ہے۔"

سلطان نے کسی قدر جوش کے لہجہ میں کہا "مسعود میں نے سنا ہے تو نے صرف دو ہزار مجاہدین اسلام سے کئی گھنٹے اسّی ہزار مسیحوں کا مقابلہ۔ دنیا کے بدترین وحشی اور ظالم شخص ریجنالڈ کو گرفتار کر لیا ہے یہ نہایت جرأت کا کام تھا۔ میرے دل پر تیری دلیری کا نقش ہوتا چلا جاتا ہے۔"

مسعود نے متشکرانہ نظروں سے سلطان کو دیکھ کر کہا "حضور اُنہوں اپنے

خادموں کی تعریف کر کے اُن کے حوصلے کو بڑھاتے ہیں۔

اب یہ دونو اس جگہ پہنچے جہاں عیسائی قیدی رکھے گئے تھے۔ قیدیوں کو لشکر کے وسط میں خیموں کے اندر بند کر دیا تھا۔ خیموں کے چاروں طرف مسلح پہرہ تھا۔ پہرہ دار نہایت مستعدی سے اپنے فرائض انجام دے رہے تھے۔

قیدیوں میں عام عیسائی۔ افسر سپہ سالار۔ پادری اور بادشاہ سب ہی تھے۔ لیکن اس وقت سب ایک حالت میں تھے۔ ایک کو دوسرے پر کوئی فوقیت نہ تھی۔ ہر شخص اپنی فکر میں تھا۔

جب سُلطان خیموں کے قریب سے گذرا تو اُس نے بہت سے عیسائیوں کو روتے آہیں بھرتے۔ تقدیر، فلک، زمانہ حتےٰ کہ خدا کی شکایت کرتے سُنا۔

سلطان نے کہا "مسعود آج یہ بدبخت شکایتیں کر رہے ہیں۔ رو رہے۔ لیکن کل جب یہ آزاد تھے۔ ہر طرح فارغ البال تھے مسلمانوں کو ستانے میں ذرا بھی نہ جھجکتے تھے۔"

مسعود نے کہا "شیر دل سلطان! میری نظروں میں روزِ قیامت کا سماں پھر آگیا ہے آج جو حالت ان عیسائیوں کی ہے۔ کل روزِ حشر کو یہی حالت تمام بنی نوع انسان کی ہونیوالی ہے۔ جب عیسائیوں کو ہر طرح کا عروج تھا۔ آزادی تھی مسلمانوں پر ظلم و ستم کرتے تھے۔ آج جب اپنے مظالم کی پاداش میں اسیر ہوئے تو تقدیر کی، آسمان کی، زمانہ کی اور خدا کی شکایتیں کرنے لگے۔ اسی طرح انسان جب تک زندہ ہے۔ تندرست ہے، معاصی میں مبتلا رہتا ہے۔ خدا کو یاد نہیں کرتا۔ جب مر جائے گا محشر میں خدا کے روبرو پیش ہوگا۔ تو اسی طرح پچھتائے گا جس طرح یہ عیسائی پچھتا رہے ہیں۔

سلطان۔ تم سچ کہتے ہو لیکن عیسائی پچھتا نہیں رہے ہے یہ بزدل ہیں روتے ہیں۔ رونا عورتوں کو زیب دیتا ہے۔

مسعود کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ایک خیمہ سے آواز آئی: "ابھی سلطان بڑا نرم دل ہے۔ جب ہم اس کے سامنے گڑگڑائیں گے۔ وہ رحم کھا کر ضرور ہمیں چھوڑ دے گا پھر ہم انتقام لیں گے"!

دوسرے نے کہا: "ایک دفعہ آزادی حاصل کرلو۔ پھر انتقام کی تلوار بلند کرکے مسلمانوں کو فنا کر ڈالو"

تیسرے شخص نے کہا: "حلف اٹھاؤ کہ مسلمانوں کو جہاں پاؤ گے مار ڈالو۔"

اس کے بعد خاموشی ہوگئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ عیسائی آہستہ آہستہ حلف اٹھا رہے ہیں۔ سلطان نے آہستہ لہجہ میں کہا: "مسعود تم نے سُنا"

مسعود نے جواب دیا۔ "پیکرِ عدل وانصاف سُنا۔"

سلطان: "میرا ارادہ تھا کہ ان بدبختوں کو آزاد کردوں لیکن اب انہیں کرسکتا۔ صبح دربار کیا جائے گا اور دربار ہی میں ان بدطینتوں کو سزا دی جائے گی۔"

اب یہ دونوں واپس لوٹے۔ سلطان اپنے خیمہ میں چلا گیا۔ مسعود بھی رخصت ہوکر اپنے خیمہ پر پہنچا۔ چونکہ رات زیادہ آگئی تھی۔ سلطان دن بھر کے تھکے ہوئے تھے پڑ کر سو رہے۔ مسعود بھی سوگیا۔ صبح کو سویرے بیدار ہوکر سب نے جماعت کے ساتھ نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی سلطان نے دربار منعقد کرنے کا اعلان کردیا۔ تیاریاں شروع ہوگئیں۔ درباری خیمے نصب کیے جانے لگے۔ یہ خیمے نہایت وسیع تھے۔ کئی خیموں کو ایک جگہ ملا کر نصب کیا جاتا تھا خیمے نصب کر کے چاندنیاں لگا دی گئیں۔

فرش کرکے قالین بچھا دیے گئے۔ ایک طرف تخت بچھا دیا تخت کے دونوں طرف کرسیاں ڈال دی گئیں۔ بہت تھوڑے عرصہ میں دربار کو اس طرح سجا دیا گیا کہ دیکھنے والوں کو حیرت ہوگئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سلطان دربار کا سارا سامان ساتھ لیے پھرتا ہے۔ اگر اسلامی دارالسلطنت میں دربار منعقد کیا جاتا۔

تو شاید اس سے زیادہ سامان وہاں بھی فراہم نہ ہوسکتا۔ کسی بات میں کمی نہ رہی تھی۔

ظہر کی نماز پڑھ کر سلطان دربار میں داخل ہوا۔ درباری خیمہ نہایت وسیع تھا۔ دس دس ہزار آدمیوں کی گنجائش تھی۔ تمام سردار، سلطان کے عزیز قریب قرینے سے بیٹھے ہوئے تھے۔ سلطان کو دیکھتے ہی سب تعظیم کے لیے کھڑے ہوگئے۔ سلطان تخت پر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھتے ہی تمام درباری بھی بیٹھ گئے۔

اب سلطان نے قیدیوں کے لانے کا حکم دیا۔ سب سے پہلے ملک جیفری اور ریجنالڈ آف چیلان گوی ڈی لنگنن اور دوسرے سردار طلب کیے گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں مسلح فوجی دستہ کی حفاظت میں مطلوبہ قیدی لائے گئے۔

تمام قیدی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ بادشاہوں کے سر ننگے تھے۔ ان قیدیوں کے چہرے فق پڑے ہوئے تھے۔ رنگتیں زرد تھیں۔ بدن میں لرزہ تھا۔ ان کی کیفیت دیکھ کر دنیا کی بے ثباتی اور زمانہ کے انقلاب کی تصویر آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتی تھی۔ یہی لوگ تھے جو کل تک حکمران تھے تمام عیسائیوں میں اُن کا وقار تھا۔ اُن کے ادنےٰ اشارے پر ہزاروں لوگ دوڑ پڑتے تھے۔ آج وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے کھڑے کانپ رہے تھے۔

سلطان نے ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا۔ اُس نے دریافت کیا۔ ریجنالڈ آف چیلان کون ہے؟

ریجنالڈ اپنا نام سُن کر زرد پڑگیا۔ فرطِ خوف سے اُس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ اُس کے ہونٹوں پر خشکی دوڑ گئی۔ گوی ڈی لنگنن نے اُس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "یہ ہے"

سلطان نے ریجنالڈ سے دریافت کیا: "تم مسلمانوں کے پاس قید تھے۔"

ریجنالڈ نے خوفزدہ نگاہوں سے دیکھ کر جواب دیا: "ہاں میں قید رہا تھا۔

سلطان: تمہیں کسی قسم کی تکلیف دی گئی تھی؟

ریجنالڈ: نہیں!

سلطان: پھر تم نے مظلوم و بیکس مسلمانوں پر وحشیانہ مظالم کیوں کیے۔

ریجنالڈ اس کا کیا جواب دیتا۔ اس کی آنکھیں خوفزدہ تھیں۔ زبان میں لکنت تھی۔ بدن لرز رہا تھا۔ اس نے خاموش ہو کر سر جھکا لیا۔

سلطان نے پھر دریافت کیا۔ بتاؤ تم نے بے بس مسلمانوں کا قتل عام کیوں کیا؟"

ریجنالڈ سر کھجلانے لگا۔ اُس نے رُک رُک کر کہا: "حضور والا۔۔۔۔ میں نے ۔۔۔ ۔۔ مسلمانوں کا قتل عام ۔۔ ۔۔ ۔۔۔۔ نہیں کیا۔"

سلطان نے کسی قدر طیش میں آکر کہا: "جھوٹ نہ بولو۔ اقرار کرو۔ اپنی سنگدلی بے دردی۔ جلادی اور بربریت کا اقرار کرو۔"

ریجنالڈ: عالیجاہ! میں نے مسلمانوں پر مظالم نہیں کیے۔ میں مسلمانوں کے ہاتھوں میں قید ہو گیا تھا۔ مسلمانوں نے میری خاطر تواضع میں کوئی کوتاہی نہیں کی تھی۔ میں کس طرح مسلمانوں پر ظلم کرتا۔"

اب سلطان کو کسی قدر زیادہ طیش آگیا اس نے کڑک کر کہا: "مکار کیا تو نے مسلمانوں کا قتل عام نہیں کیا۔ کیا مسلم بچوں کا خون نہیں کیا۔ عورتوں کی عصمت دری نہیں کی! کیا مسلمانوں کے مکانات نہیں جلائے کیا مسلمانوں کو نہیں لوٹا۔ کیا مسجدوں میں آگ نہیں لگائی۔

تمام عیسائی قیدی تھرا گئے۔ وہ خوف و دہشت سے خزاں رسیدہ پتہ کی طرح کانپنے لگے۔ موت اُن کی آنکھوں کے سامنے پھر گئی۔ ریجنالڈ پر غلبہ دہشت سے بیہوشی طاری ہونے لگی۔ گوئی ڈی لُنگٹن نے کہا: "عادل رحم پرور سلطان ہم سب خطاوار ہیں مجرم ہیں۔ ہم سے تمام قصور سرزد ہوئے۔ جن کو حضور نے

گنایا ہے لیکن اے پیکر عدل و رحم!! ہم پر رحم کیجئے ہماری خطائیں معاف کر دیجئے!

سلطان غیظ و غضب میں بھرا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں۔ چہرہ تمتما رہا تھا۔ اس نے کہا: "رحم کروں۔ مسلمانوں کے قاتلوں پر درندہ صفت وحشیوں پر رحم کروں۔ مسلمانوں کو لوٹنے والوں پر رحم کروں۔ خدا کی قسم میں معاف کر دیتا اگر تم غریب و بیکس مسلمانوں پر ظلم و ستم نہ کرتے ۔۔ ۔۔ ۔۔ ریجنالڈ بتاؤ تو نے طرسوس کے بیگناہوں کو کیوں قتل کیا۔ کرک کے بیکسوں پر کیوں ظلم توڑے صبح بیت اللہ جانے والے قافلے پر کیوں تاخت کی؟"

ریجنالڈ نے کہا: "کیا عرض کروں۔ میری بدبختی تھی۔ طرطوس سے خبر آئی کہ کسی مسلمان نے کسی عیسائی کو جھڑک دیا۔ شومئ قسمت سے مجھے غصہ آگیا۔ میں نے ناعاقبت اندیشی سے طرطوس کے مسلمانوں کو قتل کیا۔ کرک میں چند مسلمانوں نے ٹیکس دینے سے انکار کر دیا۔ اُن کو تادیباً سزا دی گئی۔ میں خطاوار ہوں۔ ظالم ہوں۔ لیکن آپ رحمدل ہیں اس سیہ کار کو بخشدیجئے!"

سلطان نے گھور کر اُسے دیکھا اور کہا: "تم نے معمولی باتوں پر مسلمانوں کا خون بہایا ہے۔ آج مجھ سے رحم کی درخواست کرتے ہو۔ لیکن جب مسلمانوں پر مظالم کر رہے تھے۔ وہ تم سے رحم و کرم التجائیں کرتے تھے۔ تمہارے سامنے گڑگڑاتے تھے۔ پناہ مانگتے تھے اس وقت تمہیں اُن پر رحم نہ آیا۔

تمام بادشاہ دو زانو ہو کر کھڑے ہو گئے انہوں نے سروں کو جھکا کر کہا: "سلطان ہمیں معاف کر دیجئے ہماری جانیں بخشدیجئے!"

سلطان نے کہا: "اس لیے کہ تمہارا رات کا مشورہ پُورا ہو جائے مسلمانوں کے قتل عام کا جو حلف رات تم نے اٹھایا ہے اُس پر عملدرآمد کرنے کا موقع ملے۔"

سلطان نے گھور کر قیدیوں کو دیکھا۔ قیدیوں نے پتہ کی بات سُن کر ایک دوسرے پر حیرت اور خوف بھری نگاہیں ڈالیں۔ سلطان نے کڑک کر کہا کہ

بےدرد ظالموں اگرچہ تم نے مسلمانوں کو قتل کیا تھا۔ لوٹا تھا۔ لیکن میں پھر بھی تمہیں معاف کر دیتا اگر تم آئندہ مسلمانوں کو نہ ستانے کا اقرار کر لیتے لیکن رات میں نے اپنے کانوں سے تمہارے مشورہ کو سُنا۔ اب میں ہرگز معاف نہیں کر سکتا۔

تمام قیدیوں پر مردنی چھا گئی۔ وہ کچھ کہنا چاہتے تھے۔ لیکن فرط رنج و غم سے آواز نہ نکلتی تھی۔ سلطان نے پھر کہا: "موت کا مقابلہ کرنے کے لیے مردانہ وار تیار ہو جاؤ۔ تمہیں کل قتل کر ڈالا جائے گا۔"

ملک جیفری کے ہونٹوں پر اس قدر خشکی دوڑ گئی کہ اُسے سخت پیاس معلوم ہونے لگی۔ اس نے سلطان سے کہا۔ عادل سلطان مجھے پیاس معلوم ہو رہی ہے ——

سلطان نے کہا: "اگرچہ تم نے مسلمان بچوں کو بھی پانی نہیں دیا۔ وہ معصوم پیاسے ہی تڑپ تڑپ کر مر گئے مگر میں سنگدل نہیں ہوں تمہیں ضرور پانی دوں گا"

سلطان نے ایک خادم کو اشارہ کیا۔ خادم نے برف سے سرد کیا ہوا پانی کا گلاس لا کر ملک جیفری کو دیا۔ ملک جیفری پینا ہی چاہتا تھا کہ ریجنالڈ نے آہستہ سے کہا: "ملک جیفری مجھے پیاس نے سخت پریشان کر دیا ہے۔ تمہیں سلطان کے حکم سے اور بھی پانی مل جائے گا۔ لیکن مجھے تو نہیں مل سکتا۔ اس لیے یہ گلاس پانی کا مجھے دے دو۔"

ملک جیفری نے فوراً گلاس اُس کی طرف بڑھا دیا۔ ریجنالڈ نے گلاس لے لیا۔ سلطان نے کسی قدر بلند آواز سے کہا: "جیفری! پانی تمہارے لیے منگایا گیا تھا۔ اس درندہ کو۔ خلائق آزار کو مسلمانوں کو برباد کرنے والے کو پانی نہیں دیا جا سکتا تھا۔"

ریجنالڈ اس زور سے کانپنے لگا کہ گلاس جو ابھی تک پانی سے لبریز تھا اُس کے

ہاتھ میں تھا گرنے کے قریب ہو گیا۔ سلطان نے پھر کہا: "وحشی درندہ میں شقی القلب نہیں ہوں۔ اجازت دیتا ہوں کہ پانی پی لے۔"

ریجنالڈ کو قدرے اطمینان ہُوا۔ اس کی کپکپی کم ہوئی اس نے پانی پیا سلطان کے حکم سے اور پانی لا کر جیفری کو دیا گیا۔ اب سلطان نے قیدیوں کے محافظوں سے کہا: "ان قیدیوں کو لے جاؤ۔"

قیدی ابھی تک دو زانو کھڑے تھے۔ وہ اُٹھے۔ محافظ انہیں اپنی حراست میں لے کر چلے۔ جب وہ چلے گئے تو سلطان نے افسروں سے مخاطب ہو کر کہا: "مسلمان شہداء کو تلاش کر کے ایک جگہ جمع کرو اور نماز پڑھ کر دفن کر دو۔"

اس کے بعد دربار برخاست کر دیا گیا۔ سب لوگ اُٹھ کر چلے گئے سلطان بھی چلا گیا۔ افسروں نے سلطان کا حکم سپاہیوں تک پہنچا دیا۔ سارے میدان میں مجاہدین بکھر گئے۔ انہوں نے بہت جلد تمام شہیدوں کو ایک جگہ جمع کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں جنازے تیار ہو گئے۔ سلطان نے خود آ کر شہیدوں کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ تمام لشکر نے جماعت کے ساتھ نماز ادا کی۔ سارے شہیدوں کی ایک ہی دفعہ نماز ادا کی گئی۔ نماز کے بعد گڑھے کھود کھود کر اُن مرنے والے مسلمانوں کو دفن کیا گیا۔ جو شہادت کا درجہ حاصل کر کے زندہ جاوید ہو گئے تھے۔

اس دن مسلمانوں نے آرام کیا۔ دوسرے روز علی الصباح تمام مسلمان صف بستہ کیے گئے۔ ان کے سامنے عیسائی قیدیوں کو لایا گیا۔ قیدیوں کی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی تھی۔ رات ہی بھر میں غم و فکر سے اُن کے چہرے ایسے شکست ہو گئے تھے۔ کہ خون ایک قطرہ بھی نہ معلوم ہوتا تھا۔ اُن کا گوشت پگھل گیا تھا۔ ہڈیاں ہی ہڈیاں تھیں۔ آنکھوں میں حلقے پڑ گئے تھے۔

سب سے پہلے سلطان نے ریجنالڈ کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ وہ قتل کیا گیا اس کے بعد اور لوگ قتل کیے گئے۔ دوپہر تک یہ قتل و خونریزی جاری رہی عیسائی مورخ سلطان کو بیدردو اور ظالم بتاتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اُس نے صرف حطین کے میدان میں اس قدر عیسائیوں کو قتل کیا جس قدر مسلمانوں کو تمام عیسائیوں نے بھی قتل نہیں کیا تھا۔ لیکن انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ عیسائیوں نے بیگناہ اور بیکس و مظلوم مسلمانوں کو بلا وجہ ذرا ذرا سی بات کا بہانہ کر کر کے قتل کیا اور سلطان نے میدان جنگ میں دلیرانہ مقابلہ کر کے انتقام لیا۔

دوپہر کے بعد سلطان نے قلعہ طبریہ کی طرف کوچ کر دیا۔

۱۲

مشرق کی حُور کی گُمشدگی

حطین کے شکست کی خبر عیسائی دنیا میں مغرور مسیحوں نے بہت جلد پہنچا دی۔ تمام ملک میں کہرام مچ گیا۔ ہر شہر، ہر قصبہ۔ ہر قریہ میں صف ماتم بچھ گئی۔ گھر گھر سے نالہ فریاد کی آوازیں آنے لگیں۔

چونکہ اس جنگ میں ملک کے ہر گوشہ سے عیسائی مجاہدین آ آ کر شریک ہوئے تھے اور ہر جگہ کے کچھ نہ کچھ آدمی مارے گئے تھے۔ اس لیے تمام ایشیا کے عیسائیوں میں رنج و غم کی لہر دوڑ گئی۔

بعض انسانی طبائع حرص و آز کا شکار ہو کر جور و ستم پر اُتر آتی ہیں۔ بعض خلقی بے رحم و سنگدل ہوتی ہیں۔ بعض کسی تعصب کیوجہ سے وحشیانہ بربریت کی طرف رجوع ہو جاتی ہیں۔ ایسے لوگ آنکھوں پر پٹی باندھ کر مال کار سے بے نیاز ہو کر گرد و مخلوق پر اس قدر ظلم کرتے ہیں۔ جن کے سننے سے

؂ عیسائی مورخ لکھتے ہیں کہ سلطان نے اپنے ہاتھ سے ریجنالڈ کو قتل کیا۔ یہ بالکل غلط ہے۔ تمام مورخوں کا اس پر اجماع ہے کہ ریجنالڈ کو سلطان نے خود قتل نہیں کیا۔ بلکہ وہ سلطان کے حکم سے قتل کیا گیا۔ یہی قول صحیح ہے۔ ؂ صادق حسین۔ صدیقی۔ سردھنوی۔

بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب قہر خداوندی جوش میں آجاتا ہے۔ قدرت مظلوم کا انتقام لیتی ہے تو ظالم سے سوائے رونے اور دست تاسف ملنے کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

بارہویں صدی عیسوی میں شامی عیسائیوں نے مسلمانوں پر اس قدر مظالم کیے کہ منصف مزاج عیسائی مورخوں کو بھی دبی زبان سے اُن کی بربریت اور وحشیانہ مظالم کا اعتراف کرنا پڑا۔

سلطان صلاح الدین مظلوم و بیکس مسلمانوں کی حمایت کے لیے اٹھا تھا۔ افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ جس طرح مسیحی متفق و متحد ہو گئے تھے۔ اس طرح مسلم فرمانروا سلسلۂ اتحاد میں منسلک نہ ہوئے۔ وہ دُور ہی سے عیسائی بادشاہوں سے سلطان کو جنگ کرتے ہوئے دیکھتے رہے۔ اگر وہ سب ہی متفق ہو جاتے تو دنیا کی تاریخ بدل جاتی۔ مظالم و بربریت کا سدباب ہو جاتا۔ سارے جہاں میں امن وامان اور صلح و آشتی کا دور دورہ ہوتا۔ مسلمان دنیا کے کثیر حصہ پر دادِ عدل دیتے۔

شیر دل سلطان صلاح الدین یکہ و تنہا عیسائی بادشاہوں کے مقابلہ میں جا پہنچا۔ اس نے سوائے خدا کے اور کسی سے اعانت طلب نہیں کی۔ خدا نے اُس کی مدد کی۔ اس نے حطین میں شاندار کامیابی حاصل کی۔

سلطان اسباب کو اچھی طرح جانتا تھا کہ عیسائیوں کا مرجع، اُن کا ملجا و ماویٰ یروشلم (بیت المقدس) ہے جبتک عیسائیوں کا یروشلم پر قبضہ رہیگا اس وقت تک نہ وہ ایشیا سے یورپ کی طرف منتقل ہونگے نہ مسلمانوں پر ظلم وستم کرنے سے باز آئیں گے۔ اس لیے اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ یا تو بیت المقدس فتح کر کے عیسائیوں کا ہمیشہ کے لیے ملک شام سے استیصال کر دے گا۔ یا اسی جد وجہد میں اپنی جان دے دیگا۔ اس لیے وہ حطین سے طبریہ کی طرف بڑھا۔

طبریہ کے قلعہ میں ملکہ میریا موجود تھی۔ اس کا بزدل شوہر اُسے چھوڑ کر حلوا بھاگ گیا تھا۔ اس نے سلطان کی پیشقدمی کی خبر سن لی تھی۔ اُسے کمال فکر لاحق ہو گیا تھا۔

اگرچہ طبریہ کا قلعہ نہایت مضبوط تھا۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ سلطان کی جرأت ہمت اور عزم صمیم کے سامنے اس کی کوئی وقعت نہ تھی۔ اس لیے اُسے سخت ہراس تھا اس نے قلعہ کی فصیل اور برجوں پر سپاہیوں کو متعین کر دیا تھا اور لاکھوں من پتھروں کے خاردار ٹکڑے فصیل کے چاروں طرف ڈھیر کرا دیے تھے

جس زمانہ کا ہم حال لکھ رہے ہیں۔ اس وقت تک بندوقیں مشین گنیں اور توپیں عرصۂ شہود میں نہ آئی تھیں۔ اس زمانہ میں تیروں اور پتھروں کے خاردار ٹکڑوں سے بندوقوں اور مشین گنوں کا کام لیا جاتا تھا۔

یوں تو ہر زمانہ میں انسان۔ انسانوں کو مٹانے کے لیے خطرناک ایجادات کرتا رہا ہے۔ لیکن فی زمانہ کی اختراعات نہایت مہلک اور تباہ کن ثابت ہوئی ہیں۔ ان توپوں کو رہنے دیجیے جو ۳۲-۴۲ من کا گولہ اگلتی ہیں۔ اور جن کا وجود چھوٹی سی پہاڑی سے کم نہیں ہوتا۔ ایسی گیسیں ایجاد کی گئی ہیں۔ جن کے چھوٹنے پر انسان ایک سانس لیتے ہی دوسری دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔

قدرت نے شاید یہ اختراعات اس لیے کرائی ہیں کہ دنیا کی آبادی بہت زیادہ بڑھ گئی ہے اور اب اس کا انحطاط لازمی ہے۔

ملکہ میریا نے یہ بھی بندوبست کر لیا تھا کہ جس وقت سلطان حملہ آور ہو تو تمام عیسائی مردوں کو قلعہ کی فصیلوں پر چڑھا کر ان سے سنگ باری کراتے۔

قلعہ طبریہ کے باشندوں کو زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ ایک روز شام کے وقت انہوں نے دُور سے اسلامی علم آتے ہوئے دیکھا۔ اس علم کو دیکھتے ہی عیسائیوں کے چہرے خوف وہراس سے سیاہ پڑ گئے۔ ملکہ میریا بھی خائف ہو گئی۔

اسلامی علم کے سایہ میں دلیرانِ اسلام کا لشکر نہایت اطمینان کے ساتھ آہستہ آہستہ بڑھا چلا آرہا تھا۔ یہ لشکر قلعہ سے کسی قدر فاصلے پر آکر رک گیا۔ مجاہدین گھوڑوں سے اتر آئے۔ بار برداری کی گاڑیاں بھی ساتھ ساتھ آرہی تھیں۔ مسلمانوں نے اُن میں سے خیمے نکال نکال کر جلد جلد نصب کر دینا شروع کر دیئے۔ بہت تھوڑے عرصہ میں تمام خیمے نصب دیئے گئے۔ ذرا ہی سی دیر میں فراخ اور وسیع میدان میں خیموں کا شہر آباد ہو گیا۔

رات بھر مسلمان اور عیسائی اپنے اپنے حال میں رہے صبح جب آفتاب طلوع ہوا تو مسلمان صف بستہ ہو کر میدانِ جنگ میں آگئے۔ عیسائی بھی تیروں اور پتھروں کی بارش کرنے کے لیے مستعد ہو بیٹھے۔

ملکہ میریا دروازہ کے اُوپر برج میں آکر بیٹھ گئی۔ اس نے طبل جنگ بجانے کا حکم دیا۔ طبل بجایا گیا۔ عیسائیوں نے قوی نعرے لگاتے۔ شور و غل شروع ہوا۔ قلعہ کی فصیل پر تمام عیسائی مرد چڑھ گئے۔

مسلمانوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ سب سے پہلے مسعود کے دستہ نے پیشقدمی شروع کی۔ عیسائیوں نے تیروں کی باڑھ ماری۔ کئی مسلمان شہید ہو کر گھوڑوں سے گرے۔ مسعود کو غصہ آگیا۔ اُس نے کہا "غازیانِ اسلام" ڈھالوں کی آڑ لے کر بڑھو۔

مسلمانوں نے ڈھالیں سامنے کر دیں اور تیزی سے بڑھنے لگے عیسائیوں نے شور و غل کر کے تیروں اور پتھروں کی بارش شروع کر دی۔ مجاہدین اسلام پر تیر اور پتھروں کے خاردار نہ جانے اس کثرت سے آ آکر پڑتے تھے کہ بعض اوقات آفتاب کی زرد اور ترچھی کرنیں چھپ جاتی تھیں۔ یہ بڑی جیداری اور جرأت کا کام تھا کہ اس قدر تیر اندازی اور سنگباری کے ہوتے ہوئے مسلمان برابر بڑھ رہے تھے۔

عیسائی اپنے مقدور بھر انہیں روکنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن مسلمانوں

کا سیلاب رکنے میں نہ آتا تھا۔ مسلمانوں کی یہ جرأت و ہمت دیکھ کر میریا نے کہا "یہ لوگ کس قدر جری اور نڈر ہیں کہ باوجود تیروں اور پتھروں کی بارش کے برابر بڑھے چلے آتے ہیں۔ مجھے اُمید نہیں کہ یہ مضبوط قلعہ شام تک بھی ان کے سیلاب کا مقابلہ کر سکے"۔

مسلمان ڈھالیں سامنے کیے نہ صرف خود کو بلکہ اپنے وفادار گھوڑوں کو بھی بچاتے ہوئے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ مسعود کے عقب میں شہزادہ افضل اور شاہزادہ العزیز دونوں معہ اپنے اپنے فوجی دستوں کے مسعود کی طرح بڑھ رہے تھے۔

اگرچہ اس طرح مسلمانوں کا نقصان ہو رہا تھا۔ وہ اور اُن کے گھوڑے برابر زخمی ہو رہے تھے۔ مگر اس سے اُن کی پیشقدمی میں رکاوٹ نہ ہوتی تھی۔

عیسائی کمال جوش و خروش کے ساتھ عظیم شور و غل کر کر کے تیروں اور پتھروں کا مینہ برسا رہے تھے۔ مگر ان کے بنائے کچھ نہ بنتا تھا۔ مسلمان اس طرح بڑھے چلے آرہے تھے۔ جیسے اُن پر پھولوں کی بارش ہو رہی ہو۔

بڑھتے بڑھتے وہ فصیل کے نیچے پہنچ گئے۔ یہ دیکھ کر عیسائیوں کے چہرے فرطِ رنج و خوف سے سیاہ پڑ گئے۔ انہوں نے نااُمیدی کے لہجہ میں کہا، "خداوند ہی کو یہ منظور ہے کہ ہم تباہ ہوں"۔

ایک آواز آئی "خداوند کو یہ منظور نہیں ہے۔ جرأت و ہمت سے کام لو۔ خدا فتح دے گا"۔

عیسائیوں نے اس آواز دینے والے کو دیکھا یہ ریجنالڈ آف چٹلان کا مشیر ہنری تھا۔

ہنری ریجنالڈ کے گرفتار ہونے کے بعد حطین سے بھاگ کر قلعہ طبریہ میں آگیا تھا۔ وہ جس قدر فتنہ پرداز، عیار اور مکار تھا۔ اسی قدر دلیر اور بہادر بھی

تھا۔ اس کے آنے سے عیسائیوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ انہوں نے اور بھی جوش و خروش اور شدت سے تیروں اور پتھروں کا مینہ برسانا شروع کیا۔ لیکن اب ان تیروں یا پتھروں سے مسعود اور اس کے ہمراہیوں کو کوئی خوف اور اندیشہ نہ تھا۔ وہ فصیل کے نیچے پہنچ گئے۔ اب انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا۔

مسعود نے یہاں پہنچ کر تھوڑی دیر دم لیا اور کسی قدر تازہ دم ہو کر دروازہ کی طرف بڑھا۔ دروازہ قریب ہی تھا۔ وہ بہت جلد عظیم الشان پھاٹک پر پہنچ گیا۔

یہ دروازہ بہت زیادہ اونچا اور چوڑا تھا۔ اس کی بلندی ۴۰ فٹ اور عرض ۱۰ فٹ تھا۔ اس پر ایک ایک فٹ موٹے چوبی کواڑ چڑھے ہوئے تھے۔ جن پر لوہے کی پتیوں کا جال تھا۔

مسعود نے دروازہ پر پہنچ کر کواڑوں کا معائنہ کیا۔ اس نے کواڑوں کو توڑنے کا حکم دیا۔ فوراً پچیس سوار گھوڑوں سے اتر اتر کر موٹی موٹی سلاخوں سے دروازہ توڑنے لگے۔ یہ کام نہایت مشکل تھا۔ لیکن جو لوگ ہر مشکل کو حل کرنے کے عادی تھے وہ اپنی پوری طاقت صرف کرنے لگے۔ پورے دو گھنٹہ کی محنت شاقہ کے بعد کواڑوں کے چند تختے توڑ ڈالے گئے۔

عیسائیوں کی فوج کا ایک دستہ دروازہ پر تعینات تھا۔ تختوں کے ٹوٹتے ہی اس نے مسلمانوں پر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ مسعود ڈھال کی آڑ لے کر بڑھا۔ اس نے تلوار میان سے نکال کر ہاتھ میں لے لی اور تختوں کے ٹوٹنے سے جو شگاف پیدا ہوا تھا۔ اس میں داخل ہو گیا۔

عیسائیوں نے ہر طرف سے اس پر تلواروں کا مینہ برسایا۔ اسے پیچھے ہٹنے کے لیے مجبور کیا گیا۔ لیکن وہ جان دینے کے لیے بڑھا تھا۔ پیچھے ہٹنے کے لیے نہیں۔ اس نے کمال جرأت و شجاعت سے ان تمام دلاوروں کو روکا جو کہ

جا رہے تھے اور شگاف سے دوسری طرف جا کر جنگ میں مشغول ہو گیا۔

مسعود کے بعد مجاہدین اسلام کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ایک ایک دو دو کر کے ۵۰۰۰ مسلمان دوسری طرف پہنچ گئے۔ ان سب نے تلواریں سونت لیں اور کمال جوش و خروش سے لڑنے لگے۔

اس طرح قلعہ کے دروازہ پر جنگ شروع ہو گئی۔ عیسائیوں نے جوش میں آ آ کر ہر طرف سے ان پر یورش کی۔ انہیں مار کر نکال دینے کی انتہائی کوشش کی لیکن مسلمان ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹے۔ وہ برابر جدال و قتال کرتے رہے۔

عیسائی بھی پورے جوش اور شجاعت سے لڑ رہے تھے۔ وہ ایک قدم بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھے۔ تلواروں کی جھنکار۔ زخمیوں کی چیخ و پکار اور قومی نعروں کی آواز سے تمام قلعہ گونجنے لگا۔

جب کہ لڑائی بڑے زور سے ہو رہی تھی۔ چند مسلمان دروازہ پر لگا ہوا تالا توڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ تالا توڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے تالا نیچے ڈال دیا اور لوہے کی لمبی اور موٹی سلاخیں نکال کر کواڑ کھولے۔ کواڑوں کے کھلتے ہی مسلمانوں کا ریلا دروازہ سے داخل ہوا۔ عیسائی اس ریلے سے پیچھے ہٹ گئے۔ مسلمانوں نے انہیں دبا کر دروازہ سے ہٹا دیا۔

چونکہ اس وقت عیسائیوں کا تمام لشکر اور سارے مرد فصیل پر چڑھے ہوئے تھے اس لیے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے قلعہ کے اندر زیادہ لوگ نہ تھے۔ تھوڑی دیر تک اس دستہ نے ضرور انہیں روکے رکھا جو دروازہ کی حفاظت پر متعین تھا۔ لیکن وہ بہت جلد مغلوب ہو گیا۔ ان تمام لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے مسلمانوں نے انہیں گرفتار کر لیا۔

اب آفتاب نصف النہار کے قریب پہنچ گیا تھا۔ دھوپ تمام قلعہ میں پھیل گئی تھی۔ مسلمان تمام قلعہ میں منتشر ہو گئے۔ یہ کیفیت دیکھ کر عیسائی عورتوں

اور بچوں نے چیخنا اور چلانا شروع کر دیا۔ ان نالہ و فریاد کی صداؤں کو سن کر فصیل کے اوپر لڑنے والے عیسائی متفکر ہو گئے۔ انہوں نے قلعہ کے اندر جھانک کر دیکھا۔ وہ قلعہ کے اندر مسلمان دیکھ کر گھبرا گئے۔ وہ بھاگے اور فصیل سے نیچے اترنے لگے نیچے مسلمانوں نے تلواروں سے اُن کا استقبال کیا۔ تمام قلعہ میں جنگ شروع ہو گئی۔

مسعود کے دستہ کے قلعہ میں داخل ہونے کے بعد شہزادہ الفضل اور شہزادہ العزیز بھی معہ اپنے اپنے لشکر کے قلعہ میں گھس آئے۔

عیسائی گھبرا گئے۔ وہ اپنی عورتوں اور بچوں کو بچانے کی فکر کرنے لگے چونکہ تمام عیسائی فصیل سے نیچے اتر آئے تھے اس لیے فصیل خالی ہو گئی۔ اب سلطان نے تمام لشکر کو قلعہ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ لشکر آہستہ آہستہ چلا۔

مسعود اس وقت نہایت جوش اور طاقت سے لڑ رہا تھا۔ اس کی بے پناہ تلوار عیسائیوں کو قتل کر رہی تھی۔ وہ لڑتا لڑتا اس عمارت کے قریب پہنچ گیا جس میں مسلمان قیدی بند تھے۔ اس وقت تمام قیدی کمروں میں بند پڑے تھے۔ وہ لوہے کے سلاخدار جنگلوں میں سے جھانک رہے تھے۔ سب سے آگے اشرف کھڑا تھا۔

مسعود نے اشرف کو دیکھ لیا۔ وہ عیسائیوں کو کاٹتا ہُوا اشرف کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے بلند آواز سے کہا: "اشرف خدا کا شکر ہے اُس نے پھر تمہیں مجھ سے ملا دیا۔"

اشرف مسعود کو دیکھ کر کمال خوش ہُوا۔ اس نے کہا: "دوست مجھے جلدی یہاں سے نکالو۔"

مسعود نے تلوار سے چوکھٹے کو کاٹنا شروع کر دیا۔ جب کہ وہ جنگلے کو اکھاڑنے کی کوشش کر رہا تھا چند اور مسلمان بھی اُس کے قریب آ گئے تھے اور وہ ان

عیسائیوں سے جنگ کرنے لگے تھے۔ جو مسعود کو مار ڈالنے کے لیے اس پر حملہ کر رہے تھے۔

اس جگہ کمال جوش و خروش سے جنگ ہو رہی تھی۔ عیسائی مسلمانوں پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ مسلمان اس جگہ کم تھے۔ لیکن پھر بھی وہ نہایت جوش سے لڑ رہے تھے۔

مسعود کی تمام تر توجہ جنگلا اکھاڑنے کی طرف منعطف تھی۔ اس نے یہ غلطی کی اسے یہ چاہیے تھا۔ کہ پہلے وہ ان عیسائیوں سے جنگ کرتا جو اس کے ہمراہیوں سے لڑ رہے تھے اور جب اسے اطمینان ہو جاتا تب قیدیوں کو چھڑانے کی کوشش کرتا۔ لیکن اشرف کو محبوس دیکھ کر اس کی عقل رخصت ہو گئی اور اس نے سب سے پہلے قیدیوں کو چھڑانے کی کوشش شروع کر دی۔

تھوڑی دیر کی جد و جہد کے بعد جنگلا اکھاڑ کر پھینک دیا گیا۔ اشرف جلدی سے باہر آیا۔ وہ آغوش پھیلا کر مسعود سے بغلگیر ہونے کے لیے بڑھا۔ لیکن وائے قسمت جبکہ مسعود اس کی ہم آغوش ہونے کے لیے بڑھ رہا تھا۔ ٹھیک اسی وقت ہنری اس جگہ آ گیا۔ اس نے مسعود پر تلوار سے حملہ کیا۔ چونکہ وہ اشرف کی طرف متوجہ تھا۔ اس لیے وہ ہنری کے حملہ سے نہ بچ سکا۔ اُس نے ایک چیخ ماری اور زمین پر آ رہا۔

یہ کیفیت دیکھ کر اشرف کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس نے جلدی سے مسعود کی تلوار اٹھالی اور ہنری پر حملہ آور ہُوا۔ ہنری خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔ سیکڑوں عیسائی اس کے اور ہنری کے درمیان آ گئے۔

اس عرصہ میں تمام قیدی عورتیں، مرد اور بچے قید خانہ سے باہر آ گئے اشرف نے الفضل، منصور، زبیدہ اور عائشہ کو مسعود کی خبرگیری کرنے کی ہدایت کی اور مجروح کو اُن کے پاس کھڑا ہُوا چھوڑ کر خود نہایت دلیری سے عیسائیوں پر

حملہ کر دیا۔

ابھی تک تمام قلعہ میں نہایت خونریز جنگ ہو رہی تھی۔ سارا قلعہ مختلف آوازوں سے گونج رہا تھا۔ اشرف لڑتا عیسائیوں کو قتل کرتا دور تک چلا گیا۔

تقریباً نصف گھنٹہ میں عیسائیوں نے ہتھیار پھینک دیئے۔ وہ امان امان چلانے لگے۔ شہزادہ الفضل نے جنگ بند کر کے عیسائیوں کو گرفتار کر لینے کا حکم دیا۔

مسلمانوں نے ایک سرے سے سب کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ سب سے پہلے ملکہ میری گرفتار کی گئی اس کے بعد تمام عیسائی مرد۔ عورتیں اور بچے گرفتار کر لیے گئے۔ جب گرفتاری عمل میں آنے لگی تو اشرف واپس لوٹ کر اس جگہ آیا جہاں مسعود زخمی ہوا تھا۔ وہ ابھی تک اسی جگہ پڑا تھا۔ الفضل، منصور، عائشہ اور زبیدہ اس کی خبرگیری کر رہے تھے۔ تمام قیدی مسعود کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ لیکن مشرق کی حور مہ جبیں کا کہیں پتہ نہ تھا۔

اشرف اس حوروش کو نہ دیکھ کر بیتاب ہو گیا۔ اس نے آتے ہی لوگوں سے دریافت کیا۔ لیکن کسی کو بھی معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں چلی گئی۔ سب لوگ مسعود کی طرف متوجہ تھے۔ کوئی بھی کچھ نہ بتا سکا۔ فوراً اس کی تلاش شروع ہوئی۔ سارا قلعہ چھان مارا۔ لیکن مہ جبیں کا کچھ سراغ نہ چلا۔ سب کو کمال حیرت ہوئی۔ اشرف کو دوہرا صدمہ ہوا۔ ایک مسعود کے زخمی ہونے کا اور دوسرا مہ جبیں کی مفقود الخبری کا۔ چونکہ وہ عرصہ تک قید رہا تھا۔ بہت زیادہ کمزور ہو گیا تھا۔ اس لیے ان صدمات کو برداشت نہ کر سکا۔ وہ کھڑا ہی کھڑا غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔

۱۳

محبت کا اعتراف

سعید نے انگیس کی مدد سے رات ہی کو پادری کے زخموں پر مرہم لگا کر پٹی کس دی۔ ابھی رات باقی تھی۔ سعید نے گرجہ کا دروازہ بند کر دیا۔ وہ اور انگیس پادری کے پاس بیٹھ گئے۔ پادری کو سخت تکلیف تھی۔ وہ کراہ رہا تھا۔ انگیس اسے تکلیف میں دیکھ کر بے چین ہو رہی تھی۔ اور سعید اس کی بے چینی سے متاثر ہو رہا تھا۔

اس کمرہ میں موم بتی روشن تھی۔ لیکن اس کی روشنی اس قدر مدھم تھی کہ کوئی چیز صاف نظر نہ آتی تھی۔ پھر بھی انگیس کے رخ روشن پر اس روشنی کا عکس پڑ کر اس کے منور چہرہ کو جگمگا رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں پادری نے آنکھیں کھولیں۔ اس نے سعید اور انگیس کو بیٹھے ہوئے دیکھ کر کہا: "ابھی رات زیادہ باقی ہے۔ تم دونوں ادھر چٹائیوں پر پڑ کر آرام کرو۔"

انگیس نے نغمہ زا لہجہ میں کہا: "نہیں، نہیں!! ہمیں آرام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب صبح ہوا ہی چاہتی ہے آپ اطمینان سے آرام کریں۔"

پادری نے اصرار کے لہجہ میں کہا: "میری عزیز بیٹی مجھے اس وقت آرام ملیگا۔ جب تم آرام کرو گی۔ شریف نوجوان! تم بھی تھوڑی دیر کمر سیدھی کر لو۔"

پادری کے اصرار سے دونوں مجبور ہو گئے۔ دونوں چٹائیوں پر جا پڑے۔ پچھلی رات کا وقت تھا۔ نسیم سحری چلنے لگی تھی۔ کچھ دیر کے لیے دونوں سو گئے پادری

پر بھی غنودگی طاری ہو گئی۔ جب وہ بیدار ہوئے تو سورج نکل آیا تھا۔ سعید اُٹھ کر گرجے سے باہر آیا۔ اس نے حوائج ضروری سے فراغت پا کر وضو کیا اور صبح کی قضا نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر وہ پھر گرجہ میں داخل ہوا۔ اُس عرصہ میں اگینس نے بھی حوائج ضروریہ سے فراغت پالی تھی۔ اس وقت وہ زخمی پادری کے قریب بیٹھی ہوئی تھی۔ پادری جاگ رہا تھا۔ اس کمرہ میں دریچوں کے ذریعہ آفتاب کی شعاعیں ناچتی ہوئی داخل ہو ہو کر اگینس کے پیارے پیارے چہرہ پر پڑ رہی تھیں۔ ان شعاعوں کے پڑنے سے اس کا منور چہرہ روشن تر ہو گیا تھا اُس کے رُخِ روشن پر نظر نہ ٹھہرتی تھی۔ اب جو سعید نے اُس طالبِ فریب کو دیکھا تو حیران و ششدر رہ گیا۔

اگینس نہایت خوبصورت تھی۔ اس کی پیشانی کشادہ اور روشن تھی۔ آنکھیں بڑی بڑی تھیں جن میں شرم و حیاء کے ساتھ ساتھ بجلیاں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔ ناک نہایت موزوں تھی۔ رخسار بھرے بھرے اور سُرخ و سپید تھے۔ چہرہ گول تھا۔ گردن قدرے لمبی، صراحی دار اور پُرنور تھی۔ لب پتلے اور کسی قدر گلابی تھے۔ دانت چھوٹے چھوٹے سفید، خوبصورت بالکل موتیوں کی لڑی جیسے تھے۔ بھویں گھنی سیاہ قوسِ قزح کی طرح تھیں۔ سر کے بال دراز بھونرے سے زیادہ کالے اور ریشم سے زیادہ ملائم تھے۔ جسم سڈول بازو بھرے بھرے اور عنفوان شباب ہونے کی وجہ سے ثمرِ جوانی نمایاں تھے۔ وہ گلابی بیش قیمت ریشمی پوشاک پہنے ہوئے تھی۔ نہایت حسین معلوم ہو رہی تھی۔

سعید اس بُت نوخیز کو دیکھ کر حیرت استعجاب میں غرق رہ گیا۔ وہ ٹکٹکی باندھ کر شیریں ادا اگینس کو دیکھنے لگا۔ اگینس کی نظر بھی اس کی طرف اُٹھ گئی۔ وہ اُسے محبت پاش نظروں سے اپنی طرف دیکھتے ہوئے دیکھ کر شرما گئی۔ اس کی اس ادائے جانانہ نے سعید کے خرمن صبر و قرار پر بجلی گرا دی۔ اس پر

غشی طاری ہونے لگی۔ خیریت ہوئی کہ جب وہ بیہوش ہونے کو تھا، پادری نے اس سے مخاطب ہو کر کہا "اے شریف اور نیک دل مسلم نوجوان آگے بڑھ آؤ۔"

سعید چونک پڑا۔ اس کا خیال اگینس کی طرف سے ہٹ گیا۔ غشی پر ہونے والا غلبہ جاتا رہا۔ وہ پادری کی طرف بڑھا۔ اس کے قریب بیٹھ کر اُس نے دریافت کیا: "فرمائیے۔ اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

پادری نے ہلکی آہ بھرتے ہوئے کہا: "اچھی ہے۔ میں تمہارا مشکور ہوں تم نے مجھے بچا لیا۔"

سعید: یہ ظالم بدرد کون تھے اور آپ سے کیا دریافت کرتے تھے؟

پادری: یہ طبریہ کے اوباش عیسائی تھے۔ مجھ سے اس خزانہ کی بابت دریافت کرتے تھے جو پہاڑی پر دفن ہے۔

سعید کو حیرت ہوئی۔ آج اس نے سات سال کے بعد پھر خزانہ کا تذکرہ سُنا جس کی واقفیت کے شبہ میں وہ تیرہ تار جیلخانہ میں ٹھونس دیا گیا تھا۔ اُس نے حیرت و شوق بھرے لہجہ میں دریافت کیا: "کیا آپ کو اس خزانہ کا علم ہے؟"

پادری: ہاں مجھے وہ جگہ معلوم ہے۔ خزانہ دفن کرنے والوں میں ایک میں بھی تھا۔

سعید: گویا تم بھی شہزادی کے معتمدوں میں سے ایک ہو۔

پادری: جی ہاں شہزادی کو سب سے زیادہ بھروسہ سب سے زیادہ اطمینان اور سب سے زیادہ اعتماد مجھ پر ہی تھا

سعید: مگر اس بات کو تو بہت زیادہ عرصہ ہوا؟

پادری: ۳۰ سال سے زیادہ ہو گئے۔ اس وقت میری عمر ۱۰ سال کی تھی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کل کی بات ہے۔

سعید: شاید خزانہ دفن کرنے والوں میں سے ابھی اور بھی زندہ ہوں۔

پادری: نہیں صرف میں ہی سخت جان زندہ ہوں۔ اس لیے لوگ میرے ہی پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ویلنڈ نے مجھ پر اس قدر سختیاں کیں کہ میرا ہی دل جانتا ہے میں اس کے مظالم سے تنگ آ کر گرجہ میں داخل ہُوا۔ گرجہ نے میری اعانت کی بڑی مشکل سے میں نے ویلنڈ کے ظلم و ستم سے رہائی پائی۔

سعید: بُرے لوگ ہیں۔ بُرا زمانہ ہے۔

پادری: بہت بُرا زمانہ آ گیا ہے جن لوگوں نے رات مجھ پر حملہ کیا ہے وہ عرصہ سے میری تاک میں تھے۔ میں ان کے خوف سے شہر چھوڑ کر اس گمنام جگہ پر آ گیا تھا۔ کم بختوں نے یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ نیک دل نوجوان تمہارا کیا نام ہے۔

سعید: میرا نام سعید ہے!

جس وقت سعید نے اپنا نام بتایا اُسی وقت حور وش اگینس نے اُسے دیکھا۔ اتفاق سے سعید کی نظر بھی اس پر جا پڑی۔ تیر نظر نے سعید کے دل پر اور چرکہ لگایا۔ پادری نے کہا۔ سعید! بیٹی اگینس میرے ساتھ ہوا خوری کو جایا کرتی تھی۔ آج میں اُس کے ساتھ نہیں جا سکتا۔ مہربانی کر کے تم اس کے ساتھ چلے جاؤ؟

سعید تو خدا سے چاہتا تھا۔ اس نے کہا میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کرنے کے لیے حاضر ہوں۔

پادری نے اگینس سے مخاطب ہو کر کہا: "بیٹی! تم سعید کے ہمراہ تھوڑی دیر ہوا خوری کر آؤ۔"

اگینس نے شرم افزا لہجہ میں کہا: "آج میری طبیعت مضمحل ہے کہیں جانے کو جی نہیں چاہتا۔

پادری: نہیں! نہیں، ہوا خوری کر آؤ۔ اس سے طبیعت درست ہو جائیگی پادری نے یہ الفاظ کچھ اس طرح کہے کہ اگینس کو کچھ اور کہنے یا انکار کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ سعید بھی اُٹھا۔ دونوں گرجہ سے باہر نکل آئے۔

اس وقت آفتاب کسی قدر بلند ہو گیا تھا۔ زردی مائل دھوپ درختوں کی پھنگوں اور اُونچی چٹانوں کی چوٹیوں پر پھیل گئی تھی۔ گرمیوں کا موسم تھا۔ ہوا نہایت خوشگوار چل رہی تھی۔ سبزہ زار پہاڑی پر زرد زرد دھوپ نہایت ہی بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ اگینس اور سعید دونوں آہستہ آہستہ سبزہ کو پامال کرتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ دونوں خاموش تھے۔ کچھ دُور چل کر سعید نے سلسلۂ گفتگو شروع کیا۔ اُس نے پوچھا۔ تم کب سے اس گرجہ میں رہتی ہو؟

اگینس نے ایسے لہجہ میں جو سعید کو بہترین موسیقی نواز معلوم ہوا جواب دیا! میں نے اسی گرجہ میں ہوش سنبھالا ہے!۔

سعید: تم تنہا رہتی ہو۔ اس سے تمہارا جی نہیں گھبراتا؟

اگینس: کبھی کبھی طبیعت پریشان ہو جاتی ہے۔

سعید: کاش! تم آبادی میں چلکر رہو لوگ تمہیں دیکھیں!

اگینس نے غلط انداز نظروں سے سعید کو دیکھ کر دریافت کیا۔ اس سے کیا ہو گا؟۔

سعید نے از خود رفتگی سے کہا: "جو لوگ حوروں کے وجود کے قائل نہیں وہ مان جائیں گے۔

اگینس شرما گئی۔ اس نے اپنا نازک سر جھکا لیا۔

سعید نے پھر کہا: "اگینس خدا کی قسم اسقدر خوبصورت ہو کر دنیا کو اپنے اشارے پر نچا سکتی ہو۔

اگینس نے مسکرا کر کہا: "کیوں نہیں شاید تم بھی میرے اشارہ پر ناچنے کو تیار ہو۔

سعید نے بیساختہ پن سے کہا: "کیوں نہیں آخر میں بھی تو انسان ہی ہوں، میں نے جب سے تمہیں دیکھا ہے۔ میں بیان نہیں کر سکتا جو میرے دل کی

کیفیت ہے "
اگنیس ہنس پڑی۔ ہنسنے سے اس کے موتی جیسے دانت نظر آنے لگے اس کا چہرہ اور بھی خوبصورت ہوگیا۔ اس نے کہا: "آپ کے دل کی کیا کیفیت ہے؟"
سعید: کچھ عجب حالت ہے میں بیان کرنا چاہتا ہوں لیکن نہیں کر سکتا!
اگنیس نے لگاوٹ آمیز ادا سے کہا: "جب کوئی بات ہی نہیں تو بیان ہی کیا کرو۔"
سعید نے سوخ ادا اگنیس کو سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ اُس کی جادو بھری آنکھیں شوخی کے تیر برسا رہی تھیں۔
سعید نے کہا: "اگنیس میرے دل پر تیری بھولی صورت نے قبضہ کر لیا ہے۔"
اگنیس پر شرم طاری ہوگئی۔ سعید نے اس کا نرم و نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا: "مخمور ادا اگنیس! تم نے مجھ پر جادو کر دیا ہے مجھے افسوس ہے کہ میں پہلی ہی ملاقات میں اظہار خیال کر رہا ہوں۔ لیکن مجبور ہوں زیادہ دیر تمہارے پاس ٹھہر نہیں سکتا۔ اندیشہ ہے کہ شاید آئندہ تنہائی کا موقعہ نہ ملے اس لیے۔۔۔
اگنیس نے ایسی نظروں سے جن میں حیرت۔ افسوس اور حسرت ملے ہوئے تھی۔ گھبراتے ہوئے لہجہ میں قطع کلام کر کے کہا: کیا تم چلے جاؤ گے؟
سعید نے گفتگو کی رو میں جواب دیا: "جانا ہی پڑے گا"
اگنیس۔ مقدس باپ کو اسی حالت میں چھوڑ جاؤ گے؟
سعید: میں عمر بھر یہاں سے جانا نہیں چاہتا۔ لیکن اس خیال سے کہ شاید پادری کو میرا یہاں رہنا ناگوار ہو چلا جاؤں گا۔
اگنیس نے جوشش بھرے لہجہ میں کہا: "انہیں کبھی ناگوار نہ ہوگا۔"
سعید نے متانت سے کہا: "تب شاید میں ٹھہر سکوں۔ لیکن "۔۔۔
اگنیس: لیکن کیا؟

سعید: اگر خفا نہ ہوں تو عرض کروں۔
اگنیس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ بے خوفی سے کہو! میں خفا نہ ہونگی۔
سعید نے محبت بھری نظروں سے پر جمال اگنیس کو دیکھ کر کہا۔
تمہارے پاس رہتے ہوئے میں اپنے دل پر قابو نہ رکھ سکوں گا۔
اگنیس نے سر جھکا لیا۔ سعید نے کہا: "اگنیس! مجھے ایک بات بتا دو؟
اگنیس نے حیا پرور آنکھوں سے سعید کو دیکھ کر کہا: "کیا۔؟
سعید۔ کیا تم میری محبت کی قدر کرتی ہو؟
اگنیس: "رات تم نے مجھ پر احسان کیا ہے میں تمہاری ممنون ہوں"
سعید۔ ممنونیت کو رہنے دیجئے میں محبت کے متعلق دریافت کر رہا ہوں!
اگنیس۔ میں تمہاری محبت کی قدر کرتی ہوں۔
سعید: گویا تمہیں بھی مجھ سے محبت ہوگئی ہے؟
اگنیس۔ ہاں!
یہ کہتے ہی اگنیس شرما گئی۔ سعید نے خوش ہو کر اس کا نازک ہاتھ چوم لیا۔
اب آفتاب زیادہ بلند ہوگیا تھا۔ دھوپ میں حرارت پیدا ہوگئی تھی۔
ان دونو دلدادگان الفت کو پادری کے پاس سے آتے ہوئے دیر ہوگئی تھی۔
اس لیے اگنیس نے کہا۔ آئیے اب واپس لوٹیں۔
اگرچہ سعید واپس لوٹنا نہ چاہتا تھا۔ لیکن اُسے اگنیس کے حکم سے سرتابی کی بھی جرأت نہ تھی۔ اس لیے وہ واپس لوٹ پڑا۔ دونو آہستہ آہستہ چل کر گرجے کے قریب آئے۔ گرجے کے دروازہ پر خون کے دھبے پڑے ہوئے تھے۔ جو بالکل تازہ تھے۔ اگنیس نے دریافت کیا: "یہ خون کے دھبے کیسے پڑے ہیں؟ "۔۔۔
سعید نے کہا: "تعجب ہے آؤ پادری سے چلکر دریافت کریں گے!

دونو جلدی سے گرجہ میں داخل ہو کر پادری کے کمرہ میں پہنچے۔ کمرہ خالی تھا پادری کا پتہ نہیں تھا۔ البتہ جس چٹائی پر پادری کر پڑا ہُوا چھوڑ گئے تھے وہ خون میں ڈوبی ہُوئی تھی —

یہ دیکھتے ہی اگینس کو اسقدر صدمہ ہُوا کہ وہ ہائے باپ کہکر سعید کی گود میں گر پڑی۔ سعید نے اُسے اپنے سینہ سے لگا لیا۔ لیکن جب اس نے اُسے آہستہ آہستہ اپنے سینہ سے الگ کیا تو وہ بیہوش ہو چکی تھی۔ سعید گھبرا گیا۔ اس نے آہستہ سے اُسے ایک دُوسری چٹائی پر لٹا دیا اور اُسے ہوش میں لانے کی فکر کرنے لگا

۱۴

"اسیر بلا"

جبکہ مُغیری نے پیچھے سے آکر مسعود کو زخمی کر دیا اور اخرف نے دوست کا انتقام لینے کے لیے جوش وخروش سے اس پر حملہ کیا۔ وہ عیسائیوں کو مارتا کاٹتا دُور تک بڑھا چلا گیا۔ مہجبین اسوقت ایک طرف کھڑی اخرف کے دلیرانہ حملوں کی کیفیت دیکھ رہی تھی۔ اس کی دلیری اور جرأت دیکھ دیکھکر اُسے مسرت ہو رہی تھی۔ وہ شان بے نیازی کے ساتھ کھڑی نظارہ کناں تھی۔ تبسم اس کے لبوں پر لوٹ رہا تھا۔ اسوقت وہ حُسن وجمال کی ملکہ معلوم ہو رہی تھی اِسے اس جگہ کھڑے ہُوئے زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ عیسائیوں کا ریلا آیا۔ اس کی نظریں طرف تھی جس طرف اخرف گیا تھا۔ وہ ریلے میں آکر پیچھے ہٹتی چلی گئی۔ یہاں تک پیچھے ہٹی کہ اپنے ہمراہیوں سے جُدا ہو گئی۔

عیسائیوں کو شکست ہو گئی تھی۔ وہ غول کے غول بے ترتیبی کے ساتھ بھاگ رہے تھے۔ ہر غول یا ہر گروہ مہجبین کی طرف آتا تھا۔ اور اُسے پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیتا تھا۔ ناز آفرین لڑکی گھبرا رہی تھی۔ وہ اپنے ساتھیوں کے پاس پہونچنا چاہتی تھی لیکن کوئی سبیل نظر نہ آتی تھی۔

اسوقت تمام قلعہ میں افراتفری کی حالت تھی۔ مسلمان عیسائیوں کو گرفتار کر رہے تھے۔ عیسائی مرد۔ عورتیں اور بچے سہمے۔ گھبراتے۔ پریشان حال بھاگے پھر

لپٹے تھے۔ کوئی رو رہا تھا۔ کوئی چلا رہا تھا۔ اور کوئی مسلمانوں کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑا تھا۔

آج اُن عیسائیوں نے جو پُرامن زندگی گذرنے کے عادی تھے۔ اُن عیسائیوں پر جو ظلم و ستم کیا کرتے تھے اور جن کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر مسلمانوں نے فریاد کی تھی اور سلطان ان مسلمانوں کی امداد کو اُٹھ کھڑا ہُوا تھا لعنت بھیجی۔

دراصل عیسائیوں کے وحشیانہ مظالم کی داستانیں سن سن کر ہی سلطان عیسائی ممالک پر حملہ آور ہُوا تھا۔ خدا نے اُسے فتح دی۔ اُس نے طبریہ کا شہر اور قلعہ دونوں فتح کر لیے۔

اگرچہ سلطان عیسائیوں سے سخت ناخوش تھا۔ لیکن اُس نے انتقام کے جوش میں آنکھوں پر پٹی نہیں باندھ لی۔ اس نے قلعہ میں داخل ہوتے اعلان کر دیا کہ کسی مکان میں آگ نہ لگائی جائے۔ کوئی گرجہ منہدم نہ کیا جائے۔ جو عیسائی ہتھیار ڈال دے اُسے قتل نہ کیا جائے۔ بڈھوں، عورتوں اور بچوں پر کسی قسم کی سختی نہ کی جائے۔

مسلمانوں نے سلطان کے اس حکم کی پوری پُوری تعمیل کی اس وجہ سے گرجہ تو گرجہ کوئی مکان بھی نہ منہدم کیا گیا۔ نہ جلایا گیا۔ شہر اور قلعہ طبریہ کی تمام عمارتیں بدستور رہیں۔ البتہ گرفتاری عام طور پر شروع کر دی گئی۔

مہ جبین راستہ کے کنارہ پر کھڑی ہوئی اس بات کا انتظار کر رہی تھی کہ عیسائیوں کی آمد و رفت میں کمی آ جائے۔ راستہ صاف ہو جائے تو وہ بڑھ کر اپنے ساتھیوں سے جا ملے لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے تمام قلعہ کے نصرانی اسی طرف سے گذر رہے ہیں۔ لوگوں کا تانتا لگا ہوا تھا۔ ایک گھنٹہ کھڑے ہونے پر بھی نازآفریں مہ جبین کو اتنا موقعہ نہ مل سکا کہ وہ یہاں سے بڑھ کر اپنے ساتھیوں سے جا ملتی۔

عیسائی کچھ آہستہ آہستہ نہ جا رہے تھے۔ بلکہ وہ بھاگ رہے تھے۔

مسلمانوں اُن کے تعاقب میں تھے۔ بھاگ دوڑ، پکڑ دھکڑ نہایت زور شور سے جاری تھی۔ تمام راستہ عیسائیوں، مسلمانوں اور مطلق العنان گھوڑوں سے بھرا ہوا تھا۔

تقریباً دو گھنٹے کے بعد قریب قریب تمام عیسائی گرفتار کر لیے گئے۔ اب راستہ کسی قدر صاف ہو گیا۔ مہ جبین نے بڑھنے کا ارادہ کیا۔ ابھی وہ ایک قدم بھی نہ چلی تھی کہ سامنے سے ہنری آ گیا۔ وہ نہایت تیزی سے گھوڑا دوڑاتے چلا آ رہا تھا۔ اس کے ساتھ چند عیسائی سوار تھے۔ مہ جبین اُس خونخوار انسان کو پہچانتی تھی۔ وہ اُسے دیکھ کر سہم گئی۔

ہنری یا تو دوڑا چلا آ رہا تھا یا دور سے مہ جبین کو دیکھ کر اُس نے اپنی رفتار دھیمی کر دی۔ اور اس مشرقی حُور کے پاس آ کر گھوڑا روک لیا۔

مہ جبین نے اپنی ہوشربا نظریں اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ اُسے قریب کوئی مسلمان نظر نہ آیا۔ وہ گھبرا گئی۔ اُس کی خوبصورت آنکھوں سے خوف کی علامتیں ظاہر ہونے لگیں۔ بھولے اور پیارے چہرہ کا رنگ اُڑ گیا۔ ہنری نے گھوڑا روکتے ہی کہا: "نازآفریں پریجمال لڑکی تم یہاں ہو۔ میں نے تمہیں فضول ہی سارے قلعہ میں ڈھونڈا ہے۔"

یہ کہتے ہی وہ گھوڑے سے نیچے اتر پڑا۔ حور وش مہ جبین سہم گئی۔ اس نے خوفزدہ ہرنی کی طرح ایک دفعہ اِدھر اُدھر دیکھا۔ افسوس اب بھی کوئی مسلمان اُس کے قریب نہ تھا۔

اگرچہ مسلمان سارے قلعہ میں بکھرے پڑے تھے۔ وہ ہر جگہ عیسائیوں کو گرفتار کر رہے تھے۔ لیکن مہ جبین سے سب دُور تھے!

ہنری نے پھر کہا: "شیریں ادا لڑکی! میں تمہاری تلاش میں تھا۔ تمہاری چاند سی صورت نے مجھے تمہارا گرویدہ کر دیا ہے۔ میرے بہت سے ساتھی

بھاگ گئے ہیں۔ لیکن میں نہیں بھاگا۔ میں تمہیں ڈھونڈ رہا تھا۔ آخر میرے جذبۂ دل نے رہنمائی کی اور میں نے تمہیں پا لیا۔ آؤ اب تم میرے ساتھ چلو۔"

پُر جمال مہ جبین کے نازک لبوں پر خشکی دوڑ گئی تھی۔ اس کا چاند سے زیادہ روشن چہرہ فرطِ خوف سے عرق آگیں ہو کر ایسا ہی نکھر آیا تھا۔ جیسا گلاب کا پھول شبنم کے پڑنے سے بھیگ کر نکھر آتا ہے۔ وہ اس وقت بہت ہی زیادہ پیاری اور حسین نظر آنے لگی تھی۔ اُس نے لرزتے لہجہ میں جواب دیا۔

"میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتی۔"

ہنری نے کہا "ضد نہ کرو۔ وقت نازک ہے۔ مسلمانوں کے آجانے کا خوف ہے۔ دلرُبا! میرے ساتھ چلو۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ عمر بھر تمہاری تابعداری کروں گا۔ تمہیں شہزادیوں کی شان سے رکھوں گا۔ سینکڑوں کنیزیں اور خادمائیں تمہاری خدمت پر مامور کی جائیں۔

مہ جبین نے نفرت آمیز نظروں سے ہنری کو دیکھ کر کہا "مجھے پریشان نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہرگز نہ جاؤں گی۔

ہنری نے کہا۔ تمہیں ضرور میرے ساتھ چلنا ہوگا۔ میں وقت کو باتوں میں ضائع نہیں کر سکتا۔

یہ کہتے ہی ہنری نے اپنے چند ہمراہیوں کی طرف اشارہ کیا۔ وہ گھوڑوں سے اُترے۔ انہوں نے نازک اندام مہ جبین کو اپنے قابو میں کر کے ریشم کی ڈور سے باندھنا شروع کر دیا۔

حورِ وش مہ جبین نے اپنی پوری طاقت سے رہائی کی جدوجہد کی لیکن وہ دبلی پتلی تھی۔ قوی ہیکل نصرانیوں کے سامنے اس کی ایک بھی پیش نہ گئی۔ اسکے چہرہ کی سُرخی اڑ گئی۔ نازک اور عنابی لب کانپنے لگے۔ ہنری نے اُسے اپنے گھوڑے پر سوار کیا۔ خود بھی پیچھے جا بیٹھا۔ اور تیزی سے دروازہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس کی

خوش قسمتی سے اسے دروازہ تک ایک بھی مسلمان نہ ملا۔ تمام مسلمان قلعہ کے اندر عیسائیوں کی گرفتاری میں مشغول تھے!

سلطان اور اس کے تجربہ کار سرداروں سے یہ غلطی واقع ہوئی تھی کہ انہوں نے کوئی فوجی دستہ دروازہ پر تعینات نہیں کیا تھا۔ ہنری کو موقعہ مل گیا وہ تیزی سے چلکر دروازہ پر آیا۔ اور مسرت خیز نعرہ لگا کر قلعہ سے باہر نکل گیا۔ باہر آتے ہی اُس نے شمال کی طرف گھوڑے کو سرپٹ چھوڑ دیا۔ اس کے ساتھ آٹھ دس سوار تھے۔ انہوں نے بھی اُس کی تقلید کی۔ اس طرح حُور ادا مہ جبین وحشی ہنری کے ہاتھوں میں پڑ کر پھر اسیر ہو گئی۔

۱۵

مسیحِ دمِ دوشیزہ

مسعود زخمی ہو کر گر گیا تھا۔ اشرف کے سامنے وہ زخمی ہوا تھا۔ اشرف سخت متاثر ہوا۔ وہ جوشِ محبت کو نہ روک سکا۔ زیادہ غم و غصّے سے دیوانہ ہو گیا۔ وہ مسعود کی تلوار اٹھا کر اس کے زخمی کرنے والے پر حملہ آور ہوا۔ اگر عیسائیوں کا اژدہام سامنے نہ آ جاتا، تو وہ یقیناً ہنری کو قتل کر کے مسعود کا انتقام لے لیتا۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ عیسائیوں کا غول اس کے اور ہنری کے درمیان حائل ہو گیا۔ اس نے جوش و غضب میں بھر کر عیسائیوں پر حملہ کیا۔ اُس کی بے پناہ تلوار نے متعدد دشمنوں کو قتل کر کے زمین پر گرا دیا۔ مگر عام عیسائیوں کے مارے جانے سے نہ اُس کا غصّہ فرو ہوا۔ نہ جوش میں کمی واقع ہوئی۔ آخر عیسائی اُس کے سامنے سے پسپا ہو کر فرار ہونے لگے۔ رفتہ رفتہ میدان صاف ہو گیا۔ اب وہ مسعود کے پاس آیا۔ یہاں آ کر اُس نے مہ جبین کو غائب دیکھا۔ مسعود کے زخمی ہونے کا اسے غم تھا ہی۔ دوسرا صدمہ یہ ہوا۔ جیل خانہ کی زندگی نے اُسے مضمحل کر ہی رکھا تھا۔ وہ بیہوش ہو گیا۔ الفضل، منصور اور دوسرے قیدی گھبرا گئے۔

اگرچہ اشرف نوجوان تھا۔ جوانوں میں جوش و غصّہ زیادہ ہوتا ہے لیکن اشرف میں بیجا جوش اور فضول غصّہ نہ تھا۔ وہ عادت کا شریف دل کا نیک اور بامروت نوجوان تھا۔ جو لوگ اُس کے ساتھ قید تھے انہیں سب کو اس

سے بہت زیادہ محبت ہو گئی تھی۔ اس وقت اس کے اچانک بیہوش ہو جانے سے سب کو افسوس ہوا۔

مسعود بھی ابھی تک بے ہوش پڑا تھا۔ اس کے زخم سے خون کے قطرے بہہ رہے تھے۔ اتفاق سے اسی طرف شہزادہ الفضل آ نکلا۔ اسے مسعود کو زخمی دیکھ کر کمال رنج ہوا۔ اس نے فوراً اپنے ہمراہیوں کو اسے وہاں سے اٹھا کر کسی پُرتکلف مکان میں لیجانے کا حکم دیا۔ مسعود کو اٹھا کر شاہی قصر میں لیجایا گیا۔ اشرف کو بھی ہوش آ گیا تھا۔ وہ بھی مع تمام ان لوگوں کے جو جیلخانہ میں اس کے ساتھ رہے تھے قصرِ شاہی میں چلا گیا۔ شہزادہ الفضل کو مہ جبین کی مفقود الخبری کا واقعہ سُنا دیا گیا۔ شہزادہ نے فوراً اس حور وش کو تلاش کرنے کا حکم دیا۔ سب سے پہلے اس نے دروازوں پر سپاہی تعینات کیے۔ انہیں حکم دیا کہ کوئی شخص بھی بغیر اُس کی اجازت کے کسی طرح قلعہ سے باہر نہ نکلنے دیا جائے۔ یہ کارروائی دیر میں ہوئی۔ اس وقت جبکہ پریجمال مہ جبین قلعہ سے باہر لیجائی جا چکی تھی۔ کاش یہ حکم ایک گھنٹہ پہلے دیا جاتا لیکن قضا و قدر کو یہی منظور تھا۔

جبکہ الفضل نے قلعہ کی ناکہ بندی کر کے مہ جبین کی تلاش کے احکام جاری کیے تھے۔ ساتھ ہی شاہی معالج کو بھی طلب کیا تھا۔ معالج یا طبیب آ گیا تھا۔ شہزادہ نے اسے مسعود کا علاج کرنے کا حکم دیا۔ طبیب نے اشرف کی مدد سے مسعود کے کپڑے اتار کر اُس کے زخم کو دھو کر صاف کیا اور دوا چھڑک کر پٹی کس دی۔ اس تمام کارروائی کے دوران میں مسعود برابر غفلت کی حالت میں رہا۔

اگرچہ اشرف مہ جبین کے لیے سخت بے چین و مضطرب تھا۔ اس کا دل اس کی تلاش کے لیے اسے دمبدم آمادہ کر رہا تھا۔ لیکن دوستی اس سے اپنا حق طلب کر رہی تھی۔ وہ اپنے مخلص دوست مسعود کو اس حالت میں چھوڑ کر نہ جا سکتا تھا۔ چنانچہ ضبط و صبر کر کے مسعود کی تیمارداری میں مشغول تھا۔

لشکر کے تمام مسلمانوں کو حور وش مرجبین کی گم شدگی کی اطلاع ہو گئی تھی۔ وہ قلعہ کے چپہ چپہ پر پھیل گئے تھے۔
نصرانیوں کا ہر محلہ۔ ہر مکان۔ مکان کا ہر گوشہ ہر گرجہ دیکھ ڈالے گئے تھے لیکن اس کا کہیں پتہ نہ چلا تھا۔

اشرف کو یہ بھی خیال تھا کہ مسلمانوں نے قلعہ فتح کر لیا ہے۔ کوئی شخص بھی مرجبین کو قلعہ کے اندر چھپائے رکھنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ وہ جلدی یا بدیر مل جائے گی۔ اس لیے کسی قدر اس کی طبیعت کو ڈھارس تھی۔ البتہ چونکہ ابھی تک مسعود کو ہوش نہیں آیا تھا۔ اس لیے وہ اس کی طرف سے سخت متشوش و متفکر تھا۔

کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ دو دوستوں کو گردش زمانہ نے جدا کر دیا تھا جب ان کے ملنے کا وقت آیا تو خوبیٔ قسمت سے ایک ان میں سے زخمی ہو گیا۔ دونوں کا شوق ملاقات دل ہی میں رہ گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد عبدالرحمٰن مسعود کے والد اور عبداللہ مسعود کے چچا کو بھی مسعود کے زخمی ہونے کی خبر مل گئی۔ یہ دونوں بزرگ فوراً شاہی قصر میں پہنچے شہزادہ الفضل نے انہیں مسعود کے پاس پہنچا دیا۔

مسعود ایک وسیع کمرہ میں کوچ پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کے قریب بھولی کمسن اور خوبصورت عائشہ بیٹھی ہوئی تھی۔ عائشہ کے قریب ہی اشرف منصور اور زبیدہ بیٹھے ہوئے تھے۔ عبدالرحمٰن۔ عبداللہ اور شہزادہ بھی خالی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ طبیب کوچ پر بیٹھا مسعود کی نبض دیکھ رہا تھا۔ مسعود ابھی تک بیہوش تھا ——

عبدالرحمٰن اپنے بیٹے کو موت کے کنارہ دیکھ کر بے چین ہو گیا۔ اس کا دل بھر آیا۔ آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ اس نے طبیب سے مخاطب ہو کر دریافت کیا۔ مہربانی کر کے مجھے بتائیے کہ کوئی خطرناک بات تو نہیں ہے؟

طبیب نے کہا گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ یہ مریض کا کمرہ ہے خاموش بیٹھے رہیے۔

عبدالرحمٰن دریافت تو بہت کچھ کرنا چاہتا تھا لیکن طبیب کی ہدایت نے اُسے خاموش رہنے پر مجبور کر دیا۔

تمام کمرہ میں خاموشی طاری تھی۔ ہر شخص متفکر اور مغموم تھا لیکن سب سے زیادہ پریشان۔ سب سے زیادہ بے چین اور سب سے زیادہ غمزدہ بھولی عائشہ معلوم ہو رہی تھی۔ اُس کی خوبصورت اور حیا پرور آنکھیں مسعود کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ ان موہنی آنکھوں سے غم و افسوس کا اظہار ہو رہا تھا۔ ماہتابی چہرہ کا سرخ رنگ اڑا ہوا تھا۔ عنابی نازک لبوں پر خشکی سے پیڑیاں جمی ہوئی تھیں۔ گستاخ سپولیے یعنی سر کے سیاہ اور ملائم گھنگر والے بال منور پیشانی اور چودھویں رات کو شرمانے والے عارض پر بکھرے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قمر چہار پر سیاہ بادلوں کا جال پھیل گیا ہو۔ اس غم و فکر اور پریشانی کی حالت میں بھی وہ نہایت حسین اور پیاری معلوم ہو رہی تھی۔

ان لوگوں کو چُپ چاپ بیٹھے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہُوا تھا۔ کہ ایک شخص نے کمرہ میں آکر سلطان کی آمد کی اطلاع دی۔ سب اپنی جگہ سنبھل سنبھل کر بیٹھ گئے۔

شہزادہ الفضل نے مسعود کے زخمی ہونے کی اطلاع سلطان کو کرا دی تھی۔ سلطان نہایت نیک۔ بڑا رحمدل۔ اپنے سپاہیوں کا ہمدرد اور مسلم قوم کا غمگسار تھا۔ وہ ادنےٰ سپاہی سے لیکر اعلےٰ افسر تک سب کی خبر گیری کیا کرتا تھا۔ اس خبر کو سنکر بے چین ہو گیا۔ باوجودیکہ وہ بھی صبح سے کمربستہ تھا۔ جنگ میں شریک ہوا تھا۔ اب تک قلعہ میں اس لیے گشت کرتا رہا تھا کہ کوئی مسلمان کسی عیسائی پر ذرہ برابر بھی سختی نہ کرسکے۔ عیسائی قیدیوں پر بے جا تعدی نہ ہو۔ ان

کاموں سے فراغت پاکر وہ آرام کرنا چاہتا تھا کہ شہزادہ الفضل کے آدمی نے باریاب ہوکر مسعود کے زخمی ہونے کی اطلاع کی۔ یہ خبر سنتے ہی وہ مضطرب ہوگیا۔ آرام بھول گیا۔ فوراً مسعود کو دیکھنے کے لیے چلا آیا۔

جس وقت سلطان کمرہ میں داخل ہوا سب لوگ تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ زبیدہ نے چہرہ پر نقاب ڈال لیا۔ سلطان بڑھ کر کوچ کے پاس آیا۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھتے ہی سب لوگ بیٹھ گئے۔ سلطان نے مسعود کو غور بھری نظروں سے دیکھا۔ اس نے طبیب سے دریافت کیا "تم نے معائنہ کیا ہے۔ زخم کی کیا کیفیت ہے؟"

طبیب: عالی جاہ! زخم اس قدر گہرا نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے گہری غفلت طاری ہوجاتی۔

سلطان: پھر غفلت کی کیا وجہ ہے؟

طبیب: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دل کسی وجہ سے سرور شادمانی سے لبریز تھا۔ جوشِ مسرت سے خون رگوں میں دوڑ رہا تھا۔ اسی وقت زخم لگا۔ خبر دیر میں لی گئی۔ خون زیادہ نکل گیا۔ اس لیے غفلت طاری ہوگئی۔

سلطان: ہمارے خیال میں جس دوست کی یہ تلاش میں تھا۔ وہ مل گیا تھا۔ عجب نہیں وہ اسی وقت ملا ہو جب یہ زخمی ہوا۔

طبیب: یہی بات قرین قیاس ہے۔

اب اشرف اٹھا۔ اس نے کہا "حضور والا میں وہ بدنصیب شخص ہوں جس کی تلاش میں یہ شیردل نوجوان تھا۔"

سلطان نے اشرف کو غور کی نظروں سے دیکھ کر دریافت کیا "کیا تمہارا ہی نام اشرف ہے؟"

اشرف: جی ہاں!

سلطان: جس وقت تم اس سے ملے اسی وقت یہ زخم ہوا تھا؟

اشرف: اسی وقت!

اب اشرف نے تمام واقعہ سلطان کو سنا دیا۔ سلطان نے کہا "اشرف تم بڑے خوش قسمت ہو۔ مسعود تمہارا دوست صادق ہے۔ اس نے تمہارے پیچھے اپنی ہستی کو خطرہ میں ڈال دیا تھا۔"

اشرف پہلے ہی سے غمزدہ تھا۔ اس وقت اور بھی غمگین نظر آنے لگا۔ اس نے کہا "اس نے اپنا حق ادا کردیا۔ لیکن میں اس کی کوئی خدمت نہیں کرسکا۔ میری اپنی جان میری ہے۔ میں اس کے لیے اپنی جان دے سکتا ہوں۔"

یہ کہتے ہی اشرف سجدہ میں گر گیا۔ اس نے خلوص دل سے بارگاہِ خداوندی میں گداز طبیعت کے ساتھ عرض کرنا شروع کیا "خدایا مسعود میرا دوست ہے وہ اس وقت موت کے کنارہ پر کھڑا ہوا ہے۔ تو رحیم و کریم ہے۔ اس پر رحم کر۔ آہ اس پر نہیں بلکہ مجھ پر رحم کر۔ اسے شفا عطا فرما۔ اگر اس کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ تو میری زندگی اسے دیدے۔ مجھے موت دے اور مسعود کو بچالے۔"

اشرف اٹھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری تھا۔ تمام لوگ اس کی دعا سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے۔ سلطان بھی چشم پُرنم ہوگیا۔ پرجمال عائشہ کی ہوشربا آنکھوں میں بھی آنسو چھلک آئے۔

مسعود بیہوش تھا۔ اسے خبر نہیں تھی کہ اس وقت کون کون اس کے لیے آنسو بہا رہا ہے۔

سلطان نے پھر ٹھنڈا سانس لے کر کہا "تمہاری دوستی مبارک ہے خدا مسعود کو صحت عطا کرے۔"

سب نے آمین کہی۔ طبیب نے کہا "مریض کے کمرہ میں زیادہ آدمیوں

کار بننا مناسب نہیں۔

سلطان نے کہا بے شک تم سچ کہتے ہو۔ سوائے اشرف اور ایک اور آدمی کے سب لوگ دوسرے کمرہ میں چلے جاویں۔

مشورہ سے یہ طے ہوا کہ اشرف اور عائشہ مسعود کے پاس رہیں اور سب لوگ دوسرے کمرہ میں چلے جاویں۔

سب لوگ اٹھکر چلے گئے۔ سلطان نے طبیب کو خاص طور پر علاج کرنے کی ہدایت کی اور دوسرے وقت آنے کا ارادہ ظاہر کر کے چلا گیا۔ اب صرف طبیب۔ اشرف اور عائشہ رہ گئے۔ اشرف نے طبیب سے دریافت کیا آپ نے مسعود کی کیفیت دیکھی ہے۔

طبیب: اچھی طرح۔

اشرف: میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس کی زندگی کی طرف سے تو کوئی اندیشہ نہیں ہے؟

طبیب: بالکل نہیں!

اشرف: لیکن یہ بے ہوش کیوں ہے؟

طبیب: خون زیادہ نکل جانے کی وجہ سے!

اشرف: کب تک ہوش آنے کا خیال ہے؟

طبیب: آدھی رات کے قریب!

اشرف: دیکھیے میں اس کے لیے اپنا سب کچھ نثار کر سکتا ہوں حتیٰ کہ جان بھی!

طبیب نے مسکرا کر کہا "آپ اطمینان رکھیے اس کا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔

عائشہ نے کہا۔ خدا کرے ایسا ہی ہو"۔

اشرف نے زور اور جوش سے "آمین" کہا۔

اب یہ سب لوگ خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں شہزادہ العزیز آیا۔ اس نے بھی مسعود کو دیکھا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس نے کہا۔ طبریہ کے سوداگر الفضل کی لڑکی گم ہو گئی ہے۔ قلعہ کا چپہ چپہ دیکھ ڈالا گیا ہے۔ کوئی گھر، کوئی گرجہ، کوئی جگہ باقی نہیں چھوڑی۔ لیکن اس کا سراغ ہنوز نہیں لگا!

اب تک اشرف مسعود کے پیچھے مرجینہ کو بھلا ہوا تھا۔ العزیز کے یاد دلانے پر اس کے دل پر چرکہ لگا۔ دل وفورِ غم سے بیٹھ گیا۔ اس نے کہا۔ شاید کوئی عیسائی اسے قلعہ سے باہر لے گیا ہو۔

العزیز: یہی خیال ہو سکتا ہے۔ لیکن تعجب یہ ہے کہ وہ عیسائی کے ساتھ جا کیسے سکتی تھی۔

اشرف: خیال یہ ہوتا ہے کہ جب میں نے ہنری پر حملہ کیا۔ وہ عیسائیوں کے ریلے میں دور ہٹ گئی اور کوئی دشمن اسے آسانی کے ساتھ قابو میں کر کے قلعہ سے باہر لے گیا۔

العزیز: جو کچھ بھی ہوا ہو لیکن اس کی گم شدگی چیستان سے کم نہیں!

اشرف: بے شک (آہ سرد بھر کر) ایک طرف مسعود کا فکر ہے۔ دوسری طرف ... ... مرجینہ کو۔ خدایا کیا کروں۔ کس کی خبر لوں۔

طبیب نے اشرف سے مخاطب ہو کر کہا۔ مسعود کی طرف سے تم بالکل بےفکر رہو۔ مرجینہ دشمنوں کے نرغے میں پھنس گئی ہے۔ اسے ضرور تلاش کرو۔

العزیز: میری بھی یہی رائے ہے۔ اس وقت میں اس لیے آپ کے پاس آیا تھا کہ آپ اور میں دونوں اسے تلاش کریں۔

مرجینہ کی مفقود الخبری کا عائشہ کو بھی بہت زیادہ رنج تھا۔ اس نے کہا "بھائی جان! ضرور آپ مرجینہ کو تلاش کیجیے۔

ابھی تک شہزادہ العزیز نے حور جمال عائشہ کو نہ دیکھا تھا۔ اس کے بات

کرنے سے اس کی نظر اس زاہد فریب کے بھولے چہرہ پر جا پڑی۔ وہ اس ماہِ دو ہفتہ کو دیکھکر حیران رہ گیا۔

اشرف نے طبیب سے مخاطب ہو کر کہا۔ اگر آپ پوری طرح مسعود کی خبرگیری کا قرار کریں تو میں جا سکتا ہوں۔

طبیب نے اطمینان دلانے کے لہجہ میں کہا۔ بالکل بیفکر رہو اور شوق سے جاؤ!

اب اشرف اٹھا۔ شہزادہ العزیز بھی کھڑا ہو گیا۔ دونوں کمرہ سے باہر نکل گئے۔ اب صرف طبیب اور عائشہ رہ گئے۔ تھوڑی دیر میں آفتاب غروب ہو گیا۔ طبیب مغرب کی نماز پڑھنے چلا گیا۔ اس وقت تنہا عائشہ رہ گئی۔ دن چھپتے ہی ایک خادم نے آکر اس کمرہ میں فانوس روشن کر دیئے۔ فانوس کی روشنی تڑپ تڑپ کر شیشوں سے نکلی اور رشکِ قمر عائشہ کے رُخِ روشن پر لوٹنے لگی۔

عائشہ ابھی تک کرسی پر بیٹھی تھی۔ اگر چہ وہ مسعود سے قریب تھی۔ لیکن اتنا قرب بھی اُسے دُور معلوم ہوا۔ وہ کرسی سے اٹھکر کوچ پر جا بیٹھی اور جھک کر مسعود کے تنفس کو دیکھنے لگی۔

مسعود اس آہستگی سے سانس لے رہا تھا کہ بالکل معلوم نہ ہوتا تھا۔ دیر تک عائشہ اس کے اوپر جھکی ہوئی سانس کی آمد و رفت دیکھتی رہی۔ چونکہ عائشہ کا جسم مسعود کے جسم سے مس ہو رہا تھا۔ اس کے زلفِ عنبریں کی خوشبو مسعود کے ناک کے نتھنوں کے ذریعہ سے اس کے دل و دماغ میں کھینچ رہی تھی۔

جو کام ابتک دوائیں اور عطر وغیرہ نہ کر سکے تھے۔ وہ اس کی زلفِ عنبریں کی خوشبو نے کر دیا تھا۔ مسعود کے سانس کی آمد و رفت قدرے جلد جلد ہونے لگی۔ عائشہ کو اس سے بڑی مسرت ہوئی۔ وہ برابر اس کے اُوپر جھکی ہوئی اس کی کیفیت

دیکھتی رہی۔ رفتہ رفتہ مسعود کو ہوش آگیا۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ اسے ہوش میں آتا ہوا دیکھ کر لعل مسرور ہوئی۔ وہ کچھ ایسی از خود رفتہ رہی تھی کہ باوجود مسعود کے ہوش میں آجانے کے اب بھی اس کے اوپر جھکی ہوئی تھی۔

مسعود دیر تک خاموش پڑا ہوا اس بُت سیم تن کو دیکھتا رہا۔ عائشہ کا ہر سانس اُس کے ساتھ مسیحائی کر رہا تھا۔ اس کی حالت دمبدم اچھی ہوتی چلی جا رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ حیرت انگیز طریقہ پر روبصحت نظر آنے لگا۔ اس نے نحیف آواز میں کہا۔

عائشہ ۔۔ ۔۔ ۔۔۔۔ میری عائشہ! ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔

وہ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکا۔ وہ اس قدر کمزور نہ رہا تھا کہ گفتگو نہ کر سکتا، بلکہ رعبِ حُسن نے اُس کی زبان بند کر دی۔

اب عائشہ چونکی وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اُس نے ترنم خیز لہجہ میں کہا۔

مسعود! کیا کہتے ہو؟

مسعود نے ایسی نظروں سے جن میں محبت و درد کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ اُسے دیکھ کر کہا۔ عائشہ ۔۔ ۔۔ ۔۔ تیری یہ مہربانی۔ تیرا یہ کرم آج کس لیے ہے؟

عائشہ نے بھولے پن سے جواب دیا۔ میں نہیں جانتی۔ خدا کا شکر ہے تمہیں ہوش آگیا۔ اب خدا تمہیں جلد اچھا کر دے گا۔

مسعود: اشرف کہاں ہے؟

عائشہ: مہ جبین گم ہو گئی ہے۔ اُسے تلاش کرنے گئے ہیں۔

مسعود نے حیرت انگیز نظروں سے عائشہ کو دیکھ کر کہا: مہ جبین گم ہو گئی ہے کس طرح؟

عائشہ: جب تم زخمی ہو کر بے ہوش ہو گئے تو ہم سب تمہارے گرد

بیٹھ گئے۔ بھائی جان نے اس شخص پر جس نے تمہیں زخمی کیا تھا حملہ کیا۔ وہ اس کے پیچھے دور تک چلے گئے۔ جب واپس آئے تو مستجین گم تھی۔

مسعود: تعجب ہے۔

عائشہ: نہایت تعجب۔ سارا لشکر ڈھونڈ رہا ہے لیکن ابھی تک پتہ نہیں چلا۔

مسعود: عائشہ میں تمہارا مشکور ہوں۔ تم نے میرے لیے بڑی تکلیف اٹھائی۔

عائشہ: اب سے دور جب تم زخمی ہوئے تھے تو سب سے زیادہ ملال مجھے ہوا تھا۔

مسعود نے محبت بھری نظروں سے دیکھکر دریافت کیا کیوں؟

عائشہ نے بھولے پن انداز میں جواب دیا" میں نہیں جانتی"!

مسعود: جب میں بے ہوش تھا تم مجھ پر جھکی ہوئی تھیں؟

عائشہ: ہاں!

مسعود: کس لیے؟

عائشہ: میں آپ کے تنفس کی کیفیت دیکھ رہی تھی۔

مسعود: اس وقت تمہارے دل میں مہر و محبت کا جذبہ لہریں مار رہا تھا

عائشہ: میں نہیں کہہ سکتی۔ لیکن میں بے چین تھی۔ اور یہ چاہتی تھی کہ جلد سے جلد تم ہوش میں آجاؤ۔

اب ڈاکٹر آگیا تھا۔ یہ گفتگو ناتمام ہی رہ گئی۔ طبیب نے مسعود کو دیکھا۔ اُسے اس کی کیفیت دیکھ کر سخت تعجب ہوا۔ اس نے اس کی نبض دیکھی۔ نبض میں سرگرمی تھی۔ صحت کے آثار تھے۔ عائشہ نے کسی قدر متبسم ہو کر دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔ آپ تو کہتے تھے آدھی رات کو ہوش آئے گا؟

طبیب نے کہا میرا خیال یہی تھا۔ آج تک کبھی میرا خیال غلط نہیں ہوا۔ ان کی حالت کسی معجزہ یا طلسم کی وجہ سے قبل از وقت بہتر ہو گئی ہے۔

بھولی عائشہ کیا جانتی تھی کہ اسی نے مسعود کے ساتھ مسیحائی کی ہے۔ مسعود سمجھتا تھا۔ لیکن وہ کہہ نہ سکتا۔ طبیب کو البتہ حیرت تھی مگر وہ اس معمہ کو حل نہ کر سکا تھا۔

دنیائے محبت کی باتیں نرالی ہیں۔ محیر العقول واقعات اس دنیا میں پیش آتے ہیں۔

اب طبیب نے سب کو مسعود سے ملنے کی اجازت دے دی۔ اجازت کی دیر تھی کہ لوگوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ عبداللہ۔ افضل۔ منصور اور زبیدہ سب ہی آگئے۔ سب نے اُس کی کیفیت دیکھکر خدا کا شکر ادا کیا۔

۱۶

"اتفاقات"

پری جمال اگنیس کو سخت صدمہ تھا۔ وہ اپنے باپ کو جس چٹائی پر پڑا ہوا چھوڑ کر گئی تھی۔ وہ چٹائی خون میں تر تھی۔ پادری کا پتہ نہ تھا۔ ظاہر ہے کہ یا تو وہ قتل کیا گیا تھا۔ یا زبردستی اس جگہ سے کہیں اور لے جایا گیا تھا۔

دو غم و رنج سے حور وش اگنیس بے ہوش ہو گئی تھی۔ سعید نے اسے دوسری چٹائی پر لٹا کر ہوش میں لانے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ بڑی دیر کے بعد اگنیس کو ہوش آیا۔ اس نے رفتہ رفتہ اپنی بڑی سیاہ پلکوں والی دلفریب آنکھیں کھول کر اِدھر اُدھر دیکھا۔

سعید جو اگنیس کی بے ہوشی کی وجہ سے بےچین ہو رہا تھا۔ کسی قدر خوش ہوا اس نے اس کی سیاہ ریشم جیسی کاکلوں کو اُس کے عارضِ تاباں سے علیحدہ کرتے ہوئے کہا۔ اگنیس! پیاری اگنیس!! ہوش میں آؤ"۔

کچھ دیر کے بعد اگنیس اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ غم و رنج کا مجسمہ معلوم ہوتی تھی۔ اس کے پیارے چہرہ اور دلفریب آنکھوں سے اُس کے اندرونی غم کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس کے نازک لبوں پر خشکی دوڑی ہوئی تھی۔

سعید اُس زاہد فریب لڑکی کی کیفیت دیکھ کر بہت زیادہ غمگین ہو رہا تھا۔ اُس کی روح گھلی جا رہی تھی۔ وہ اس کے غم و رنج کا اثر لینا چاہتا تھا۔ لیکن غیر

ممکن تھا۔ لوگ کسی کی خوشی اور مسرت میں تو شریک ہو سکتے ہیں۔ لیکن غم زدہ میں حصّہ نہیں لے سکتے!

حور وش اگنیس نے غم بھری نظروں سے سعید کو دیکھ کر کہا۔ آہ میں کہاں ڈھونڈوں۔ میرے والد کہاں گئے۔

سعید نے دلدہی کے لہجہ میں کہا۔ اگنیس رنج نہ کرو! حوصلہ رکھو اگر ہم تلاش کریں تو انہیں پا سکتے ہیں۔

اگنیس جلدی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ افسوس ہے نازک اندام لڑکی کڑھتے ہوئے غم کی وجہ سے ایسی نازک ہو گئی تھی کہ کھڑے ہونے سے اس کے پاؤں کانپنے لگے۔ سعید نے جلدی سے اُٹھ کر اس رشکِ قمر کو سینہ سے لگاتے ہوئے کہا "غم نہ کرو۔ اگنیس غم نہ کرو!!!"

غم زدہ خوبصورت لڑکی نے اپنا سر سعید کے سینہ پر رکھ دیا۔ اس کی ہوشربا آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ وہ ہچکیاں لے لیکر رونے لگی۔

سعید غمزدہ تو ہو ہی رہا تھا۔ اگنیس کو روتا ہُوا دیکھ کر اس کا دل دہل گیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کس طرح اس غمزدہ لڑکی کو تسکین دے۔ اُس نے اس کی نازک ٹھوڑی ہاتھ سے اُوپر کر کے جس سے اُس کا چاند سا چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے ہو گیا کہا۔ اگنیس نہ روؤ! خدا کی قسم میرا دل جلنے لگا ہے۔

اگنیس نے ہچکیاں لیتے ہوئے کہا۔ آہ کیسے نہ روؤں۔ دشمنوں نے میرے والد کو مار ڈالا۔ ہائے میں کیوں تنہا انہیں چھوڑ کر گئی۔

سعید نے اُسے اپنی آغوش میں بھینچتے ہوئے کہا "اگنیس! غم و رنج کرنے سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ اب بتاؤ میں تم کو تسلی دوں یا تمہارے والد کی تلاش کرنے جاؤں۔

اگنیس نے آنسوؤں بھری نظروں سے سعید کو دیکھ کر کہا۔ تم مجھے میرے

عالم پر چھوڑ دو۔ اور میرے والد کی تلاش میں روانہ ہو جاؤ۔
سعید: یہ ناممکن ہے۔ جب تک تمہاری طبیعت نہ سنبھل جائے میں کیسے
نہیں چھوڑ کر جا سکتا ہوں۔

اگنیس نے آہستہ سے سعید کے ہاتھ اپنی نازک کمر کے گرد سے علیحدہ
کیے۔ وہ اس کی آغوش سے الگ ہوئی۔ اس نے آنسو پونچھے اور کہا "اب
میں نہ روؤں گی۔ تم میری طرف سے اطمینان رکھو۔ آؤ ہم دونوں انہیں
تلاش کریں۔

سعید نے کہا نہایت مناسب ہے اور ایک لمحہ ضائع کیے بغیر تلاش
میں روانہ ہو جائیں۔

اگنیس نے جواب تو کچھ نہ دیا۔ البتہ وہ ڈگمگاتے ہوئے قدموں کے ساتھ
سعید کے بازو کا سہارا لے کر اس کے ہمراہ روانہ ہوئی۔ دونوں گرجے سے نکل کر
باہر آئے۔ سعید نے اس طرف چلنا شروع کیا جس طرف پتھروں پر خون کے قطرے
گرتے چلے گئے تھے۔ وہ دونوں دور تک چلے گئے۔ گرجے سے تقریباً تین فرلانگ
کے فاصلے پر جھاڑیوں کا جھانڈہ تھا۔ اس کثرت سے خاردار چھوٹے بڑے درخت
کھڑے تھے کہ اس کے اندر کا حال نظر نہ آتا تھا۔ سعید وہاں ٹھہر گیا۔ اس نے سرگوشی
کی آواز سنی۔ وہ اگنیس کو اس جگہ کھڑا رہنے کا اشارہ کر کے جھاڑیوں میں گھس گیا۔
چند ہی قدم چل کر اس نے دیکھا کہ پادری زمین پر پڑا ہے اور ایک عیسائی اس
کے اوپر جھکا ہوا ہے۔ تلوار اس کے پاس پڑی ہے۔

سعید اس وقت نہتا تھا۔ اسے اندیشہ ہوا کہ اگر عیسائی نے کسی طرح اس
کی موجودگی کی اطلاع پالی۔ تو وہ فوراً اس پر تلوار سے حملہ دے گا۔ اس لیے وہ
نہایت آہستہ سے گھٹنوں کے بل چلنے لگا۔ اس نے انتہائی کوشش کی کہ اس کی
موجودگی کی خبر عیسائی کو نہ ہو۔

عیسائی ہمہ تن پادری کی طرف متوجہ تھا۔ وہ اس کے اوپر اس طرح جھکا ہوا
تھا کہ پادری کا چہرہ سعید کو نظر نہ آتا تھا۔

سعید آہستہ آہستہ بڑھ کر بالکل اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے نہایت
آہستگی سے تلوار اٹھا کر اپنی پشت کی طرف رکھ دی اور کھڑا ہو کر دونوں ہاتھوں
سے عیسائی کی گردن پکڑ لی۔

عیسائی اس اچانک حملہ سے گھبر گیا۔ اس نے پیچھے لوٹنا چاہا۔ لیکن سعید
نے اس زور سے اس کا گلا گھونٹنا شروع کیا کہ وہ پھڑپھڑانے لگا۔ اس نے
اپنے دونوں ہاتھوں سے سعید کے ہاتھ پکڑ لیے اور اپنا گلا چھڑانے کے لیے
پوری طاقت صرف کر دی۔ لیکن سعید کی آہنی گرفت ڈھیلی نہ ہوئی۔ بلکہ اس کا
گلا گھٹتے گھٹتے سانس کی آمد و رفت بند ہو گئی۔ ہاتھ لٹک گئے۔ بدن میں تشنج
پیدا ہو گیا۔ آنکھیں غلہ سی باہر نکل آئیں۔ چہرہ بھیانک ہو گیا۔ آخر وہ مردہ ہو کر سعید
کے ہاتھوں میں لٹکا رہ گیا۔ سعید نے اسے ایک طرف ٹپک دیا۔ اب اس نے
پادری کو دیکھا۔ وہ بے ہوش پڑا ہوا تھا۔

سعید واپس لوٹا۔ وہ اگنیس کے قریب آیا۔ اگنیس نے دور سے دیکھتے
ہی دریافت کیا۔ سعید! تم بڑی دیر میں واپس آئے۔ وہاں تم نے کیا دیکھا؟
سعید نے قریب آ کر کہا "اس جھاڑی میں تمہارے والد موجود ہیں۔
فرطِ خوشی سے اگنیس کا چہرہ چمک اٹھا۔ اس نے جلدی سے کہا "مجھے
ان کے پاس لے چلو۔
سعید: آؤ۔

دونوں جھاڑیوں میں گھس گئے۔ چند قدم چل کر اگنیس نے عیسائی کی لاش
دیکھی۔ اس نے دریافت کیا۔ یہ کون ہے اسے کس نے مارا ہے؟"
سعید: جب میں یہاں آیا تو یہ عیسائی پادری کے اوپر جھکا ہوا تھا۔

میں نے اس کا گلا گھونٹ ڈالا۔ میرا خیال ہے کہ یہی بدبخت اس پادری کو اٹھا کر یہاں لایا۔ اور یہ ان بدمعاشوں کا ساتھی ہے۔ جنہیں میں نے رات مار ڈالا تھا۔

انگیس نے مشکورانہ نظروں سے سعید کو دیکھکر کہا:
"تم ٹھیک کہتے ہو۔ رات ان کا ایک ساتھی بھاگ گیا تھا۔ یقیناً یہ وہی ہے"

اب انگیس نے پادری کو دیکھا۔ وہ اسے بے ہوش دیکھ کر پھر غمزدہ ہو گئی بےچاری کی ساری مسرت جاتی رہی۔ اس نے کہا۔ آہ یہ تو بے ہوش ہے۔

سعید نے کہا گھبراؤ نہیں۔ انہیں اٹھا کر گرجہ میں لے چلتا ہوں۔ تم یہ تلوار اٹھا لو"

نازآفرین لڑکی نے تلوار اٹھالی۔ سعید نے پادری کو اٹھایا۔ دونوں چل پڑے۔ گرجہ میں پہنچکر سعید نے پادری کو دیکھا۔ اس کی حالت خراب تھی چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں حلقے پڑ گئے تھے۔ اس نے اس کے جسم کو بغور دیکھنا شروع کیا۔ کوئی تازہ زخم نہ تھا۔ پہلا زخم کھل گیا تھا۔ اور اسی سے خون بہہ رہا تھا۔ سعید نے جلدی سے اس کا زخم دھو کر دوا لگا دی اور پٹی کس دی۔

دونوں تمام دن بے آب ودانہ پادری کے پاس بیٹھے نگرانی اور خبر گیری کرتے رہے یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ دن چھپتے ہی انگیس نے گرجہ کی بتیاں روشن کر دیں۔ جب رات زیادہ آ گئی تو سعید نے انگیس سے کہا تم تمام دن بیٹھے رہنے سے تھک گئی ہو۔ اب آرام کرو"

انگیس نے کہا۔ میں تمہارے ساتھ ساری رات بیٹھی رہوں گی"

سعید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ایک چیخ کی آواز سنائی دی سعید نے بحیرت بھری نظروں سے انگیس کو دیکھ کر دریافت کیا۔ کیا تم نے کوئی آواز سنی ؟

انگیس: ہاں چیخ کی آواز تھی!

سعید: تم یہاں بیٹھی رہو۔ میں ذرا باہر دیکھ آؤں۔

سعید اٹھا اس نے تلوار ہاتھ میں لی اور گرجہ سے نکل کر باہر آیا۔

اس وقت چاند اپنی پوری آب وتاب سے نکلا ہوا تھا۔ چاندنی تمام پہاڑی پر لوٹ رہی تھی۔ درختوں کے سرسبز پتے چاندنی کے عکس میں چاندی کی طرح چمک رہے تھے۔ نہایت دلفریب منظر تھا۔

سعید گرجہ دروازہ سے نکل کر آگے بڑھا۔ تھوڑی ہی دور اس نے تین گھوڑے بندھے ہوئے دیکھے۔ وہ دبے قدموں آگے بڑھا۔ چند ہی قدم چل کر اسے ایک لڑکی کھڑی نظر آئی۔ اس کے قریب ایک شخص ننگی تلوار لیے کھڑا سعید کی طرف اس آدمی کی پشت تھی۔

سعید اس آہستگی سے کہ اس کے قدموں کی چاپ نہ نکلے بڑھ کر ان دونوں کے قریب پہنچ گیا۔ لڑکی سعید کو دیکھتے ہی اس کی طرف جھپٹی اس نے دردآمیز لہجہ میں کہا: "خدا کے لیے مجھے اس ظالم درندہ کے ہاتھوں سے بچاؤ!"

سعید نے جلدی سے لڑکی کو اپنے پیچھے کیا۔ وہ شخص سعید کی طرف گھوما اس نے فوراً سعید پر حملہ کیا۔ سعید پہلے ہی حملہ کر چکا تھا۔ دونوں کی تلواریں ایک ساتھ چلیں۔

سعید کی تلوار پہلے اس شخص پر پڑی اس کا سر کٹ کر دور جا گرا اور دھڑ زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔

لڑکی نے کہا۔ ابھی اس کے دو ساتھی اور ہیں"

سعید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ دو آدمی سامنے سے آتے نظر آئے۔ وہ خاموش ہو گیا۔ جب دونوں آنے والے اس کے قریب پہنچے۔ تو اس نے جلدی سے ایک پر حملہ کر کے قتل کر ڈالا۔ دوسرا حیران کھڑا رہ گیا۔ وہ اب تک اپنا ساتھی سمجھے ہوئے تھا۔ سعید نے پہلے کو قتل کرتے ہی اس پر حملہ کیا

قبل اس کے کہ اس کی حیرت دُور ہو وہ بھی کُشتہ ہو کر گرا۔

سعید نے اس لڑکی سے دریافت کیا: "اور کوئی تو باقی نہیں رہا۔"

لڑکی نے شرم افزا لہجہ میں جواب دیا: "کوئی نہیں!"

اب سعید لڑکی کو ساتھ لے کر لوٹ پڑا۔ وہ گرجہ میں داخل ہوا۔ اگنیس اس کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ سعید کے ہمراہ ایک لڑکی کو آتا ہوا دیکھ کر متحیر ہوئی۔ اس نے دریافت کیا۔ سعید یہ کون لڑکی ہے؟

سعید نے جواب دیا۔ ابھی میں نے کچھ دریافت نہیں کیا۔ تمہارے سامنے ہی دریافت کروں گا۔

سعید اگنیس کے پاس بیٹھ گیا۔ لڑکی بھی ایک طرف بیٹھ گئی۔ سعید نے اس لڑکی سے دریافت کیا: "مہربانی کر کے مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو؟"

لڑکی نے جواب دیا: "میں طبریہ کے سوداگر الفضل کی بیٹی ہوں۔"

سعید نے حیرت انگیز نظروں سے اُسے دیکھ کر پوچھا کیا تمہارا نام کیا ہے؟

مہ جبین نے شرماتے ہوئے لہجہ میں جواب دیا۔ "جی ہاں!"

سعید: عرصہ ہوا جب میں نے تمہارا نام سنا تھا۔ یہ کون شخص تھا جو لڑ رہا تھا؟

مہ جبین۔ یہ ریجنالڈ کا مشیر ہنری تھا!

سعید: تم اس کے ساتھ کیسے آ گئیں؟

مہ جبین نے تمام روئیداد اول سے آخر تک جس طرح وہ جلا وطن کی گئی تھی۔ ریجنالڈ کی قید میں پڑی تھی۔ طبریہ کے جیلخانہ میں محبوس رہی تھی رہا ہوتے ہی گرفتار کر لی گئی تھی   سعید نے پوچھا: "تمہارے ساتھ ایک شخص اشرف بھی قید تھا۔"

اشرف کا نام سُنتے ہی حور وش مہ جبین کا چہرہ افسردہ ہو گیا۔ اُس نے

جواب دیا: "جی ہاں تھا۔"

سعید: "وہ بھی رہا ہو گیا؟"

مہ جبین: جی ہاں وہ بھی رہا ہو گئے!

سعید: اب سلطان کہاں ہے؟

مہ جبین: میں نے طبریہ کے قلعہ میں چھوڑا تھا!

سعید: ہنری صرف اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ بھاگا تھا؟

مہ جبین: نہیں اس کے ساتھ آٹھ دس آدمی تھے جو زخمی تھے۔ سات آدمی رستہ میں مر گئے تھے!

سعید: ہنری تمہیں کہاں لے جانا چاہتا تھا۔

مہ جبین: اس کا ارادہ کرک جانے کا تھا!

سعید: خدا کا شکر ہے کہ وہ یہاں آ نکلا!

مہ جبین نے مشکورانہ نظروں سے سعید کو دیکھ کر کہا: "آج اس نے میری آبروریزی کا حلف اُٹھایا تھا۔ اگر آپ اور تھوڑی دیر نہ پہنچتے تو مجھے مار ڈالتا۔"

اس وقت پادری کو ہوش آ گیا۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ اگنیس اُس کے اُوپر جھک گئی۔ اُس نے کہا: "پیارے ابا!"

پادری میں بولنے کی طاقت نہ تھی۔ اس نے اشارہ سے پانی مانگا۔ اگنیس نے پانی دیا۔ پادری نے پانی پی کر حسرت بھری نظروں سے اگنیس کو دیکھا۔ سعید اس کی نگاہیں کو سمجھ گیا کہ اس کا آخری وقت آ گیا۔ وہ اس کے اور قریب بیٹھ گیا۔ اس نے کہا: "آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں؟"

پادری کے ہونٹوں کو حرکت ہوئی۔ مگر وہ زور سے بات نہ کر سکتا تھا۔ سعید نے اس کے لبوں سے اپنے کان لگا دیئے۔ پادری نے رک رک کر کہا!

"میری اگنیس ... ... کا خیال رکھنا ... ... اگر وہ مسلمان

ہو تو ... ... طبریہ کے بڑے گرجہ ... ... میں داخل کر دینا!"

سعید نے پھر کہا: "اور کچھ کہنا ہے؟"

پادری کے ہونٹوں کو پھر حرکت ہوئی۔ پھر سعید جھک گیا! پادری نے پھر رک رک کر کہا: "خزانہ ... ... طبریہ کی ... ... پہاڑی میں ... ... دفن ہے ... ... بہت زیادہ ہے ... ... آہ! ... شمال کی طرف ... ... غار میں ... ..."

پادری کی زبان بند ہو گئی۔ اس پر موت کا عالم طاری ہو گیا۔ انگیس سخت بے چین ہو گئی۔ وہ رونے لگی۔ اُس کی موہنی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہو گیا۔ بھولے اور پیارے چہرہ کا رنگ پرواز کر گیا۔

تھوڑی ہی دیر میں پادری نے ہچکی لی اور وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔ انگیس کو کمال صدمہ ہوا۔ فرطِ غم سے اُس کے چہرہ کا رنگ سفید پڑ گیا۔ انگیس کے غم کی وجہ سے سعید کو بھی ملال ہُوا۔ اُس نے اور مہ جبین نے دونوں نے اُسے تسلی دی۔ سمجھایا۔ ضبط و صبر کرنے کی تلقین کی۔ پھر بھی دیر تک انگیس روتی رہی۔ بڑی دیر کے بعد وہ چُپ ہُو گئی۔

سعید نے اُسے غسل دے کر انہیں کپڑوں میں جو پہنے ہوئے تھا۔ کفنا کر ایک غار میں رکھ دیا۔ غار پر بڑے بڑے پتھر ڈھک دیئے۔ طبریہ خزانہ کا حال صرف پادری ہی کو معلوم تھا۔ پادری کے مرنے کی وجہ سے وہ اس کے سینہ ہی میں چلا گیا۔

پادری کی تجہیز و تکفین میں صبح ہو گئی تھی۔ جب آفتاب طلوع ہُوا تو سعید نے انگیس سے دریافت کیا: "اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

انگیس نے غم بھرے لہجہ میں کہا: "کیا بتاؤں۔ ایک سرپرست تھا۔ خدا نے اُسے بھی اٹھا لیا ہے۔"

سعید! پادری نے وصیت کی ہے کہ میں تمہیں طبریہ کے بڑے گرجہ میں پہنچا دوں۔"

انگیس نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ عیسائیوں نے میرے باپ کو قتل کیا ہے۔ مجھے اُن سے سخت نفرت ہو گئی ہے۔ میں اُن کے پاس رہنا نہیں چاہتی —

مہ جبین نے کہا۔ پھر تم مسلمان ہو جاؤ اور ہمارے ساتھ رہو!

انگیس نے کہا: "میں مسلمان بھی نہیں ہو سکتی البتہ تمہارے ساتھ طبریہ ضرور چلوں گی۔"

سعید نے کہا: بس تو آج ہی طبریہ روانہ ہو جائیں۔"

انگیس۔ جب آپ چلیں میں آپ کے ساتھ ہوں!

سعید نے ہنری اور اس کے ہمراہیوں کے گھوڑے دیکھے تھے — ان گھوڑوں کو لے آیا۔ گرجہ میں تالا لگا دیا گیا۔ انگیس پادری کی قبر پر پہنچی۔ اس نے رو رو کر اس کی بخشش کی دُعا مانگی اور واپس لوٹ آئی۔

سعید، مہ جبین اور انگیس تینوں گھوڑوں پر سوار ہوئے اور طبریہ کی طرف چل پڑے۔

۱۷

"تین چاند"

مسعود ہوش میں آگیا تھا۔ وہ نہایت بہادر بڑا جری اور نڈر تھا۔ اُن کے ماتحت سپاہی، اسلامی لشکر کے تمام سردار، سب شہزادے خود سلطان اُس سے محبت کرتے تھے۔ سب کو اُس کے ہوش آنے سے خوشی ہوئی۔

الفضل اگرچہ اُسے نہیں جانتا تھا۔ لیکن وہ بھی خوش ہوا۔ لیکن اس کی خوشی عارضی تھی۔ اُسے مرجبین کی گمشدگی کا کمال صدمہ تھا۔ وہ اپنی قرۃ العین کو عیسائیوں سے بچاتا رہا تھا۔ لیکن ذراسی لاپرواہی نے اس کے پارۂ دل کو گم کر دیا تھا۔ اگرچہ بڑھے ہوتے غم کو وہ ضبط کر رہا تھا۔ لیکن پھر بھی رنج و غم کی علامتیں اس کے چہرہ سے صاف ظاہر تھیں۔ منصور، عبدالرحمٰن اور عبداللہ اسے تسلی اور دلاسہ دے رہے تھے۔

مسعود اور اشرف کی ملاقات بھی نہایت دلگداز تھی۔ جب اشرف مرجبین کی تلاش سے واپس آیا تو وہ مسعود کو اور مسعود اُسے دیکھ کر رو پڑے۔ رونا اُس خوشی پر مبنی تھا۔ جو ایک کو دوسرے کے دیکھنے سے ہوئی تھی۔ اگرچہ مسعود کو اُٹھنے کی ممانعت تھی۔ لیکن وہ اشرف کو دیکھ کر اُٹھ بیٹھا۔ دونوں بغلگیر ہوئے۔ اور دیر تک بغلگیر رہے۔ ایسا اخلاص و پیار ایسی محبت و رافت دو بھائیوں کے ملنے سے نہ ہوتی۔ جیسی کہ ان دوستوں کے ملنے سے

ظاہر ہوئی۔

تھوڑی دیر کے بعد دونوں الگ ہوئے۔ بیٹھے باتیں کیں۔ مدت کے بچھڑے ہوئے تھے۔ باتوں کے دفتر کھل گئے۔ ابھی باتیں ختم نہ ہوئی تھیں کہ سلطان آگیا۔ سب نے سلطان کو سلام کیا۔ سلطان نے بیٹھتے ہی مسعود کو دیکھا۔ وہ اُسے رو بصحت دیکھ کر کمال مسرور ہوا۔ اس نے کہا:

"مسعود میں نے ہر نماز کے بعد تیری سلامتی اور صحت کی دعا مانگی ہے۔ تو وہ شیر دل ہے۔ جس پر میرے تمام لشکر کو ناز ہے۔"

مسعود نے جواب دیا: "ظل اللہ! آپ تمام مسلمانوں پر ایسے ہی مہربان ہیں جیسا کوئی باپ اپنے بچوں پر مہربان ہوتا ہے۔ آپ نے میرے لیے دعا کی۔ خدا نے قبول فرمائی مجھے صحت ہونے لگی ہیں جس قدر اپنی خوش بختی پر ناز کروں کم ہے۔"

سلطان نے اشرف سے مخاطب ہو کر دریافت کیا: "الفضل کہاں ہیں!"

الفضل نے کھڑا ہو کر کہا: "میں حاضر ہوں۔"

سلطان: سنا ہے تمہاری لڑکی گم ہوگئی ہے۔

الفضل: جی ہاں پراسرار طریقہ سے گم ہوگئی ہے۔

سلطان: تم نے تلاش نہیں کیا۔

الفضل: میں بڈھا آدمی ہوں کہاں تلاش کرتا۔ اشرف اور شہزادہ العزیز گئے تھے۔ بہت تلاش کیا لیکن سُراغ نہیں چلا۔

سلطان نے اشرف سے دریافت کیا: تم نے کہاں کہاں تلاش کیا؟"

اشرف: عالیجا! تمام قلعہ اور سارا شہر چھان مارا۔ لیکن کہیں پتہ نہیں چلا۔

سلطان: میں نے حکم دے دیا ہے کہ کوئی عیسائی اس وقت تک رہا نہ کیا جائے۔ جب تک کہ وہ لڑکی نہ مل جائے۔ تم شہزادہ العزیز اور شہزادہ الفضل

صبح ہی عیسائیوں کو ساتھ لے کر قریب دہات اور قریوں میں گشت لگائے جس وقت وہ مل جائے۔ مجھے فوراً اطلاع دو۔ میں اور ملک العادل قلعہ اور شہر میں تلاش کریں گے۔

چونکہ اب رات زیادہ آگئی تھی۔ اس لیے سلطان چلا گیا۔ ان سب لوگوں نے کھانا کھایا اور آرام کرنے لگے۔ مسعود کے کمرہ میں عائشہ، اشرف و عبدالرحمٰن رہے باقی لوگ دوسرے کمرہ میں چلے گئے۔

صبح سویرے بیدار ہو کر ملک الافضل اور ملک العزیز قریوں اور قصبوں میں مہ جبین کو تلاش کرنے کے لیے روانہ ہوئے۔ سلطان اور ملک العادل نے ان معزز عیسائیوں کو جو قید کر لیے گئے تھے۔ طلب کر کے ساتھ لیا۔ اور قلعہ اور شہر میں تلاش کرنا شروع کیا۔ سارا دن تلاش کرتے رہے مگر کچھ سراغ نہ چلا بشام کو اشرف وغیرہ بھی بے نیل و مرام واپس آ گئے۔

اب اشرف کا یہ ورد ہو گیا تھا کہ وہ روزانہ صبح کی نماز پڑھ کر جاتا اور شام کو شکستہ دل اور شکستہ خاطر واپس آتا۔ کئی روز اسی طرح گذر گئے۔ سلطان بھی برابر تلاش و جستجو کرتا رہا۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ مگر ان میں سے کوئی بھی نا اُمید ہو کر بیٹھ نہیں رہا۔ بلکہ برابر تلاش جاری رہی۔

سلطان نے اس وقت تک آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ جب تک مہ جبین نہ مل جائے۔

مسعود روز بروز اچھا ہوتا چلا جا رہا تھا۔ اس کا زخم مندمل ہو گیا تھا۔ بخار جاتا رہا تھا اب وہ بھی سلطان کے ساتھ مہ جبین کی تلاش میں شرکت کرنے لگا تھا۔

ایک روز اشرف تنہا گیا تھا۔ جب وہ واپس ہوا۔ تو رات ہو گئی تھی چاندنی رات تھی۔ چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔ جب اشرف قلعہ کے دروازہ پر آیا تو اس نے تین سواروں کو دروازہ پر کھڑے ہوئے پایا۔ وہ اندر جانا چاہتے تھے لیکن پہرہ

والے انہیں اندر نہ جانے دیتے تھے۔ اشرف اُن کے قریب پہنچا۔ اس نے دیکھا کہ اُن سواروں میں دو عورتیں ہیں اور ایک مرد۔ اشرف اُس مرد سے کچھ دریافت کرنا چاہتا تھا مگر کسی نے روح پرور لہجہ میں کہا: "اشرف!"

اشرف نے اس آواز دینے والے کو دیکھا۔ اس نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔ یہی وہ حور تھی جس کی تلاش میں وہ اور مسلمانوں کا سارا لشکر حتّٰی کہ شہزادے اور سلطان سب حیران و سرگرداں تھے۔ وہ اس قدر خوش ہوا کہ فرطِ مسرت سے اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ وہ جلدی سے اس کی طرف بڑھا۔ اس نے خوشی بھرے لہجہ میں کہا: "مہ جبین! میری سرمایۂ حیات تو کہاں چلی گئی تھی؟"

اب وہ مرد اشرف کی طرف پلٹا اُس نے کہا، "بھائی اشرف مجھے پہچانا!" اشرف نے اُسے مطلق نہ پہچانا تھا۔ اُس نے کہا، "نہیں تمہارا کیا نام ہے؟"

اس مرد نے مسکرا کر کہا، "میرا نام سعید ہے۔"

سعید کا نام سنتے ہی اشرف نے نہایت گرمجوشی سے اُس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ سعید! واللہ اب تو تم انسان بن گئے۔ میں نے تمہیں صرف ایک نظر چاندنی رات میں اس وقت دیکھا تھا۔ جب تمہارے سر اور ڈاڑھی کے بال سینہ تک لٹک رہے اور تم اچھے خاصے بھوت معلوم ہوتے تھے!

سعید نے ہنس کر کہا۔ دوست تم سے جدا ہو کر میں اسی دروازے سے باہر نکلا تھا۔ بزدل عیسائیوں نے جب میرا تعاقب کیا۔ تو میں اُن کی طرف جھپٹ کر جا گا۔ وہ فرطِ خوف سے بیہوش ہو گئے۔ میں اُن کی بزدلی پر ہنستا ہوا چلا گیا۔

اشرف نے مسکرا کر کہا۔ اس وقت تمہاری ہیبت ہی ایسی تھی کہ جو جب ملا آدمی تمہیں دیکھتا ڈر جاتا تھا۔ آؤ اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کریں گے!

اشرف انہیں ساتھ لے کر بڑھا۔ وہی پہرہ دار جو سعید کو روک رہے تھے ہٹ گئے۔ یہ سب قلعہ کے اندر داخل ہوئے۔ راستہ میں انہیں ملک الافضل

ملا۔ یہ شہزادہ آج گشت میں تھا۔ اگرچہ مسلمان قلعہ کے اندر تھے۔ کوئی اندیشہ نہ تھا۔ لیکن عیسائیوں کا ملک تھا۔ عیسائی برافروختہ ہوتے تھے۔ بیت المقدس میں عیسائیوں کے اجتماع کی خبریں آ رہی تھیں۔ اس لیے اندیشہ تھا کہ کہیں دھوکا دے کر رات کے وقت عیسائی شبخون نہ ماریں۔ اس وجہ سے سواروں کا ایک دستہ روزانہ طلایہ گردی کیا کرتا تھا۔

اشرف نے سب سے پہلے ملک اللہ فضل سے مرجبین کے مل جانے کی اطلاع کی۔ شہزادہ بہت خوش ہوا۔ وہ اس نوید کو سلطان تک پہنچانے کے لیے فوراً روانہ ہوگیا۔

اشرف بڑھ کر اپنے جائے قیام پر پہنچا۔ وہ اس قدر مسرور تھا کہ اُس سے ضبط نہ ہوسکا۔ اس نے دور ہی سے بلند آواز سے کہا: "مرجبین مل گئی!"۔

کمروں کے اندر بیٹھے ہوئے لوگ دوڑ پڑے۔ وہ مرجبین سے ملے۔ اُسے دیکھنے اور اُس کا حال سُننے کے لیے بھاگے چلے آئے۔ عائشہ ایسی عجلت میں آئی کہ اس کے نازک سر سے دوپٹہ کھسک کر اس کے کندھوں پر آپڑا۔ اسے خبر نہ ہوئی۔ مسعود اور الفضل ننگے پاؤں ہی بھاگ پڑے۔ یہ سب لوگ صحن میں جمع ہوگئے۔ سب نے مرجبین کو دیکھا۔ اس سے مزاج پرسی کی۔ عائشہ بغلگیر ہو کر ملی۔ زبیدہ نے اس کے سر پر دستِ شفقت پھیرا۔ الفضل نے اسے چھاتی سے لگایا۔ اگنیس حیرت بھری نظروں سے ان سب کا جوشِ اخوت اور محبت دیکھنے لگی۔

اب یہ سب اس کمرہ میں پہنچے جس میں اشرف رہتا تھا۔ سب بیٹھ گئے پہلے مرجبین سے اُس کے گم ہوجانے کا حال پوچھا گیا۔ مرجبین نے تمام واقعہ مفصل سُنا دیا۔ اس کے بعد سعید سے اس کی کیفیت دریافت کی۔ سعید نے بھی اپنا سارا حال کر سنایا۔ عائشہ اگنیس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ اُس نے کہا

کہ تم عیسائی رہو یا مسلمان ہو جاؤ۔ لیکن یہیں چھوڑ کر نہ جانا"۔

اگنیس پہلی ہی نظر اُسے دیکھ کر اس سے مانوس ہوگئی تھی۔ اُس نے کہا "میری بھولی بہن! میں تمہیں چھوڑ کر کہیں نہ جاؤں گی۔

اب رات زیادہ آگئی تھی۔ ان سب لوگوں نے مل کر کھانا کھایا۔ اور عرصہ کے بعد آرام اور اطمینان کی نیند سونے کے لیے اپنے اپنے بستروں میں جا گھسے!

مرجبین، عائشہ اور اگنیس ایک ہی کمرہ میں رہیں۔ ان تینوں کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے تین چاند ایک جگہ جمع ہوگئے ہوں۔

۱۸

"عسقلان پر شاندار فتح"

چونکہ ابتک تمام مسلمان بسلمانوں کا سلطان سب مہ جبین کی تلاش میں سرگردان رہے تھے۔ اس لیے عیسائیوں کی طرف کوئی توجہ نہ دی گئی تھی۔ نہ عیسائی قیدیوں کے لیے کوئی حکم دیا گیا تھا۔

ملکہ سیریا قید ہوگئی تھی۔ اس کے ساتھ شاہی قیدیوں کا سا سلوک کیا جا رہا تھا۔ وہ صرف نظر بند تھی۔ قلعہ سے باہر نہ جا سکتی تھی۔ اور باقی تمام مراعات اُسے حاصل تھیں۔ ہر طرح کا آرام تھا۔ وہ مسلمانوں سے کسی قدر مانوس ہوگئی تھی۔ اس نے سلطان کے حضور میں باریاب ہونے کی استدعا کی تھی۔ لیکن مصروفیت کی وجہ سے ابھی تک سلطان نے کوئی حکم نہیں دیا تھا۔ آج جب مہ جبین مل گئی۔ سلطان کو اطمینان نصیب ہوا تو اس نے ملکہ سیریا کو بلایا! میریا نے آکر کہا۔ "عادل سلطان! خدا کی مشیت پوری ہوگئی۔ ہم مغرور تھے۔ مسلمانوں کی کوئی ہستی نہ سمجھتے تھے۔ ہمارا سر نیچا ہوگیا۔ ہماری سلطنت پارہ پارہ ہوگئی۔ ہمارے بادشاہ قتل ہوگئے۔ بیت المقدس کا فرماں روا مارا گیا۔ اب ہم بیکس اور بے بس رہ گئے ہیں ہم پر مہربانی کیجیے جو عیسائی مفلس اور غریب ہیں انہیں بغیر فدیہ کے اور جو متمول ہیں انہیں فدیہ لیکر رہا کر دیجیے۔"

سلطان نے کہا مجھے افسوس ہے کہ عیسائیوں نے مسلمانوں پر اس قدر مظالم کیے

ہیں کہ اگر میں اُن تمام عیسائیوں کو جو میرے ہاتھ میں قتل کر ڈالوں تو تعجب نہیں ہے۔ لیکن میں اپنے نام کے ساتھ سفاک کا لفظ شامل کرانا نہیں چاہتا۔ اس لیے میں تمہارے کہنے کے بموجب قیدیوں کو چھوڑ دوں گا۔ لیکن انہیں یہ اقرار کرنا ہوگا کہ وہ آئندہ کبھی کسی مسلمان کو نہ ستائیں گے۔ مسلمانوں کے خلاف تلوار نہ اٹھائینگے

میریا: بہت مناسب ہے۔ اب فرمایئے میرے لیے کیا حکم ہے؟

سلطان: تمہیں جہاں تم جانا چاہو پہنچا دوں گا۔

میریا: میرے دل کی بات تو یہ ہے کہ میں آپ ہی کے زیر سایہ رہنا چاہتی ہوں۔ لیکن دنیا کے طعنوں سے ڈرتی ہوں۔ اس لیے مجھے طرابلس بھیجدیجیے۔

سلطان: بہت اچھا تمہیں طرابلس بھیجدیا جائے گا!

اب سلطان میریا کو ساتھ لے کر قیدیوں کے پاس پہنچا۔ قیدیوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ وہ زندگی سے نا اُمید تھے۔ ان میں زیادہ تعداد ایسے لوگوں کی تھی جنہوں نے مسلمانوں پر ظالم کیے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ سلطان مسلمانوں کی شکایات پر انہیں قتل کرڈالے گا۔ اس لیے غم و فکر نے انہیں گھلا دیا تھا۔ وہ سلطان کو دیکھتے ہی زار و قطار رونے اور اس سے رحم و کرم کی التجائیں کرنے لگے۔

اگرچہ مظلوم مسلمانوں نے ظالم عیسائیوں کی داستان اُسے سُنا دی تھی۔ اسے بہت زیادہ رنج اور غصہ تھا لیکن قیدیوں کی دردناک فریاد نے اُسے بہت زیادہ متاثر کیا۔ اس نے تمام قیدیوں کو تسلی دی۔ ان سے مسلمانوں کو نہ ستانے اور اُن کے مقابلہ میں تلوار نہ اٹھانے کا عہد لیا۔ اور اُن لوگوں کو جو مفلس تھے اور جزیہ ادا نہ کر سکتے تھے فوراً رہا کر دیا۔ وہ دعائیں دیتے چلے گئے۔ البتہ جو لوگ جزیہ دے سکتے تھے۔ ان کو ایک دستہ کی حراست میں دمشق روانہ کردیا۔ اور دمشق کے گورنر کو لکھ دیا کہ ان میں سے جو شخص ۵۰ دینار جزیہ ادا کرے اُسے رہا کر دیا جائے۔

ملکہ میریا کو بھی طرابلس بھیجدیا۔ ان کاموں سے فارغ ہو کر سلطان نے۔

مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا۔

سلطان واقعی رحمدل تھا۔ عیسائی مؤرخ بھی اس کی تعریف کرتے ہیں۔ یہ رحمدلی ہی کی وجہ تھی کہ اس نے ہزاروں عیسائیوں کو بغیر جزیہ لیے چھوڑ دیا تھا۔ ان عورتوں اور بچوں کو جن کے وارث قتل ہو گئے تھے شاہی صرفہ سے جہاں انہوں نے جانا چاہا پہنچا دیا۔ البتہ چند شورہ پشت اور سرکش معمول عیسائیوں کو دمشق ضرور بھیجا تھا۔ اس سے اس کا یہ منشا تھا کہ راستہ میں جو عیسائی انہیں دیکھیں گے۔ ان پر سلطان کا رعب طاری ہو جائے گا اور دمشق کے مسلمان انہیں دیکھ کر مسرور ہو جائیں گے۔ چنانچہ جو لوگ دمشق بھیجے گئے تھے۔ وہ جزیہ دے کر رہا ہو گئے۔

اب سلطان نے عکہ کی طرف کوچ کیا۔ تمام مسلمان اس کے جلو میں چلے۔ اشرف۔ مسعود۔ مرجینا۔ اگنیس۔ عائشہ سب سلطان لشکر کے ہمراہ روانہ ہو گئے۔

عکہ طبریہ سے بارہ کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ بحیرہ روم کے ساحل پر دکن کی طرف ایک لمبی چٹ کی طرح چلا گیا ہے۔ اس زمانہ میں یہ بندرگاہ تھا۔ اب بھی اس سے بندرگاہ کا کام لیا جاتا ہے۔ اس کے ایک طرف مشہور معروف گمیوں کا پہاڑ ہے۔ دوسری طرف سرسبز و شاداب میدان ہے نہایت مشہور اور تجارتی شہر تھا۔ ہر قسم کی منڈی تھی۔ سوداگر دور دور سے تجارت کا مال لے کر آتے تھے۔ اور خاطر خواہ فائدہ اٹھاتے تھے!

سلطان کی آمد کی خبر سنتے ہی عیسائی متحصن ہو گئے تھے۔ انہوں نے لڑائی کی تیاریاں کر لی تھیں۔ عیسائیوں میں جوش و خروش تھا۔ فصیل پر سپاہی متعین ہو گئے تھے۔ آخر ربیع الآخر ۵۸۳ھ میں فاتحہ سلطان مجاہدین اسلام کے ساتھ اسلامی پرچم اڑاتا ہوا عکہ کے سامنے جا پہنچا۔ اسلامی لشکر کو دیکھتے ہی

عیسائیوں پر ایسا رعب طاری ہوا اور وہ ایسے گھبرائے کہ لڑائی کے ارادہ کو ملتوی کر کے صلح کی خواہش کرنے لگے۔

ایک سفیر سلطان کے حضور میں بھیجا گیا۔ سفیر نے باریک ہو کر صلح کی درخواست کی۔ سلطان نے اس شرط پر صلح منظور کر لی کہ جو عیسائی عکہ سے نکل کر عیسائی کی قلمرو میں جانے۔ وہ سوائے زادِ راہ کے اور کچھ اپنے ہمراہ نہ لے جا سکیگا۔ اور عیسائی عکہ میں رہیں انہیں جزیہ دینا ہوگا اس شرط پر صلح ہو گئی۔ وہ شورہ پشت عیسائی جو مسلمانوں پر دہشیانہ مظالم کرتے رہے تھے۔ یا ان لوگوں کے رشتہ دار جو سلطان کے مقابلہ میں حطین کے مقام پر لڑے تھے۔ سلطان کے خوف سے گھر بار۔ گھر کا تمام اثاثہ چھوڑ چھوڑ کر بھاگ گئے۔

یکم جمادی الاول ۵۸۳ھ کو سلطان مع اسلامی لشکر کے فاتحانہ عکہ میں داخل ہوئے۔ عیسائی خوف و ہراس اور مسلمان مسرت و شادمانی سے دیکھنے لگے۔ جو عیسائی عکہ سے چلے گئے تھے۔ ان کے گھروں کا تعلیقہ کر لیا گیا۔ ان گھروں سے اس قدر مال غنیمت ہاتھ لگا کہ مفلس مسلمان بھی مال دار ہو گئے۔

اب سلطان نے اسلامی لشکر کے کئی حصے کر دیئے۔ ایک حصہ ملک العادل کی سرکردگی میں شہر مجدل یا روبانا کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ دوسرا حصہ تقی الدین کو دے کر تبنین کی طرف روانہ کیا۔ تیسرا حصہ حسام الدین کو دے کر نابلس پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ان سب سپہ سالاروں کو ہدایت کر دی کہ وہ بیروت کے مقام پر جمع ہو جائیں۔

تینوں لشکر اپنی اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہوئے خود سلطان نے معہ بقیہ لشکر کے جس میں ملک العزیز، ملک الافضل، اشرف، مسعود، منصور، عبدالرحمٰن، عبداللہ۔ الفضل، مرجینا، عائشہ اور اگنیس سب ہی تھے تقی الدین کے پیچھے تبنین کی طرف کوچ کیا

سلطان کی اس کارروائی سے عیسائیوں میں ہل چل مچ گئی۔ اُن پر اسلامی لشکر کا رُعب بیٹھ گیا جس طرف سلطانی لشکر گیا مظفر و منصور ہوا۔

ملک العادل نے شہر مجدل یا باردربافا کو فتح کر لیا۔ حسام الدین نے سبیط اور نابلس پر فتح حاصل کر لی۔ تقی الدین نے تبنین کا محاصرہ کر لیا جس وقت سلطان یہاں پہنچا وہاں کے قلعہ نشین عیسائیوں نے صلح کر لی۔ اُن کے پاس سات آٹھ ہزار مسلمان قید تھے۔ ان مظلوم مسلمانوں نے رہائی پائی ۱۱ جمادی الاوّل ۵۸۳ھ کو سلطان تبنین میں داخل ہوا۔ وہاں کچھ دنوں قیام کر کے صیدا کی طرف بڑھا۔ ۲۰ جمادی الاوّل ۵۸۳ھ کو بلا مزاحمت صیدا پر قابض ہو گیا۔ اب وہ بیروت کی طرف بڑھا۔

بیروت نہایت پرانا شہر تھا۔ اس کا قلعہ بہت زیادہ مضبوط تھا۔ فصیل نہایت مستحکم تھی۔ فصیل پر گاردو رہا کرتی تھی۔ چونکہ یہ قلعہ ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے گردونواح کے عیسائی بھاگ کر اسی قلعہ میں جمع ہو گئے تھے عیسائیوں کی کثرت نے قلعہ کو ڈھک لیا تھا۔

سلطان جب اس مضبوط قلعہ پر حملہ آور ہوا۔ اسی وقت ملک العادل اور حسام الدین بھی آ گئے۔ چار روز تک معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ پانچویں روز آپ ہی آپ یہ خبر مشہور ہو گئی کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے۔

یہ سُنتے ہی عیسائی گھبرا گئے۔ تمام قلعہ میں تہلکہ مچ گیا۔ عام پریشانی رُونما ہو گئی۔ عیسائیوں نے سلطان سے صلح کی درخواست کی۔ رحمدل سلطان نے منظور کر لی۔ عیسائیوں نے قلعہ سلطان کے حوالے کر دیا۔

۲۹ جمادی الآخر ۵۸۳ھ کو سلطان قلعہ میں داخل ہوا۔ اور اسلامی نشان قلعہ کے سب سے بلند مقام پر اڑا دیا گیا۔

بیروت فتح کرنے کے بعد بیت المقدس پر یورش کرنے کی تیاریاں ہونے

لگیں۔ لیکن ابھی درمیان میں ایک مضبوط اور سربفلک عسقلان کا قلعہ حائل تھا۔ عیسائی بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اگر سلطان نے عسقلان کو فتح کر لیا۔ تو پھر مقدس شہر یروشلم کے بچنے کی کوئی صورت باقی نہ رہے گی۔ اس لیے انہوں نے عسقلان کو بچانے کا تہیہ کر لیا تھا۔ چاروں طرف سے سرفروش عیسائی آ آ کر عسقلان کو میں جمع ہونے لگے تھے۔

عسقلان کا قلعہ نہایت مضبوط، مستحکم، وسیع اور بلند تھا۔ یہ دریا کے کنارے پر واقع تھا۔ اس کے اندر اس قدر اراضی قابل زراعت پڑی تھی جس کی پیداوار سال کے سال قلعہ نشینوں کو کافی ہو سکتی تھی۔

اسلامی لشکر کو عسقلان میں روکنے نہ صرف روکنے بلکہ ہزیمت دینے کے لیے عیسائی جنگجو کثیر التعداد میں جمع ہو گئے تھے لیکن بیلن کا بالیان اور پاپائے اعظم ہرقلیس عیسائیوں میں سرفروشی کا جذبہ پیدا کر کے عسقلان روانہ کر رہے تھے۔ عیسائیوں میں جوش و غضب بھرا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اب ایک ایک انچ زمین کے لیے کٹ مرنے پر تیار ہو گئے ہیں۔

سلطان کو معلوم تھا کہ عسقلان کا قلعہ نہایت مضبوط ہے۔ اس لیے اس نے مصر سے منجنیقیں منگائی تھیں۔

منجنیقیں لکڑی کے بنے ہوئے قلعے تھے جن پر الپسات کی چادریں چڑھی ہوئی تھیں۔

تھوڑے ہی دنوں میں منجنیقیں آ گئیں۔ سلطان نے تھوڑا تھوڑا لشکر عسقلان کی طرف روانہ کرنا شروع کر دیا۔ سب سے پہلے ملک تقی الدین اشرف اور مسعود کو روانہ کیا۔ ان کے عقب میں ملک الافضل، حسام الدین، عبدالرحمٰن اور عبداللہ کو بھیجا۔ ان کے بعد ملک العزیز اور فقیہ عیسیٰ کو روانہ کیا۔ ان کے پیچھے ملک العادل اور سب کے بعد خود سلطان نے معہ تمام لشکر کے کوچ کیا۔

عسقلان کے باشندوں کو جاسوسوں کے ذریعے سے اسلامی لشکر کی روانگی کا حال معلوم ہوگیا تھا۔ انہوں نے اپنی حفاظت کا پورا پورا بندوبست کرلیا تھا۔ زیادہ سے زیادہ لشکر فصیل پر چڑھا دیا گیا۔ خاردار سوہا ، پتھروں کے ٹکڑوں کے جگہ جگہ انبار لگا دیئے تھے۔ چونکہ اہل عسقلان کو یہ بھی معلوم ہوگیا تھا کہ اسلامی لشکر کے ساتھ منجنیقیں بھی آرہی ہیں۔ اس لیے روغن نفت اور دوسرے ایسے روغن اور مصالحے جمع کرلیے تھے جس سے منجنیقوں میں آگ لگا کر انہیں برباد کیا جا سکے۔ ایسے روغنوں کے پیپے بُرجوں میں محفوظ کر دیئے گئے تھے۔ اور بڑی بڑی پچکاریاں پیپوں کے پاس رکھ دی گئی تھیں۔

انہوں نے اسلامی لشکر کی تعداد بھی معلوم کرلی تھی۔ کل چودہ ہزار مجاہدین اسلام خدائی اعانت کے بھروسہ پر عیسائیوں کے ناف ملک پر حملہ کرنے کے لیے آرہے تھے۔ عسقلان کے قلعہ میں عیسائیوں کی تعداد پچاس ساٹھ ہزار سے کم نہ تھی گویا وہ مسلمانوں سے چار گنا زیادہ تھے۔ لیکن ان پر اسلامی لشکر کا کچھ ایسا رعب طاری ہوگیا تھا کہ سر میدان مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

۵ جمادی الآخر ۵۸۳ھ کی دوپہر کو اسلامی ہراول دُور سے آتا ہوا نظر آیا۔ شاندار اسلامی نشان ہوا میں لہراتا ہوا آرہا تھا۔ عیسائیوں نے اُسے دیکھتے ہی اس قدر شور وغل کیا۔ کہ تمام قلعہ اور قلعہ کے مضافات گونج اُٹھے۔ کئی میل تک ان کے شور وغل کی آواز پہنچی۔ اس سے نہ صرف قلعہ والوں ہی نے سمجھ لیا کہ مسلمان آگئے بلکہ قلعہ کے قرب وجوار کے دیہات والوں کو بھی معلوم ہوگیا۔

مسلمان نہایت استقلال کے ساتھ آہستہ آہستہ آرہے تھے انہوں نے بھی نصرانیوں کے شور وغل کو سُن لیا تھا۔ وہ اس شورِ عظیم سے کچھ بھی متاثر نہ ہوتے جس شان اور رفتار سے آرہے تھے۔ اسی سے بڑھتے رہے۔

جب قلعہ تقریباً ۱۲ فرلانگ کے فاصلہ پر رہ گیا تب لشکر رُکا۔ سوار گھوڑوں سے اُترے اور کرجیوں سے خیمے اُتار اُتار کر نصب کرنے لگے ظہر

کے وقت تک انہوں نے خیمے نصب کرلیے۔ ابھی وہ اچھی طرح فارغ بھی نہ ہوتے تھے کہ دوسرا لشکر نمودار ہُوا۔ وہ پہلے لشکر کے داہنی طرف اُترا۔ وہ بھی جلد جلد خیمے نصب کرنے لگے۔ جب وہ فارغ ہُوئے تو تیسرا نظر آنے لگا۔ یہ لشکر پہلے لشکر کے بائیں طرف آکر خیمہ زن ہوگیا۔ اس لشکر کے فوراً ہی بعد چوتھا لشکر آیا وہ ان تینوں لشکروں کے پیچھے ٹھہرا۔ اس کے بعد پانچواں لشکر آیا۔ یہ پہلے تمام لشکروں سے بڑا تھا۔ اس نے عسقلان کے سامنے والے میدان کو بھر لیا۔ جب تمام لشکروں کے خیمے نصب ہوگئے تو خیموں کا عظیم الشان شہر معلوم ہونے لگا۔

مسلمان اس طرح خیمہ زن ہُوتے تھے کہ دو سنتروں کے درمیان خیموں کی دوہری قطار ایک ایک میل لمبی چلی گئی تھی۔ ہر دو خیموں کے درمیان گھوڑوں کے لیے کافی جگہ رکھی گئی تھی۔ صفائی کا ایسا انتظام کیا گیا تھا کہ خاکروب جھاڑو اور ٹوکرے لیے ہر وقت سنتروں پر گشت کرتے رہتے تھے۔ کیا مجال جو گھاس کا تنکا بھی سنتر پر پڑا رہ جائے۔ ہر سنتر کے دونوں سروں پر چند سپاہی ننگی تلواریں لیے پہرہ پر ہر وقت موجود رہتے تھے۔

جب آفتاب غروب ہوگیا تو تمام لشکر میں اس قدر روشنی کردی گئی کہ اتنی اندھیری رات ہونے کے کافی روشنی ہوگئی۔ ساری رات مجاہدین اسلام ہتھیاروں کو صاف کرتے رہے۔ سلطان کا ارادہ صبح ہی جنگ کرنے کا تھا۔ تمام لشکر میں عید کی سی خوشی چھائی ہوئی تھی۔ ہر شخص خوش تھا۔ سب نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی۔ چونکہ اب چاند نکل آیا تھا۔ چاندنی تمام خیموں اور سنتروں پر عکس فگن ہوگئی تھی۔ گرمیوں کا موسم تھا۔ چاندنی نہایت ہی دلفریب معلوم ہو رہی تھی۔ مجاہدین اسلام آئندہ جنگ پر تبصرہ کر رہے تھے۔ تمام لشکر میں عجیب چہل پہل تھی۔ لیکن تھوڑی ہی دیر میں سپاہی صبح کو کمربستہ ہونے کے خیال سے اپنے اپنے خیموں میں جا کر آرام کرنے لگے۔

چہل پہل کم ہونی شروع ہو گئی۔ ایک ثلث رات گزرنے پر سارے لشکر میں سناٹا چھا گیا۔ خاموش فضا میں چاند اپنی منزلیں طے کرتا رہا۔ جب صبح کے آثار ظاہر ہوئے تو دو خوش الحان لوگوں نے صبح کی اذان کہی۔

خاموش فضا میں صبح کے وقت اذان کی آواز نہایت ہی بھلی اور پیاری معلوم ہوتی۔ اذان سنتے ہی مجاہدین اسلام اٹھ بیٹھے۔ وہ لشکر سے باہر حوائج ضروری سے فارغ ہونے کے لیے چلے گئے۔ تمام کاموں سے فراغت پر سب نے وضو کیا اور جماعت سے نماز پڑھی۔ نماز پڑھتے ہی سلطان نے کمر بستہ ہونے کا حکم دیا۔ تمام لشکر مسلح ہو کر قلعہ کے سامنے صف بستہ ہو گیا۔

عیسائی بھی مسلح ہو کر فصیلوں پر کھڑے ہو گئے تھے۔ تمام فصیلیں عیسائیوں سے بھر گئی تھیں۔ جب آفتاب طلوع ہوا تو نصرانیوں نے اس زور سے طبل جنگ بجایا کہ تمام قلعہ اور قلعہ کے سامنے کا سارا میدان گونج اٹھا۔

مسلمانوں نے اللہ اکبر کا زلزلہ خیز نعرہ لگایا۔ قلعہ کی فصیل لرز گئی۔ عیسائیوں کے طبل جنگ کی آواز نعرۂ تکبیر میں جذب ہو کر رہ گئی۔ سب سے آگے ملک تقی الدین کا لشکر تھا۔ شہزادہ کے پاس ہی اشرف اور مسعود زرہ بکتر پہنے گھوڑوں پر سوار کھڑے تھے۔ مسعود کے پاس سعید تھا۔ تینوں پرجوش نوجوان تھے۔ تینوں کے چہروں سے شجاعت و استقلال کے آثار ہویدا تھے۔

تقی الدین نے لشکر بڑھنے کا اشارہ کیا۔ مسلمان سیلاب کی طرح بڑھے۔ عیسائیوں نے ان پر تیروں اور پتھروں کی بارش شروع کر دی۔ ساکن فضا متلاطم ہو گئی۔ عیسائیوں نے مارو مارو کا شور کر کے قلعہ اور میدان میں گونج پیدا کر دی۔ طبل جنگ کی مہیب آواز اس پر مستزاد تھی۔ شور و غل سے کانوں پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ تیروں کی سنسناہٹ اور پتھروں کی شرشر کی آوازیں

دہشت ناک طریقہ پر گونج رہی تھی۔

مسلمان قلعہ کے نیچے کھلے ہوئے میدان میں تھے۔ عیسائی اوپر سے تیروں اور پتھروں کی بارش کر رہے تھے۔ تھوڑی سی دیر میں تمام میدان خاردار پتھروں اور تیروں سے لبریز ہو گیا۔

سلطان ایک اونچے مقام پر گھوڑے پر سوار جنگ کا منظر بہ نظر غور دیکھ رہا تھا۔ آپ نے ملک الافضل کو تقی الدین کے داہنی طرف سے اور ملک العزیز کو بائیں طرف سے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ دونوں پرجوش سپہ سالار اپنے اپنے لشکروں کو لے کر بڑھے۔ عیسائیوں نے ان پر بھی تیروں اور پتھروں کا مینہ برسا کر انہیں بڑھنے سے روک دیا۔

اشرف نے مسعود کی دلیرانہ جنگ کے واقعات سن رکھے تھے۔ اسے آج تک جہاد میں شریک ہونے کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ اس وقت اس کی طبیعت میں جوش کا دریا موجزن ہوا۔ اس کے جوش کو تحریک دینے والی ایک وجہ اور بھی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ وہ حور جس کا نام سرجیلن تھا۔ اور جس کی زلف شبگوں میں اس کا دل اسیر ہو چکا ہے جس کی ہر ادا جانستان ہے۔ تبسم کی ہلکی سی لہر روح پرور ہے۔ وہ مع اس کی ہمشیر عائشہ اور پرجمال انگلیس کے سلطان کے قریب ہی ایک ٹیلہ پر کھڑی میدان جنگ کی طرف دیکھ رہی ہے۔ وہ لڑنے والوں میں ممتاز رہنے کے خیال سے آگے بڑھا۔

اس کی جسارت دیکھ کر مسعود اور سعید کے دلوں میں بھی امنگ پیدا ہوئی۔ وہ بھی بڑھے۔ ان تینوں کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر تمام سپاہی جوش میں بھر کر بڑھے۔ انہوں نے ڈھالوں کی آڑ لے کر بڑھنا شروع کر دیا۔

عیسائیوں نے انہیں بڑھتا ہوا دیکھ کر پہلے سے بھی زیادہ جوش و خروش سے سنگ باری اور تیر افگنی شروع کر دی۔ لیکن مسلمانوں پیچھے ہٹنے کے لیے نہ

بڑھے تھے۔ باوجودیکہ وہ زخمی ہو ہو کر گر رہے تھے۔ مگر ان کی رفتار اور استقلال میں ذرا بھی فرق نہ آیا تھا۔ برابر بڑھے چلے جا رہے تھے۔ لشکر سے آگے مسعود اشرف اور سعید تھے۔ اُن کی ڈھالیں اس قدر بڑی تھیں کہ وہ اُن کے پیچھے خود کو اور اپنے گھوڑوں کو بچائے چلے آرہے تھے۔

کمسن اور پرجمال لڑکیاں دُور سے کھڑی ان سرفروشوں کو بڑھتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ ان کی شجاعت و ہمت اور اُن کا سرفروشانہ جذبہ دیکھ کر وہ حسن و تنویر کی مجسم تصویریں کمال مسرور ہو رہی تھیں۔ اگنیس نے حُور جمال مہ جبین سے مخاطب ہو کر کہا۔ بھیا اشرف نے کمال کر دیا۔ پتھروں کی بارش میں اس طرح بڑھ رہے ہیں جس طرح ان پر پھولوں کی بارش ہو رہی ہو۔

مہ جبین نے جوش کی رو میں کہا! ہاں کمال کر دیا۔ نہایت پُرجوش نڈر اور شیر دل نوجوان ہے۔

اگنیس نے مسکرا کر کہا: "ایک بات تو وہ بھی گئی"۔

مہ جبین نے شوخ اگنیس کو دیکھ کر دریافت کیا! کیا؟

اگنیس: خوبصورت بھی ہے۔

مہ جبین شرما گئی۔ اس کی صراحی دار نازک گردن جھک گئی!

اگنیس نے پھر کہا: "تمہیں اشرف کی شجاعت پسند ہے یا خوبصورتی"

بھولی عائشہ تبسم کے ساتھ مہ جبین کو دیکھ رہی تھی۔ مہ جبین کی جادو نگار آنکھیں فرطِ حیا سے جھکی ہوئی تھیں۔ اس کے حیات بخش لبوں پر ہلکا سا تبسم تھا۔ اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ اگنیس نے پھر کہا۔ بولو جواب دو شرمانے کی سند نہیں!

مہ جبین نے شرم افزا لہجہ میں کہا: "تم سعید کی کس بات کو پسند کرتی ہو؟"

اگنیس نے ہنس کر کہا: "سعید میں کوئی بات ہی نہیں۔ پسند ہی کیا کرتی"۔

مدہوش عائشہ کھلکھلا کر ہنسی اس نے کہا: "غلط تم نے مجھے کہا تھا کہ میں سعید کو پسند کرتی ہوں۔"

اگنیس نے شوخ بھری نظروں سے بھولی عائشہ کو دیکھ کر کہا۔ اچھا چغلخور!

اب مہ جبین بھی بیساختہ ہنس پڑی۔ اُس نے کہا! دیکھیے۔ بھانڈا پھوٹ گیا نہ، بہت چھپاتی تھیں۔ اب بتاؤ تمہیں سعید کی کیا بات پسند ہے۔

اگنیس نے ایسی شوخی سے جس میں شرم کی بھی جھلک تھی۔ جواب دیا۔ "مجھے تو اُن کی ہر بات پسند ہے"۔

مہ جبین نے کہا۔ کن کی؟

اگنیس نے کسی قدر شرم کے لہجہ میں کہا۔ سعید کی!

عائشہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ اس نے بھولے پن کے انداز میں کہا۔ آہا! نام لے لیا۔

اگنیس نے کمسن عائشہ کو اپنے سینہ سے لگا کر بھینچتے ہوئے کہا۔ "کمسن جو نام لینے میں کیا ہرج ہے"۔

اب عیسائی بہت زیادہ شور و غل کر کے طبل جنگ کو اس زور سے پیٹنے لگے تھے کہ میلوں تک اُس کی آواز پہنچنے لگی تھی۔

یہ پرجمال لڑکیاں اس طرف متوجہ ہوگئیں۔ انہوں نے دیکھا کہ اشرف مسعود اور سعید فصیل کے نیچے پہنچ گئے ہیں۔ اُن کا لشکر ابھی فصیل سے دُور تھا اگرچہ لشکر کی پیشقدمی جاری تھی لیکن عیسائی اس کثرت سے سنگباری کر رہے تھے کہ مسلمان کئی کئی منٹ میں ایک ایک قدم بڑھ سکتے تھے!

اشرف، مسعود اور سعید نے یہ بڑی جرأت کی تھی۔ وہ ڈھالوں کی آڑ میں تیروں اور پتھروں کا مقابلہ کرتے ہوئے بڑھتے چلے گئے۔ اور فصیل کے

نیچے جا کھڑے ہوتے۔ افسوس ہے کہ اُن کے پاس کوئی سامان ایسا نہ تھا جس کے ذریعے سے وہ فصیل پر چڑھنے کی کوشش شروع کر دیتے۔ اُن کی یہ عدیم النظیر جرأت و دلیری دیکھ کر سلطان کی زبان سے بھی بے ساختہ نعرۂ تحسین و آفرین نکل گیا۔ جس وقت یہ تمیں سرفروش فصیل کے نیچے پہنچے اُس وقت چار گھڑی دن باقی تھا۔ گویا صبح سے اس وقت تک برابر جنگ ہوتی رہی تھی اور جس پیمانہ پر صبح جنگ شروع کی گئی تھی اس پیمانہ پر اب بھی ہو رہی تھی۔

بلکہ اب تمام اوقات سے زیادہ جوش و خروش کا اظہار ہو رہا تھا کیونکہ دن ختم ہونے کے قریب دیکھ کر مسلمان پیشقدمی میں عجلت کر رہے تھے اور عیسائی انہیں روکنے اور ایک قدم بھی آگے نہ بڑھنے دینے کے لیے کثرت سے تیروں اور پتھروں کا مینہ برسا رہے تھے۔

رفتہ رفتہ آفتاب غروب ہو گیا۔ مسلمان فصیل تک نہ پہنچ سکے۔ اور اشرف وغیرہ جو فصیل کے نیچے پہنچ گئے تھے۔ وہ کوئی سامان فصیل پر چڑھنے کا نہ ہونے کی وجہ سے بیکار کھڑے رہے۔

آفتاب غروب ہوتے ہی سلطان نے لشکر کو واپسی کا اشارہ کیا۔ مسلمان بالترتیب پیچھے ہٹے۔ اشرف، سعید اور مسعود بھی لوٹ آئے۔ کچھ رات گئے اسلامی لشکر کیمپ میں پہنچا۔ آج کی جنگ میں مسلمانوں کا زیادہ نقصان ہوا۔ ان لوگوں نے سب سے پہلے نماز پڑھی۔ پھر زخمیوں کی مرہم پٹی کی۔ ان کاموں سے فارغ ہو کر سونے کے لیے اپنے اپنے بستروں پر چلے گئے!

دوسرے روز سلطان نے مسلمانوں کو آرام کرنے کا حکم دیا۔ وہ کمر بستہ ہو کر میدان میں نہ آئے۔ عیسائی آج بھی پہلے روز کی طرح فصیل پر آ گئے اور تمام دن بے کار بیٹھے رہے۔ دوسرے روز بھی مسلمان صف بستہ نہ ہوئے تیسرے روز بھی جب اسلامی لشکر صف آرا نہ ہوا تو عیسائیوں کو خیال ہو گیا کہ سلطان اور اس کا لشکر عیسائیوں سے خائف ہو گئے۔ ساتھ ہی یہ بات بھی مشہور ہو گئی کہ سلطان

نے مصر سے مزید لشکر طلب کیا ہے۔ اس سے عیسائیوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ انہوں نے اچانک قلعہ سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کا مشورہ کیا۔

چنانچہ جب قرارداد ۲ جمادی الآخر ۵۸۶ھ کو قلعہ کا دروازہ کھلا۔ اور عیسائی لشکر پانی کے سیلاب کی طرح نکلنا شروع ہوا۔

مسلمانوں نے اس ٹڈی دل لشکر کو دیکھا۔ وہ گویا اُن کے قلعہ سے نکلنے کا انتظار ہی کر رہے تھے۔ سلطان نے فوراً تمام لشکر کو مسلح ہونے کا حکم دیا۔ اسلامی لشکر حیرت انگیز سُرعت کے ساتھ مسلح ہو کر عیسائیوں کے مقابلہ میں صف بستہ ہو گیا۔ عیسائیوں کی تعداد اس قدر کثیر تھی کہ وہ تمام میدان میں بکھر گئے۔

جب میدان لبریز ہو گیا۔ تو باقی ماندہ سپاہی فصیل پر جا چڑھے۔

آج ملک الافضل قلب میں۔ ملک العزیز میمنہ میں اور تقی الدین میسرہ میں صف آرا ہوتے۔ ملک الافضل کے عقب میں۔ اشرف، مسعود اور تقی الدین کے پیچھے اور سلطان سب کے عقب میں صف آرا ہوا۔

عیسائی جوش و خروش میں بھر کر نکلے تھے۔ ان کا یہ خیال پختہ ہو گیا تھا کہ مسلمان اُن سے ڈر گئے۔ اس لیے انہوں نے فوراً حملہ کر دیا۔ حملہ ہوتے ہی طبل جنگ زور شور سے بجایا جانے لگا۔ عیسائیوں نے مار و مار و کا غل کر کے تمام میدان کو سر پر اُٹھا لیا۔ جو لوگ فصیل پر تھے وہ بھی لڑنے والوں کا دل بڑھانے کے لیے مار و مار و کا شور کرنے لگے۔ تمام میدان مختلف آوازوں سے گونج اٹھا!

مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کا فلک شگاف نعرہ لگایا۔ انہوں نے عیسائیوں کا تلواروں سے استقبال کیا۔ لشکروں کے ملتے ہی تلواریں بلند ہوئیں پہلی مرتبہ وہ صاف شفاف ہونے کی وجہ سے بجلی کی طرح کوندیں اور انسانی سمندر میں غوطہ لگا کر جو اُبھریں تو اُن میں سے بعض خون اُگلنے لگیں۔

پہلے ہی حملہ میں بہت سے نصرانی نذرِ اجل ہو گئے۔ وہ اپنے ہمراہیوں کو مرتے دیکھ کر اور بھی غیظ و غضب میں بھر گئے۔ انہوں نے میسرہ پر اس شدت سے حملہ کیا کہ تقی الدین کو پیچھے ہٹنا پڑا۔

اس کے پیچھے ہٹنے سے عیسائیوں کے حوصلے اس قدر بڑھے کہ انہوں نے تمام اسلامی لشکر کو تمام محاذات سے پیچھے ہٹانے کے لیے نہایت سخت حملہ کیا۔ ہر جگہ جنگِ مغلوبہ شروع ہو گئی۔ ملک الافضل اور العزیز نے ہر چند ان کے حملوں کو روکنا چاہا۔ بہت کچھ جد و جہد کی۔ ہزاروں عیسائیوں کو کاٹ کر ڈال دیا۔ مگر سرفروش عیسائی پیچھے نہ ہٹے نہ ڈرے نہ گھبرائے بلکہ پہلے سے بھی زیادہ جوش کے ساتھ حملہ آور ہوئے۔ مجبوراً مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔

جب تقی الدین پیچھے ہٹتے ہٹتے اشرف کے لشکر سے جا ملا تو اشرف کو طیش آگیا وہ اللہ اکبر کا نعرہ بلند کر کے عیسائیوں پر ٹوٹ پڑا۔ اس کے ساتھ ہی مسعود سعید اور اس کے لشکر نے بھی حملہ کیا۔ مسلمانوں کا یہ حملہ نہایت سخت تھا۔ ان کی شمشیرِ براں نے سینکڑوں عیسائیوں کو قتل کر ڈالا۔ لیکن عیسائی ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹے۔ وہ نہایت سرفروشی سے برابر جنگ کرتے رہے۔

اس وقت آفتاب نصف النہار پر پہنچ گیا تھا۔ جوں جوں دھوپ میں تیزی آتی چلی گئی۔ جنگ کی آگ بھی ساتھ ہی ساتھ بھڑکتی رہی۔ یہاں تک کہ اس وقت ہر محاذ پر نہایت خونریز جنگ ہو رہی تھی۔ حدِ نگاہ تک تلواریں بلند ہوتی نظر آ رہی تھیں۔ سر اور دھڑ کٹ کٹ کر گر رہے تھے بے سوار گھوڑے اچھلتے پھر رہے تھے۔ زخمیوں کی چیخ و پکار۔ قومی نعروں کی آواز۔ مارو مارو کا غلغل جنگ کے شور سے عرصۂ محشر بپا ہو رہا تھا۔

دونوں طرف کے سرفروش نہایت جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔ خون اس قدر بہا تھا کہ سبزہ زار خوفناک ہو گیا تھا۔ جگہ جگہ خون کے تھکے جم گئے

تھے۔ سر ٹھوکریں کھا کھا کر گیند کی طرح چکر لگا رہے تھے۔ مرنے والوں کے جسم گھوڑوں کے قدموں سے روندے اور کچلے جا رہے تھے۔

اشرف اور اس کے دونوں ہمراہی نہایت خونریز جنگ کر رہے تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ سنبھل کر بڑے جوش سے حملہ کیا۔ ان کے ساتھ ہی ان کا لشکر بھی غیظ و غضب میں آ کر عیسائیوں پر ٹوٹ پڑا۔

ایسی شدید جنگ ہوئی کہ کشتوں کے انبار لگ گئے۔ نصرانی بہت سنبھلے انہوں نے مسلمانوں کا حملہ روکنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ لیکن مسلمانوں نے کچھ ایسا سخت حملہ کیا تھا کہ عیسائیوں کو پسپا ہی کر کے چھوڑا۔ عیسائی دور تک پیچھے ہٹتے چلے گئے۔

ٹھیک اس وقت جبکہ عیسائی پسپا ہو رہے تھے۔ سلطان نے معہ تمام لشکر کے حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اس قدر سخت تھا کہ عیسائی اپنا پورا زور لگانے پر بھی اُسے رد نہ کر سکے۔ وہ ہر محاذ سے پسپا ہوئے۔ سلطان خود تلوار کھینچ کر عیسائیوں پر برس پڑا۔ سلطان کو لڑتے ہوئے دیکھ کر تمام مسلمان جوش سے اُمنڈ آئے۔ انہوں نے ہر جگہ سنبھل سنبھل کر حملہ کیا۔ عیسائیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ وہ بے دل ہو کر بھاگے اور قلعہ میں گھسنے لگے۔

مسلمانوں نے اُن کا تعاقب کیا۔ انہوں نے ہزاروں بھاگتے ہوئے نصرانیوں کو قتل کر ڈالا۔ جب وہ مارتے کاٹتے فصیل کے قریب پہنچے تو فصیل کے اُوپر کھڑے ہوئے عیسائیوں نے شور و غل کر کر کے تیروں اور پتھروں کی بارش شروع کر دی۔ اس سنگباری اور تیر افگنی نے مسلمانوں کی پیشقدمی روک دی۔ وہ عیسائیوں کے ساتھ ہی قلعہ میں داخل ہونا چاہتے تھے۔ لیکن فصیل والوں نے انہیں ایسا نہ کرنے دیا۔ مجبوراً مسلمان واپس لوٹے۔ انہوں نے شہیدوں کو ایک جگہ جمع کیا۔ آٹھ سو مسلمان شہید ہوئے تھے۔

سلطان اور تمام لشکر نے شہیدوں کے جنازہ کی نماز پڑھ کر انہیں دفن کر دیا۔ عیسائی بھی ہزار سے زیادہ قتل ہوئے تھے۔ آج کا میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا تھا۔ اگرچہ پوری فتح نہ ہوئی تھی۔ لیکن اس قدر کامیابی ضرور ہو گئی تھی کہ مسلمانوں کا عیسائیوں پر رعب بیٹھ گیا تھا۔ شہیدوں کو دفن کرنے کے بعد مسلمان اپنے کیمپ میں داخل ہو کر زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے لگے۔

اس کے بعد نصرانیوں کو قلعہ سے باہر نکلنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ سلطان نے بھی پورے آٹھ روز آرام کیا۔ اس عرصہ میں اسلامی لشکر نے ستا لیا۔

۳۰ رجمادی الآخر ۵۸۳ھ کو علی الصباح نماز سے فارغ ہوتے ہی مسلمان مسلح ہو کر صف بستہ ہو گئے۔ آج تین منجنیقیں بھی میدان جنگ میں کھڑی کر دی گئی تھیں۔ ان میں سے دو معمولی صرف دو دو منزل کی تھیں۔ نیچے کی منزل میں پانی سے بھرے ہوئے گھڑے، فصیل توڑنے کے لمبے لمبے شہتیر اور معمولی قسم اوزار رکھے تھے۔ دوسری منزل میں سو سو آدمی مسلح بیٹھے تھے ان منجنیقوں کے نیچے پہیے لگے ہوئے تھے۔ ان کو پیچھے سے آدمی دھکیلتے تھے۔ ایک منجنیق کو دھکیلنے کے لیے دو دو سو آدمی لگائے جاتے تھے۔

تیسری منجنیق بہت زیادہ بڑی تھی۔ وہ اچھے خاصے چھوٹے سے قلعہ کے برابر تھی۔ اس کے نیچے بڑے بڑے پہیے لگے ہوئے تھے۔ یہ سہ منزلہ تھی۔ اس کی لکڑی مضبوط تھی۔ سامنے کے رخ پر اسپات کی چادر چڑھی ہوئی تھی۔ اس کے نیچے کی منزل میں لوہے کے لٹھے، کدالیں، نیزے، ہتھوڑے اور رکھی ہوئی تھیں۔ دوسری اور تیسری منزل میں مسلح سپاہی بیٹھے ہوئے تھے۔

جس طرح فصیل میں روزن دان رکھے جاتے ہیں۔ اسی طرح اس منجنیق میں بھی تیر چلانے کے لیے ہزاروں سوراخ تھے۔ اس کی دونوں منزلوں میں پانچسو آزمودہ کار سپاہی سوار تھے یہ منجنیق اشرف کی ماتحتی میں دی گئی تھی۔ اشرف

سب سے اونچی منزل میں بیٹھا تھا۔ اس کے قریب ہی مسعود اور سعید بھی بیٹھے تھے۔ یہ منجنیق اس قدر بڑی تھی کہ اسے پانچسو آدمی پیچھے سے دھکیلتے تھے۔

دراصل یہ منجنیقیں رواں قلعہ ہوتے تھے۔ یہ بالکل اسی طرح بنائے جاتے تھے جیسے فی زمانہ یورپ میں آہنی قلعے بنائے جاتے ہیں۔ اب ان قلعوں میں بہت کچھ اختراعات اور جدت ہو گئی ہے۔ اس وقت سادہ حالت میں تھے!

جس وقت یہ تینوں منجنیق قلعہ کی طرف بڑھیں تو ان کو دیکھنے والوں پر ہول ساطاری ہو گیا۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے قلعے بنیادوں سے اکھڑ کر زمین کو پھاڑتے ہوئے بڑھے چلے آ رہے ہیں۔

عیسائی ان منجنیقوں کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ ان کے پیچھے اسلامی لشکر قدم بقدم آ رہا تھا۔ عیسائیوں نے پہلے تو پتھروں کی بارش شروع کی لیکن جب پتھروں نے منجنیقوں کو کوئی نقصان نہ پہنچایا تو انہوں نے روغن نفت اور دوسرے مصالحے پچکاریوں میں بھر بھر کر مارنے شروع کیے۔

دونوں چھوٹی منجنیقوں پر لوگ پانی چھڑکتے جاتے تھے۔ ان منجنیقوں کی چھتیں لکڑی کی تھیں۔ ان کی چھتوں پر ہلکا ہلکا ریت بچھا دیا گیا تھا۔ لیکن بڑی منجنیق جو اشرف کی سرکردگی میں تھی۔ اس کی چھت پر سرکہ چھڑک دیا گیا تھا۔

جب منجنیقیں قلعہ کے قریب پہنچیں تو عیسائیوں نے روئی کے بڑے بڑے گولے پھینکے اور ان پر روغن نفت کی بارش شروع کر دی۔ روغن نفت نے روئی میں آگ لگا دی۔ روئی سے ایک منجنیق کی چھت میں آگ لگ گئی گرمیوں کا موسم تھا۔ ہوا کسی قدر تیز چل رہی تھی۔ آگ لگتے ہی شعلے بھڑک اٹھے۔ ہر چند ان شعلوں کو بجھانے کی کوشش کی گئی۔ لیکن آگ کسی طرح نہ بجھی۔ بلکہ شعلے بڑھتے بڑھتے نیچے

۱؎ از حیات سلطان صلاح الدین

کی منزل تک پہنچ گئے۔

اس منجنیق کی دوسری منزل میں جو سپاہی سوار تھے۔ وہ نیچے کی منزل میں آ گئے۔ جب شعلے وہاں بھی پہنچ گئے تو وہ لوگ اتر اتر کر الگ کھڑے ہو گئے۔ منجنیق کے تختے جل جل کر چٹخنے لگے۔ آگ کی تپش نے دور تک اثر کرنا شروع کیا۔ اس منجنیق کو دھکیلنے اور اس میں بیٹھنے والے سپاہی سب دور ہٹ گئے۔ جبکہ شعلے بلند ہو رہے تھے۔ عیسائی نہایت شور و غل کر رہے تھے وہ منجنیق کو جلتا ہوا دیکھ کر کمال مسرور ہو رہے تھے۔ پادری لوگ سفید چغے پہنے سرخ صلیبیں سینوں پر لگائے مسکرا مسکرا کر انجیل مقدس کی آیتیں پڑھ رہے تھے طبل جنگ بھی نہایت زور شور سے بجایا جا رہا تھا۔ یہ تمام آوازیں ایسا شور و شغب پیدا کر رہی تھیں کہ کانوں پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

تھوڑی ہی دیر میں منجنیق جل کر آگ کا ڈھیر بن گئی۔ دوسری منجنیق بھی آگ لگ جانے کے اندیشہ سے پیچھے ہٹا لی گئی۔ البتہ تیسری بڑی منجنیق کو برابر دھکیلا جا رہا۔ اس منجنیق کے سامنے والے سب سے بلند برج میں۔ اشرف مسعود اور سعید بیٹھے ہوئے تھے۔

عیسائیوں نے اس آہنی قلعہ یا منجنیق میں آگ لگانے کے لیے روئی کے بڑے بڑے گولے جلا جلا کر پھینکے۔ روغن نفت پچکاریوں کے ذریعہ سے اس قدر پھینکا کہ تمام منجنیق تر ہو گئی لیکن اس میں آگ نہ لگی۔ سرکہ نے کسی چیز کا اثر ہی نہ ہونے دیا۔ اب عیسائیوں نے کلوں کے ذریعہ سے بڑے بڑے پتھر پھینکنے شروع کیے لیکن ان کا یہ حربہ بھی بے کار ثابت ہوا۔ یہ منجنیق اس قدر مضبوط تھی کہ کسی پتھر نے بھی اسے نقصان نہ پہنچایا۔ مسلمان نہایت اطمینان اور استقلال کے ساتھ اسے دھکیلتے چلے جا رہے تھے۔ پانچ پانچ سو کے تین دستے اس منجنیق کو دھکیلنے کے لیے پیچھے پیچھے چلے آ رہے تھے۔ ایک دستہ

صرف دس منٹ دھکیلتا تھا۔ اس کے بعد دوسرا دستہ پہلے کو پیچھے ہٹا کر دھکیلنے لگتا تھا۔ بڑھتے بڑھتے منجنیق قلعہ سے لے جا کر ملا دی گئی۔ فوراً نیچے کی منزل کی کھڑکیاں کھول گئیں اور سپاہی زمین پر کود کود کر لوہے کے ہتھوڑے اور کدالیں نکالنے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں ان ہتھوڑوں اور کدالوں سے فصیل کی دیوار توڑی جانے لگی۔

عیسائی یہ کیفیت دیکھ کر گھبرا گئے۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس وقت کیا کریں اور کس طرح فصیل کو ٹوٹنے سے بچائیں۔ جس وقت نیچے کی منزل والے فصیل توڑ رہے تھے۔ اسی وقت اشرف فصیل کے اوپر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ منجنیق کا برج قلعہ کی فصیل کے برابر تھا۔ برج میں چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں تھیں اشرف نے سامنے والی کھڑکی کھول دی تھی۔ لیکن فصیل سے منجنیق ۴ گز کے فاصلے پر کھڑی تھی۔ قلعہ کی فصیل ۲۲ فٹ اونچی تھی۔ اس قدر اونچائی پر بارہ فٹ لمبائی میں کود کر فصیل پر پہنچنا خطرناک تھا۔ پھر ایسی حالت میں جب کہ فصیل کے چپے چپے پر اس کے دشمن موجود تھے۔ مگر وہ بڑا ہی دلیر، جری اور نڈر جوان تھا۔ اس نے ایک ہاتھ میں تلوار لی اور دوسرے میں ڈھال سنبھالی اور کھڑکی سے باہر نکل کر بسم اللہ کہہ کے جست لگائی اور فصیل پر جا پہنچا۔ پہلے تو عیسائی اسے جست لگاتے ہوئے دیکھ کر جھجکے۔ کسی قدر پیچھے دب گئے۔ خدا جانے وہ اسے کیا سمجھے لیکن جب وہ تلوار سونت کر عیسائیوں پر ٹوٹ پڑا تو انہیں کمال طیش آیا۔ ساتھ ہی اس کی بہادری پر رشک بھی ہوا۔ انہوں نے چاروں طرف سے اسے نرغے میں لے کر اس پر تلواروں کا مینہ برسا دیا۔

اشرف کے لیے یہ نہایت نازک موقع تھا۔ وہ فصیل کے کنارہ پر کھڑا ہوا جنگ کر رہا تھا۔ اندیشہ تھا کہ کہیں عیسائی اسے دھکیل کر فصیل سے نیچے نہ گرا دیں۔ لیکن وہ اس طرح قدم جمائے لڑ رہا تھا۔ جیسے اس کے پاؤں کاٹ دیئے گئے ہوں۔ ابتک اس نے آٹھ دس نصرانیوں کو قتل کر ڈالا تھا۔

عیسائی ابھی نہایت شور و غل کر رہے تھے۔ چلاتے چلاتے اُن کے گلے بیٹھ گئے تھے۔ اس وقت کا شور۔ شورِ نشور سے کم نہ تھا۔ اشرف نہایت دلیری اور چابکدستی سے تن تنہا ہزاروں سے جنگ میں مشغول تھا۔ سلطان دُور کھڑا ہُوا اُس کی عدیم النظیر جسارت دیکھ رہا تھا۔ وہ دِل ہی دل میں اس کی بہادری۔ جوش اور دلیری کی تعریف کر رہا تھا۔

ابھی اشرف کو جنگ کرتے ہُوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ مسعود اور سعید بھی کُود کُود کر اُس کے پاس پہنچ گئے۔ یہ بھی تلواریں سُونت سُونت کر بھرے ہوئے شیروں کی طرح عیسائیوں پر جا پڑے۔ اب ایک سے تین ہو گئے تینوں نہایت بہادری سے لڑنے لگے۔

عیسائی بڑھ بڑھ کر اُن سرفروشوں پر حملے کر رہے تھے۔ وہ انہیں قتل کر ڈالنا یا دھکیل کر فصیل سے نیچے گرا دینا چاہتے تھے۔ لیکن یہ تینوں بہادر اور پُرجوش نوجوان نہ ایک انچ پیچھے ہٹتے تھے نہ کسی کو اپنے پاس آنے دیتے تھے۔ بلکہ اس کے برعکس اُن کی بے پناہ تلواریں عیسائیوں کو موت کے گھاٹ اُتار رہی تھیں۔

اشرف۔ مسعود اور سعید کے فصیل پر جست کر کے پہنچ جانے سے اور مسلمانوں کو بھی جرأت ہُوئی وہ بھی ایک دو دو کر کے کُودنے لگے۔ رفتہ رفتہ دو سو مجاہدین فصیل پر پہنچ گئے۔ اب محاذِ جنگ طویل ہو گیا۔ دور تک فصیل پر مسلمان پہنچ کر جنگ کرنے لگے۔ عیسائیوں کو مسلمانوں پر سخت غصّہ آ رہا تھا۔ وہ جس قدر انہیں فصیل پر آنے سے روکتے تھے۔ اسی قدر وہ کُود کُود کر آ رہے تھے اور آتے ہی جنگ شروع کر دیتے تھے۔ مرنا تو وہ جانتے ہی نہ تھے۔ بڑی بے خوفی سے لڑ لڑ کر عیسائیوں کو قتل کر رہے تھے۔

جبکہ فصیل پر یہ ہنگامہ دار و گیر بلند تھا اُس کے زیرین حصّہ میں کچھ مسلمان نہایت اطمینان سے فصیل توڑنے میں مشغول تھے۔ کدالوں۔ اور لوہے کے لٹھوں

چھینیوں اور ہتھوڑوں سے کام لیا جا رہا تھا۔ دو گھنٹہ کی مسلسل کوشش کے بعد فصیل ٹوٹ گئی۔ تین گز چوڑا اور دو گز اُونچا رخنہ کر دیا گیا۔ چند مسلمان بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا کہکر شگاف کے اندر داخل ہو کر قلعہ میں پہنچ گئے۔ انہوں نے جاتے ہی اللہ اکبر کا دل ہلا دینے والا نعرہ بلند کر کے عیسائیوں پر حملہ کر دیا۔ اگرچہ عیسائی گھبرا گئے۔ لیکن انہوں نے تلواروں سے مسلمانوں کا استقبال کیا۔ اب قلعہ کے اندر بھی جنگ شروع ہو گئی۔ وہ تمام مسلمان جو منجنیق کو دھکیلے ہوئے لا رہے تھے شگاف کے ذریعہ سے قلعہ میں داخل ہو گئے اور نہایت سرفروشی سے جنگ کرنے لگے!

ملک العزیز اور ملک الافضل قریب ہی تھے۔ انہیں مسلمانوں کے قلعہ میں داخل ہونے کی اطلاع ہو گئی وہ دونوں مع اپنے اپنے لشکروں کے تیزی سے قلعہ کی طرف بڑھے۔ فصیل پر اور قلعہ کے اندر نہایت جوش و خروش سے جنگ ہو رہی تھی۔ دونوں جگہ مسلمان بہت ہی کم تھے۔ عیسائیوں کو خیال تھا کہ وہ ان مٹھی بھر مسلمانوں کو یا تو مار ڈالیں گے یا گرفتار کر لیں گے۔ لیکن مسلمانوں کے جوش اُن کی شجاعت اور استقلال نے اُن کے خیال کی تردید کر دی۔

عیسائی اس جوش و خروش سے لڑ نہ رہے تھے جس قدر غل مچا رہے تھے۔ دراصل وہ شور و غل سے مسلمانوں کو مرعوب کرنا چاہتے تھے۔ لیکن مسلمان سر جھکائے اسی طرح جنگ میں مشغول تھے۔ گویا وہ مرعوب ہونا جانتے ہی نہیں۔ اور صرف لڑنے کے لیے پیدا ہوتے ہیں لیکن نصرانیوں کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ تمام قلعہ اور قلعہ کی ساری فصیل اُن سے بھری پڑی تھی۔ ۶۰-۷۰ ہزار عیسائی تھے۔ فصیل پر ۲۰ ہزار اور قلعہ کے اندر ۴۰-۵۰ ہزار نا آزمودہ کار نصرانی موجود تھے۔ مسلمان فصیل پر صرف دو ہزار اور قلعہ کے اندر اٹھارہ سو تھے۔ اس طرح مسلمانوں کی عیسائیوں سے کچھ نسبت ہی نہ تھی۔ مگر وہ اپنی جبلی شجاعت اور بیمثل جرأت

سے برابر مصروف پیکار تھے۔ اشرف، مسعود اور سعید جنگ میں اس قدر مشغول تھے کہ انہیں ایک دوسرے کی خبر نہ تھی۔ ان تینوں نے اس قدر نصرانیوں کو تہ تیغ کیا تھا کہ خون کی چھینٹیں ان کی زرہ بکتروں پر پڑ پڑ کر گوشت کے لوتھڑوں کی طرح جم گئی تھیں۔

مسلمانوں کے بازو عیسائیوں کو قتل کرتے کرتے شل ہو گئے تھے۔ اب ان میں وہ چستی نہ رہی تھی جو جنگ شروع کرتے وقت تھی۔ ان میں اضمحلال کے آثار دیکھ کر عیسائی دلیر ہو گئے۔ انہوں نے نہایت جوش سے حملہ کیا۔ مسلمان پیچھے ہٹے۔ فصیل پر لڑنے والے مسلمان فصیل کے کنگوروں سے جا ملے۔ عیسائیوں نے اُن پر پھر حملہ کیا۔ انہوں نے زور کر کے چند مسلمانوں کو فصیل سے نیچے دھکیل دیا۔

اشرف کو سخت فکر ہوا۔ اُس نے جوش میں آ کر حملہ کیا۔ چند قدم آگے بڑھا کئی عیسائیوں کو قتل کیا۔ لیکن اور مسلمانوں میں بڑھنے کی ہمت نہ رہی تھی لہٰذا اور کوئی نہ بڑھا۔ تنہا اشرف کیا کرتا۔ کب تک لڑتا۔ عیسائیوں نے اُسے بھی پیچھے ہٹا دیا۔

اب ہر طرف سے عیسائیوں نے یورش کر کے مسلمانوں کو فصیل سے نیچے دھکیلنا شروع کر دیا۔ کئی مجاہدین گرے اور نیچے آتے ہی ریزہ ریزہ ہو گئے۔

اس سے مسلمانوں کو ہراس ہوا۔ وہ سمجھ گئے کہ اب ان کی موت کا وقت قریب آگیا ہے۔ ٹھیک اس وقت جبکہ وہ مایوس ہو چکے تھے، فصیل کے نیچے سے اللہ اکبر کے نعرہ کی پرہیبت آواز آئی۔ عیسائی اور مسلمانوں نے جھانک کر دیکھا۔ انہیں فصیل کے نیچے ہزاروں مسلمان نظر آئے۔ یہ ملک العزیز اور ملک الافضل کے ہمراہی تھے۔ انہیں دیکھ کر عیسائیوں کے دل ڈوب گئے۔ اور مسلمان شیر ہو گئے۔ انہوں نے سنبھل کر حملہ کیا۔ پہلے ہی حملہ میں بہت سے عیسائیوں کو قتل کر ڈالا۔ عیسائی گھبرا کر ذرا پیچھے ہٹے۔ مسلمان بڑھے۔ پھر زور و شور سے جنگ شروع ہو گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں ملک العزیز منجنیق پر چڑھ کر فصیل پر کودا۔ مسلمانوں نے شہزادہ کو دیکھتے ہی

نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ شہزادہ نے تلوار نکال کر جنگ شروع کر دی۔

شہزادہ کے بعد مسلمانوں کا تانتا لگ گیا۔ سینکڑوں مسلمان منجنیق پر چڑھ چڑھ کر فصیل پر کودنے لگے۔ تازہ دم مسلمانوں کے آجانے سے اشرف اور اس کے ہمراہیوں کے دل بڑھ گئے وہ بھی اس طرح لڑنے لگے جیسے ابھی لڑنے کے لیے آئے ہوں۔

اب فصیل پر بھی مسلمانوں کی کافی تعداد پہنچ گئی۔ عیسائی انہیں دیکھ کر ایسے گھبرائے کہ سب کے سب افتاں و خیزاں زینوں کی طرف بھاگنے لگے۔ مسلمان اُن کے تعاقب میں دوڑے انہوں نے کشتوں کے انبار لگا دیئے۔ تمام فصیل پر سر دھڑ ہاتھوں اور پاؤں کے ڈھیر لگ گئے۔ خون سے فصیل تر ہو گئی۔

عیسائی گرتے پڑتے قلعہ کے اندر اتر گئے۔ مسلمان بھی پیچھے ہی لگے چلے گئے۔

اب قلعہ کے اندر خونریز جنگ شروع ہو گئی۔ ملک الافضل اور اس کے ہمراہی قلعہ کے اندر داخل ہو چکے تھے۔ وہ نہایت جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔

ابتک صرف ۴ ہزار مسلمان قلعہ کے اندر آئے تھے۔ عیسائی ۵۰-۶۰ ہزار تھے لیکن وہ مسلمانوں کو قلعہ کے اندر دیکھ کر ایسے گھبرا گئے تھے کہ ہر دیوار، ہر درخت، ہر جھاڑی انہیں خواہ مخواہ مسلمان نظر آنے لگا تھا۔ وہ سمجھے کہ تمام اسلامی لشکر قلعہ کے اندر گھس آیا ہے۔ ان پر ہیبت طاری ہو گئی۔ وہ اب شور و غل کرنا بھول گئے ہائے واویلا کرنے لگے۔ قلعہ کے اندر جو عیسائی عورتیں اور بچے تھے وہ زور زور سے رونے پیٹنے اور آہ و زاری کرنے لگے۔ تمام عیسائیوں پر [illegible] کا عالم طاری ہو گیا۔ وہ اس قدر گھبرا گئے کہ دروازے کھول کھول کر قلعہ سے باہر بھاگنے لگے۔ لیکن بیچاروں کو وہاں بھی پناہ نہ ملی۔ اس قلعہ کے صرف دو دروازے تھے ایک دروازہ پر ملک العادل لشکر لیکر پہنچ گیا۔ دوسرے پر خود سلطان معہ بقیہ لشکر کے جا پہنچا جو عیسائی باہر نکلتے تھے۔ انہیں یہ لوگ مار ڈالتے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں اس قدر عیسائی قتل ہو گئے

کہ اُن کی تعداد سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ تین چار ہی گھنٹے کی خونریز جنگ کے بعد عیسائیوں نے ہتھیار پھینک دیئے۔ مسلمانوں نے خونریزی بند کر دی۔ انہوں نے بلاتخصیص مرد و عورت بڈھے اور جوان کے سب کو ایک طرف سے گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ فوراً قلعہ پر اسلامی پرچم لہرا دیا گیا۔

سلطان کو شقلاں میں یہ ایسی عظیم الشان فتح حاصل ہُوئی جس نے عیسائیوں کی کمر توڑ دی اور بڑے چندے اُن کا کلی استیصال ہو گیا۔ یہ کچھ کم حیرت انگیز بات نہ تھی کہ مٹھی بھر مسلمانوں نے ٹڈی دل عیسائیوں پر نمایاں فتح حاصل کی۔

۱۹

دلفریب چھیڑ چھاڑ

سلطان اس فتح سے نہایت مسرور ہُوا۔ دراصل یہ فتح بیت المقدس کی تسخیر کی نوید تھی۔ علاوہ اس کے سلطان نے مظلوم مسلمانوں کا بھی تھوڑا بہت انتقام لیا تھا۔ شیر دل سلطان نے لشکر کو آرام کرنے کا حکم دیا۔ سپاہیوں نے اطمینان سے آرام کیا۔ جن قیدیوں نے جزیہ دیا وہ چھوڑ دیئے گئے۔ جو جزیہ نہ دے سکے انہیں اسلامی دارالسلطنت دمشق میں روانہ کر دیا گیا۔

چونکہ مسلمان دُور سے آ رہے تھے۔ برابر جنگ و جدل کرتے رہے تھے وہ تھک گئے تھے۔ اس لیے سلطان نے انہیں آرام کر لینے کے لیے یہاں قیام کر دیا۔

اسلامی لشکر قلعہ کے باہر سبزہ زار پر ہی خیمے ڈالے پڑا تھا جس میدان میں اسلامی کیمپ تھا۔ اُس کے شمالی جانب ایک صاف اور شیریں پانی کا چشمہ رواں تھا۔ چشمہ کے کنارہ پر سبز سبز گھاس۔ پھُولوں کے پودے اور بڑے بڑے درخت کثرت سے کھڑے تھے۔

اس چشمہ کے قریب اشرف وغیرہ کے خیمے تھے۔ مہ جبیں انگلیس اور عائشہ آفتاب طلوع ہوتے ہی چشمہ کے کنارے ہوا خوری کے لیے چلی جاتی تھیں۔ آج بھی وہ تینوں سبزہ زار پر بیٹھی ہُوئی پانی کی روانی کا تماشہ دیکھ رہی تھیں یہ تینوں مختلف رنگ کی بیش قیمت ریشمی پوشاک زیب تن کیے ہوئے تھیں!

تینوں حُور جمال تھیں۔ خوبصورت تھیں۔ ان کے چاند سے زیادہ روشن چہرے چمک رہے تھے۔ ہوشربا بڑی بڑی آنکھیں شوخی کا اظہار کر رہی تھیں۔ تینوں حور جمال تھیں۔ خوبصورت تھیں۔ ان کے چاند سے زیادہ روشن چہرے چمک رہے تھے۔ ہوشربا بڑی بڑی آنکھیں شوخی کا اظہار کر رہی تھیں۔

اس وقت آفتاب طلوع ہو چکا تھا۔ اس کی بنفشی شعاعیں ان پری وشوں کے چہروں پر پڑ کر انہیں جگمگانے لگی تھیں۔ نسیم سحری کے خوشگوار جھونکے اُن کی زلف عنبریں کے ساتھ چھیڑ خانی کر رہی تھی۔ انگیس بھولی اور حسین عائشہ کو غور کی نظروں سے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ مہ جبین نے انگیس سے مخاطب ہو کر کہا۔

"تم کیا دیکھ رہی ہو۔ کہیں میری بہن کو نظر نہ لگا دینا۔"

انگیس نے جواب دیا۔ "عاشقوں کی نظر کبھی نہیں لگا کرتی۔"

مہ جبین: گویا تم عائشہ کی عاشق ہو۔

انگیس نے ہنس کر کہا: "ہاں! میں نے جب سے اس چاند کے مکھڑے کو دیکھا ہے۔ اسی وقت سے اس پر فریفتہ ہو گئی ہوں۔

بھولی عائشہ شرمیلی نظروں سے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ اس نے کہا۔ حضور ہوش میں آئیے! میں سب سمجھتی ہوں۔"

انگیس نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا: "ظالم تو وہ ہے کہ دنیا کو اپنا پرستار بنا سکتی ہے۔"

عائشہ نے کسی قدر شوخی سے کہا: "وہ میری پیاری بہن مہ جبین ہے!"

مہ جبین نے ایسی نظروں سے جن میں کچھ مسرت، کچھ حیا، کچھ شوخی اور کچھ مصنوعی غصہ کی جھلک پائی جاتی تھی۔ عائشہ کو دیکھ کر کہا: "تم نے میرا ذکر کیوں کیا۔"

عائشہ نے بھولے پن سے کہا: "بگڑو، خفا ہو۔ زیادہ سے زیادہ سزا دے دو

مگر بات وہی کہوں گی جو سچ ہے۔

انگیس نے شوخی کے انداز میں کہا: "سچ کہتی ہو۔ سورج مہ جبین کو دیکھنے کیلئے چاند اس کے پُر نور عارض سے روشنی حاصل کرنے کے لیے ستارے اس کی مشک عنبریں زلفوں پر چھپی ہوئی افشاں پر نظر حیرت ڈالنے کے لیے نکلتے ہیں۔ یہ حسن کی دیوی ہے۔ مجسم چاند۔ چاند سے زیادہ خوبصورت ہے۔ اس کے پیارے چہرہ میں سحر خیز چمک، آنکھوں میں جادو اور نازک لبوں میں مسیحائی ہے۔ لوگوں کو حوروں کے وجود میں شبہ ہے لیکن اس رشک حور کو دیکھ کر ان کا شک مٹ سکتا ہے۔ یہ تمام دُنیا پر حکمرانی کر سکتی ہے۔ اس کی ایک نگاہ غلط انداز جانداروں کو بے جان اور اس کا ہلکا سا تبسم بے جانوں میں جان ڈال سکتا ہے۔"

مہ جبین شوخ و طرار انگیس کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ اس کا تبسم برق پاش کر رہا تھا۔ اس نے کہا۔ سنبھلیے! اس قدر از خود رفتہ نہ ہو جیے۔

انگیس: کیا سنبھلوں! کیسے سنبھلوں جن کی سحر کاری سنبھلنے نہیں دیتی!

مہ جبین۔ تم بھی تو حسین ہو۔

انگیس: کاش! میں تم سے آدھی حسین ہوتی۔

مہ جبین۔ کیا کرتیں؟

انگیس: دنیا کو نچاتی۔ کسی سے بات نہ کرتی!

عائشہ نے کہا: "مہ جبین بھی کسی سے بات نہیں کرتی!

مہ جبین نے دریافت کیا: میں کس سے بات نہیں کرتی؟"

عائشہ۔ تم بھیا اشرف سے کہاں بولتی ہو!

مہ جبین شرما گئی۔ اشرف کا نام سنتے ہی اس کے دل پر چرکا سا لگا۔ اس کے چہرہ کا شہابی رنگ اڑنے لگا۔ وہ خاموش ہو گئی۔ انگیس نے کہا: نہیں بولتیں کیوں؟ —

عائشہ: ان سے دریافت کرو!

انگیس نے مہ جبین سے دریافت کیا: "آپ اشرف سے کیوں ناراض ہیں؟

مہ جبین نے شرم افزا لہجہ میں جواب دیا: "میں کسی سے بھی ناراض نہیں!

عائشہ نے جلدی سے دریافت کیا: "پھر بھیا سے کیوں نہیں بولتیں!

مہ جبین نے ہونٹ شرما آنکھیں جھکا کر جواب دیا۔ "وہی نہیں بولتے!

عائشہ: واہ وا! وہ تو بولنا چاہتے ہیں۔ تم نہیں بولتیں۔ انہیں اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر کھسک جاتی ہو!۔

مہ جبین کچھ کہنا چاہتی تھی کہ اشرف آگیا۔ اشرف کو دیکھتے ہی یہ تینوں پریجمال لڑکیاں کھڑی ہوگئیں۔ انگیس نے کہا: عسقلان کے ہیرو خوش آمدید"۔

اشرف نے کہا: "تمہاری اس قدر افزائی کا شکریہ!

بھولی عائشہ نے کہا: "بھائی جان! کیا مہ جبین تم سے ناراض نہیں؟

اشرف نے مسکرا کر کہا: "ناراض تو ہیں ہی"

اشرف کو دیکھتے ہی مہ جبین کا پیارا چہرہ شگفتہ ہوگیا تھا۔ شہابی رنگ چھلک آیا تھا۔ آنکھوں میں سحر خیز چمک پیدا ہوگئی تھی۔ اس وقت وہ نور کی پتلی یا حسن کی دیوی معلوم ہونے لگی تھی۔ اس کے حیات بخش نازک لبوں پر ہلکا سا تبسم تھا۔ عائشہ نے مہ جبین کو دیکھ کر کہا۔ "تم نے سن لیا"

انگیس نے مسکرا کر کہا: "ضرور ناراض ہیں ان کا نہ بولنا کیا معنی رکھتا ہے۔

عائشہ: یہ میرے اور تمہارے لحاظ کی وجہ سے کھڑی ہیں ورنہ کب کی کھسک جاتیں۔ انگیس نے مہ جبین سے کہا: "مہ جبین یہ اچھی عادت نہیں بات کرو۔ بولو

مہ جبین نے شرمائے ہوئے لہجہ میں کہا۔ کیا بولوں؟!

عائشہ، تم بھیا اشرف سے باتیں کیوں نہیں کرتیں!

مہ جبین: کیا بات کروں۔

اشرف نے کہا۔ دراصل میں بات کرنے کے قابل نہیں ہوں!

انگیس نے مہ جبین کی طرف دیکھ کر کہا۔ بڑی بیدرد ہو!

مہ جبین نے حیا آمیز لہجہ میں جواب دیا۔ تم دردوالی بن جاؤ"!

اشرف نے محبت بھری نظروں سے مہ جبین کو دیکھ کر کہا: "وہ درد والی نہیں بلکہ ہمدرد ہیں۔ لیکن تم بیدرد ہو۔ جفا پرور ہو۔ ستم پیشہ ہو!

مہ جبین نے مسکرا کر حیا پرور نگاہوں سے اشرف کو دیکھ کر کہا: "یہ اس وقت تم کہاں سے آگئے"

عائشہ نے کہا۔ انگیس دیکھتی ہو! انہیں بھائی جان کا آنا بھی ناگوار گذرا۔ بھولے پن کے ساتھ! جب یہ بھائی جان سے خفا ہیں تو ہم بھی ان سے خفا ہو جائیں گے

مہ جبین بیساختہ ہنس پڑی۔ اس نے کہا۔ عائشہ خدا کے لیے تم مجھ سے ناراض نہ ہو جانا۔

عائشہ نے آزادگی کے انداز میں کہا: "بس ہونا ہی پڑے گا!"

مہ جبین نے بڑھ کر عائشہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا: "میری کمسن اور بھولی خورد! میں تمہاری ناراضگی برداشت نہیں کر سکتی۔ جو تم کہو میں کرنے کو تیار ہوں ——

عائشہ نے خوش ہو کر کہا: "جو میں کہوں تم کروگی؟

مہ جبین۔ ضرور کروں گی!

عائشہ: بس تو تم بھائی جان سے صفائی کرلو۔

اشرف محبت پاس نظروں سے مہ جبین کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہ برق بھی اشرف پر جا پڑی۔ ادھر اشرف کے دل پر بجلی گری ادھر ناز آفرین مہ جبین کا ننھا سا دل متاثر ہوا —— عائشہ نے پھر کہا۔ بولو! صفائی کرلو!

مہ جبین نے شرماتے ہوئے لہجہ میں کہا: "صفائی ہوگئی"! اتنا کہتے ہی ازدیاد حیا سے اس کا نازک سر جھک گیا۔ شرم سے گلاب کے شگفتہ پھول کو شرمانے

والا پیارا چہرہ عرق آگیں اور نکھر آیا۔ عائشہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ مسعود اور سعید آگئے۔ سعید نے کہا۔ واہ وا آپ یہاں کھڑے ہیں۔ ہم تمام زمانہ بھر میں ڈھونڈ آئے۔"

اشرف محو دید جمال یار تھا۔ وہ حسن کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کر رہا تھا۔ دنیا ومافیہا سے بےخبر تھا۔ سعید کی آواز سے چونکا۔ اگنیس سعید کو دیکھتے ہی کسی قدر شوخ ہوگئی۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ تمام زمانہ دیکھ ڈالا شاید پر لگا لیے ہونگے۔

سعید نے شوخ حسینہ اگنیس کو دیکھتے ہوئے کہا: "رشک نہ کرو۔ پری تم ہی ہو۔"

مسعود نے ہنسکر کہا: "واللہ سچ کہا۔ ان کی خوبصورتی اور رعنائی کو دوبالا کرنے کے لیے قدرت نے اُن کے پروں کو اکھاڑ دیا ہے۔"

مسعود کو دیکھتے ہی بھولی عائشہ کے نازک چہرہ کی جلد کے نیچے خون تیزی سے دوڑنے لگا۔ اس کا پیارا چہرہ شہابی رنگ میں رنگا گیا۔ وہ کن آنکھوں سے مسعود کو دیکھنے لگی۔ اشرف نے مسعود سے مخاطب ہو کر کہا: "میں صبح تمہارے خیمہ پر گیا تھا۔ تم نہیں ملے کہاں چلے گئے تھے؟"

مسعود: میں سلطان کی خدمت میں تھا۔ آج سلطان نے حکم دیدیا ہے کہ کل بیت المقدس کی طرف کوچ کر دیا جائے۔

اشرف: بہت اچھا ہوا۔ خدا بیت المقدس کو فتح کرائے تو سلطان کی آرزو پوری ہو جائے۔

مسعود: آمین! اس سے ایک طرف سلطان کی آرزو پوری ہو جائے۔ دوسری طرف عیسائیوں کا زور ٹوٹ جائے۔

سعید: اب دھوپ میں تمازت پیدا ہو گئی ہے۔ آئیے واپس چلیں۔

اشرف: چلیئے۔

اب یہ سب کیمپ کی طرف روانہ ہوئے۔

۲۰

بیت المقدس کی فتح

حطین کے معرکہ عظیم نے عیسائیوں کے زور و قوت کا خاتمہ کر دیا تھا۔ عکہ، تبنین اور بیروت کی فتح نے ان کا کس بل نکال دیا تھا۔ عسقلان کی فتح نے بالکل ہی کمر توڑ دی۔ اب نصرانیوں پر سلطان اور مسلمانوں کی ہیبت طاری ہو گئی۔ اگرچہ عسقلان کی فتح سے عیسائیوں پر سراسیمگی اور بدحواسی چھا گئی تھی۔ مگر جب انہوں نے سمجھا کہ بیت المقدس ہاتھوں سے نکلنے والا ہے تو ایک دفعہ ان میں جوش اور خروش کا طوفان اُمنڈ آیا۔ وہ گوشہ نشین راہب اور جلوہ نشین قیس جو ابھی تک گرجوں اور صومعوں کی چار دیواریوں کے اندر بیٹھے ہوئے ریاضت کر رہے تھے۔ ایک دم باہر نکل آئے۔ انہوں نے تحریروں اور تقریروں سے عیسائیوں میں انقلاب پیدا کر دیا۔ مُردہ دلوں میں بھی یروشلم کو بچانے کے لیے سرفروشی کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ہر لڑنے والا عیسائی عزیز و اقارب اور گھر بار چھوڑ کر بیت المقدس کی طرف روانہ ہوا۔ گویا ایک دفعہ عیسائی دنیا نے کروٹ لی اور شیر دل سلطان صلاح الدین کا مقابلہ کرنے کے لیے آخری جدوجہد شروع کی۔

سلطان نے چند روز عسقلان میں قیام کیا۔ چونکہ اسے بیت المقدس فتح کرنے کی جلدی ہوئی تھی۔ اس لیے جلدی ہی روانہ ہو گیا۔ اسلامی لشکر نہایت تزک و احتشام اور شان و شوکت کے ساتھ بیت المقدس کی طرف بڑھا۔

عیسائیوں نے اس کی پیشقدمی کی خبر سنتے ہی زور و شور سے تیاریاں کرنی شروع کر دیں۔ فصیل کی مرمت۔ خندقوں کی صفائی۔ غلہ کی فراہمی اور فوجوں کا اجتماع شروع ہو گیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ایک لاکھ سے زیادہ عیسائی بیت المقدس میں جمع ہو گئے۔ جن میں ۶۰ ہزار سے زیادہ جنگجو تھے!

۱۵ رجب ۵۸۳ھ کو سلطان بیت المقدس کے سامنے جا پہنچا۔ اس کے ساتھ کل بارہ ہزار سوار تھے۔ ظاہر ہے کہ عیسائیوں کے مقابلہ میں یہ تعداد بہت ہی کم تھی۔ لیکن ان میں اس قدر جوش تھا کہ دنیا کی ہر وہ طاقت جو ان کے سد راہ ہوتی وہ اسے پیس ڈالتے۔

عیسائی جو آج تک مسلمانوں پر مظالم کرتے رہے تھے وہ سمجھتے اور جانتے تھے۔ کہ مسلمان بیکس و بے بس ہیں۔ ان میں اس قدر قوت نہیں ہے کہ وہ فریاد بھی کر سکیں۔ کوئی ان کا والی وارث ایسا نہیں جو انہیں تسلی اور دلاسا دے اور ان پر وحشیانہ مظالم کرنے والوں کو سرزنش کر سکے۔ لیکن جب سیف الملت والدین سلطان صلاح الدین۔ ان کی حالت زار، مظلومی اور بیکسی دیکھ کر ان کی حمایت کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور اس نے ان شوریدہ پشت عیسائیوں کو تہ تیغ کر ڈالا جنہوں نے بےگناہ مسلمانوں کا خون بہایا تھا اور عیسائیوں کے مضبوط و مستحکم مقامات کو فتح کر لیا تو عیسائی دنیا پر بدحواسی طاری ہو گئی۔ اب وہ اپنی حماقت اور انسانیت سوز بربریت پر متنبہ ہو کر سمجھے کہ قدرت ہر فرعون کے لیے موسیٰ پیدا کر دیتی ہے مگر اب پچھتانے اور دست تاسف ملنے کے سوائے اور کیا ہو سکتا تھا۔

مظلوم مسلمانوں کی آہیں، اور بے گناہ شہیدوں کا خون رنگ لانے والا تھا۔

دوسرے روز صبح صادق کے وقت نماز سے فارغ ہوتے ہی سلطان نے لشکر کو صف بستہ ہو کر حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔ مسلمان آہستہ آہستہ بڑھے۔ ابھی وہ بیت المقدس سے کچھ فاصلہ ہی پر تھے کہ عیسائیوں کے ایک دستہ سے اسلامی

ہراول کا مقابلہ ہو گیا۔ یہ دستہ گرداوری کر رہا تھا۔ اسلامی لشکر کے ہراول نے اس پر حملہ کر دیا۔ تلواریں تڑپ کر میانوں سے نکلیں۔ جنگ شروع ہو گئی۔ خون کے فوارے اُبلنے لگے۔ سر، دھڑ اور جسم کے دوسرے اعضا کٹ کٹ کر گرنے لگے۔

اسلامی دستہ کے ہمراہ اشرف۔ مسعود اور سعید بھی تھے۔ تینوں نہایت جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔ عیسائی بھی داد شجاعت دے رہے تھے۔ وہ اس مقدس سرزمین کی ایک ایک انچ زمین کے لیے خون کے دریا بہانے پر تیار تھے۔

جبکہ جنگ نہایت زور شور سے ہو رہی تھی۔ ایک فریق دوسرے کو کچل ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مسلمانوں کا مقدمۃ الجیش شہید ہو گیا۔ مسلمانوں کو نہایت افسوس ہوا۔ فوراً اشرف نے نہایت جوش و خروش سے حملہ کیا۔ اس نے اور اس کے ہمراہیوں نے عیسائیوں کو قتل کر کے ڈھیر لگا دیے۔

خون کا دریا بہہ گیا۔ عیسائیوں نے بڑی جرأت و ہمت سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ لیکن وہ جلدی پسپا ہونے لگے۔ مسلمانوں نے انہیں پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھا۔ وہ مقدمۃ الجیش کے شہید ہو جانے سے بہت زیادہ جوش میں بھرے ہوئے تھے۔ انہوں نے نہایت سختی سے ایک حملہ اور کیا۔ عیسائی اس حملہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا۔ وہ فصیل کے نیچے تک مارتے کاٹتے چلے گئے۔ یہاں پہنچ کر اشرف رک گیا۔ عیسائی قلعہ میں داخل ہو گئے۔ مسلمان لوٹ کر ایک جگہ جمع ہوئے۔

اس عرصہ میں تمام اسلامی لشکر آ گیا۔ سلطان نے لشکر کو قیام کرنے کا حکم دیا۔ خیمے نصب ہو گئے۔ مسلمان آرام کرنے لگے۔ دوسرے روز سلطان گھوڑے پر سوار ہوا۔ اس نے اپنے ساتھ اشرف۔ مسعود۔ سعید۔ ملک الافضل اور ملک العادل کو لیا اور قلعہ کے چاروں طرف گشت لگایا۔

قلعہ نہایت مضبوط اونچا اور وسیع تھا۔ کوئی جگہ ایسی نظر نہ آئی جہاں سے

کامیابی کی اُمید ہو سلطان واپس چلا آیا۔ اسی طرح وہ متواتر پانچ روز تک قلعہ کی گرداوری کرتا رہا۔ لیکن اُسے کوئی مناسب جگہ حملہ کر کے کامیابی حاصل کرنے کی نظر نہ آئی۔ بعد تلاش بسیار کے شمالی جانب کلیسائے مسیحوں کے بالمقابل ایک جگہ ایسی ملی جہاں سے قلعہ پر زور پڑ سکتی تھی۔

سلطان ۲۰ رجب ۵۸۳ھ کی رات کو جبکہ اندھیرا ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ کچھ لشکر لیکر رات کی تاریکی میں چلا اور کلیسائے مسیحوں کے قریب پہنچکر مورچہ قائم کرنے لگا۔ رات بہت زیادہ اندھیری تھی۔ ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ گہرے نیلے آسمان پر ستارے بکھرے پڑے تھے۔ فضا خاموش تھی۔

سلطان نے اس تاریکی سے فائدہ اٹھا کر نہایت احتیاط اور خاموشی سے مورچہ قائم کر لیا۔ مورچہ قائم کرتے ہی وہ منجنیقیں درست کرنے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں یہ ہیبت ناک قلعے تیار ہو گئے۔ جبکہ مسلمان اس تمام کام سے فارغ ہو کر آرام کی فکر کر رہے تھے۔ انہوں نے عیسائیوں کی ہوشیار باش کی آواز سنی وہ ہوشیار ہو گئے۔ آوازیں دور سے آ رہی تھیں۔ مسلمان سمجھ گئے کہ عیسائیوں کا طلایہ گرداوری کر رہا ہے۔ انہیں اندیشہ ہوا کہ اگر یہ دستہ اس طرف آ نکلا تو جو مورچہ بندی کی کارروائی انہوں نے رات کی تاریکی اور خاموش فضا میں خفیہ طریقہ پر کی ہے۔ اس کا انکشاف ہو جائے گا۔

چونکہ مسلمان پانچ روز سے قلعہ کے غربی جانب خیمہ زن تھے۔ اس لیے عیسائیوں کی تمام تر توجہ اسی طرف تھی۔ سلطان یہ چاہتا تھا کہ عیسائیوں کو اسکے شمالی جانب مورچہ بند ہونے کی اطلاع اس وقت تک نہ ہو۔ جب تک وہ منجنیق کے ذریعہ سے قلعہ پر سنگ باری شروع نہ کر دے۔

اب عیسائیوں کی آوازیں قریب سے آنے لگی تھیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس طرف بڑھے چلے آ رہے ہیں۔ سلطان نے یہ کیفیت دیکھ کر اشرف کو

دو سو سوار دے کر روانہ کیا۔ اُسے ہدایت کر دی کہ وہ عیسائیوں سے بچتا ہوا اُن کی گشت پر پہنچ جائے۔ اشرف نہایت حزم و احتیاط سے روانہ ہوا۔ اُس نے لمبا چکر لگایا۔ وہ برابر عیسائیوں کی آوازیں سنتا رہا۔

جب اُس نے دیکھا کہ وہ عیسائیوں سے آگے بڑھ آیا ہے تو وہ ایک دم پلٹا اور تیزی سے چکر اچانک عیسائیوں پر حملہ آور ہوا۔ پانچسو عیسائی تھے۔ اشرف نے جلد جلد انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ دوسری طرف سے سلطان نے حملہ کیا۔ عیسائی نرغہ میں آ گئے۔ مسلمانوں نے چشم زدن میں اُن سب کو کاٹ ڈالا۔ ایک عیسائی بھی بچکر نہ جا سکا۔

اب مسلمانوں نے آرام کیا۔ صبح جب آفتاب طلوع ہوا تو سلطان نے حملہ کر دیا۔ منجنیقوں سے بڑے بڑے پتھر پھینکے جانے لگے۔ لیکن قلعہ کی فصیل اس قدر مضبوط تھی کہ پتھر اُسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ شام تک جنگ ہوتی رہی نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ رات کو جنگ موقوف ہو گئی۔ عیسائیوں کو اندیشہ ہوا کہ کہیں رات کو مسلمان قلعہ کی فصیل نہ کھود ڈالیں۔ اس لیے بیس ہزار لشکر قلعہ سے باہر نکلکر حفاظت پر مامور ہوا۔ مسلمان تمام رات بے فکری سے آرام کرتے رہے۔

دوسرے روز یعنے ۲۲ رجب ۵۸۳ھ کو سلطان نے امیر عزالدین کو طلب کیا

امیر عزالدین تمام فوج کا سپہ سالار تھا۔ نہایت نیک دل۔ پُرجوش اور بہادر آدمی تھا۔ سلطان اُس کی عزت اور تمام لشکر اُس سے محبت کرتا تھا۔ سلطان نے اُسے بیس ہزار نصرانیوں پر حملہ کرنے کا حکم دیا وہ پانچ ہزار لشکر لے کر روانہ ہوا۔

عیسائی مسلح ہو کر صف بستہ ہو چکے تھے۔ عزالدین نے اُن کے مقابلہ میں اپنے مختصر لشکر کو صف آرا کیا۔ جب آفتاب کسی قدر بلند ہوا تو نصرانیوں نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ تلواریں میانوں سے نکل آئیں۔ جنگ مغلوبہ شروع ہو

گئی۔ دُور تک تلواریں اٹھتیں اور انسانی سمندر میں غرق ہوتیں۔ خون کے
چھینٹے اڑنے لگے۔ سرفروشوں کی مختلف آوازیں۔ مار دھاڑ کا شور۔ زخمیوں کی
چیخ و پکار مل جلکر اس زور سے بلند ہوئیں کہ شور نشور کا سماں نظر آنے لگا۔

مسلمان تھوڑے تھے۔ عیسائی زیادہ تھے۔ لیکن اسلامی شیر سر جھکائے
نہایت جوش اور دلیری سے لڑ رہے تھے۔ عیسائی بھی کمال جرأت و شجاعت
سے جنگ میں مصروف تھے۔ امیر عزالدین نہایت جوش و خروش سے لڑ رہا
تھا۔ وہ جس طرف نکل جاتا تھا۔ اُس کی بے پناہ تلوار عیسائیوں کو کھیرے ککڑی
کی طرح کاٹ کر رکھ دیتی تھی۔ اس نے دو ہی گھنٹے میں سو دو سو عیسائیوں کو موت
کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ عیسائی اس سے ڈرنے لگے تھے۔

دوپہر کے وقت جبکہ آفتاب نصف النہار پر آگیا تھا۔ دھوپ میں بہت
زیادہ حدت آگئی تھی۔ پانچسو سواروں نے عزالدین کو نرغہ میں لے لیا اور چاروں
طرف سے اس پر تلواروں کی بارش شروع کر دی۔

عزالدین اس سے مطلق نہ گھبرایا۔ وہ نہایت جوش اور حرارت سے برابر
جنگ کرتا رہا۔ اس نے نصف گھنٹہ میں دس بیس عیسائیوں کو اور مار ڈالا۔ چونکہ
وہ نہایت جوش۔ پھرتی اور طاقت سے جنگ کرتا رہا تھا۔ اس نے ستر اسّی
عیسائیوں کو مار ڈالا تھا۔ اس وقت وہ تھک گیا تھا۔ اس کے اعضاء نے جواب
دیدیا۔ پہلی چستی باقی نہ رہی۔ عیسائیوں نے یہ کیفیت دیکھ کر اس پر پے در پے
حملے شروع کیے۔ اس کے جسم پر تیرہ زخم آگئے۔ زخموں سے خون نکلنے سے
طاقت اور بھی کم ہونے لگی۔ اس نے سر اُٹھا کر دیکھا۔ اس کے قریب کوئی مسلمان
نہ تھا۔ تمام مسلمان اُس سے کسی قدر فاصلہ پر جنگ میں مشغول تھے۔ اس نے
اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ مسلمانوں نے اس کے نعرہ کی آواز سُنی۔ وہ اُس کی امداد
کے لیے بڑھے۔ عیسائیوں نے مسلمانوں کو آتے دیکھا تو انہوں نے نہایت سختی

سے عزالدین پر حملہ کیا۔ ایک عیسائی نے بڑھ کر اُس پر تلوار ماری۔ تلوار بائیں
شانے کو کاٹتی ہوئی نصف گردن تک پہنچ گئی۔ عزالدین نے بھی بھرپور ہاتھ مارا۔
اس نے اپنے قاتل کو پہلے قتل کر ڈالا۔ اب وہ گھوڑے سے گرا۔ اُس کے پاس
گرتے ہی مسلمان اُس کی مدد کو پہنچ گئے۔ لیکن جب وہ اس کے پاس پہنچے تو وہ دم
توڑ رہا تھا۔

مسلمانوں کو اس کے شہید ہو جانے کا کمال صدمہ ہوا۔ انہوں نے جوش و
غم سے دیوانہ وار ہو کر نہایت سختی سے عیسائیوں پر حملہ کیا۔ عیسائیوں نے
مقابلہ میں پوری طاقت صرف کر دی۔ لیکن وہ مسلمانوں کے اس حملہ کو نہ روک
سکے۔ وہ پسپا ہوئے۔ مسلمان جوش میں آگے بڑھے۔

نہایت خونریز جنگ ہونے لگی۔ مُردوں کے انبار لگے۔ چلے گئے تھوڑی
ہی دیر میں عیسائیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ وہ بھاگے مسلمانوں نے ان کا تعاقب
کیا۔ وہ انہیں مارتے کاٹتے قلعہ کے دروازہ تک [illegible] گئے۔

عیسائی جلدی سے قلعہ کے اندر داخل ہو گئے۔ دروازہ کے محافظوں نے نہایت
پھرتی سے دروازہ بند کر لیا۔ مجبور ہو کر مسلمان واپس لوٹے۔

اس جنگ میں ۱۱ مسلمان شہید ہوئے۔ اور عیسائی سات ہزار سے بھی
زیادہ مارے گئے۔ لیکن مسلمانوں کا سپہ سالار عزالدین بھی شہید ہو گیا تھا۔ تمام
مسلمانوں کو افسوس اور غم ہوا۔ سلطان نے بھی کمال رنج کیا۔ چونکہ آفتاب غروب
ہونے کے قریب پہنچ گیا تھا۔ اس لیے جنگ ملتوی کر دی گئی۔

چار روز تک معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ کوئی قابل تذکرہ اور اہم واقعہ پیش
نہ آیا۔ پانچویں روز یعنی ۲۷ رجب ۵۸۳ھ بروز جمعہ سلطان نے قلعہ پر نہایت
سختی سے حملہ کیا۔ اس نے اس لشکر کو بھی جو قلعہ کے غرب کی جانب خیمہ زن تھا
اسی روز قلعہ پر حملہ کرنے کا حکم دیدیا۔ دونوں طرف سے پوری تیاری۔ کمال

جوش اور نہایت سختی سے حملہ کر دیا گیا۔

عیسائی فصیل پر شہد کی مکھیوں کی طرح جا لگے! انہوں نے اس شدت سے پتھر کے ٹکڑوں اور تیروں کی بارش کی کہ مسلمانوں کو ایک قدم بڑھنا بھی نہ صرف دشوار بلکہ ناممکن ہو گیا۔ مسلمان جوش میں آ آ کر بڑھتے تھے۔ لیکن تیروں اور پتھر کے ٹکڑوں کی بوچھاڑ کا مقابلہ مشکل سمجھ کر واپس ہو جاتے تھے۔ انہیں پیچھے ہٹنے پر سخت ندامت ہوتی تھی۔ غصہ آتا وہ پھر بڑھتے اور سنگباری کی شدت کی وجہ سے پھر پیچھے ہٹتے۔ اس طرح کئی مرتبہ مسلمان بڑھے اور ہر مرتبہ پسپا ہوئے۔ سلطان نے یہ کیفیت دیکھکر منجنیقوں کو بڑھنے کا اشارہ کیا۔ سپاہیوں نے انہیں دھکیلا یہ ہیبت ناک فولادی قلعے بڑھے۔ عیسائیوں نے شور وغل کر کر کے منجنیقوں کو جلانے کے لیے پچکاریوں سے روغن اور دوسری چیزیں پھینکنی شروع کیں کلوں کے ذریعہ سے بڑے بڑے پتھر پھینکے لیکن منجنیقیں برابر بڑھتی گئیں انہیں کوئی نقصان پہنچا۔ منجنیقوں کے پیچھے اشرف کا دستہ چلا بڑھتے بڑھتے منجنیقیں خندق کے کنارہ پہنچ گئیں۔ اشرف نے فوراً خندق کو پاٹنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے اِدھر اُدھر سے پتھروں کے ٹکڑے درختوں کے گدّے۔ گھاس کے بنڈل اور مٹی کے ڈھیر خندق میں الٹنے شروع کیے۔ عیسائی مسلمانوں کی اس کارروائی کو فصیل پر کھڑے۔ بیم ورجا کی حالت میں دیکھ رہے تھے چونکہ مسلمان فصیل کے نیچے خندق کے کنارہ پر پہنچ گئے تھے۔ اس لیے وہ ان پر تیروں اور پتھر کے ٹکڑوں کی بارش نہ کر سکتے تھے۔ مسلمان نہایت اطمینان سے خندق پاٹنے میں مشغول تھے۔ اشرف انہیں تاکید کر رہا تھا۔ وہ نہایت سرگرمی سے کام کر رہے تھے۔ ایک گھنٹہ ہی کی محنت وسعی سے انہوں نے خندق پاٹ دی۔ سب سے پہلے اشرف نے اپنے گھوڑا ڈالا۔ اس کے پیچھے مسعود اور سعید چلے ان کے عقب میں چار چار سوار قطار در قطار روانہ ہوئے۔ وہ سب خندق کو عبور کر کے فصیل کی دیوار کے نیچے پہنچ گئے سوار اپنے ساتھ آلات نقب زنی

لائے تھے انہوں نے گھوڑوں سے اتر اتر کر نقب لگانا شروع کر دیا۔ پچاس آدمی اس کام میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں زبردست شگاف کر لیا۔ یہ شگاف اتنا بڑا تھا کہ چار سوار بیک وقت آسانی سے گذر سکتے تھے۔

اب مسلمان اس شگاف میں داخل ہونے کا ارادہ کرنے لگے۔ ابھی وہ ارادہ ہی کر رہے تھے کہ ایک خوفناک تڑاخے کی آواز پیدا ہوئی۔ فصیل شق ہو گئی۔ مسلمان جلدی سے پیچھے ہٹے فصیل کا ایک حصہ خوفناک آواز کے ساتھ گرا۔ اس حصے کے گرتے ہی گرد و غبار اس قدر بلند ہوا کہ تھوڑی دیر کے لیے اس طرف کا حصہ غبار کے دامن میں چھپ گیا۔ جب غبار چھٹ گیا تو مسلمانوں نے دیکھا کہ سیکڑوں عیسائی ملبے کے نیچے دبے ہوئے کراہ رہے ہیں۔ ظالم چند روز اپنے زور قوت کے بل بوتہ پر ظلم وستم کرتا ہے۔ لیکن ظلم کی ناؤ بھر جاتی ہے تو قہر خداوندی جوش میں آ جاتا ہے۔ قدرت ہر ظالم سے مظلوموں کا انتقام لیتی ہے۔ خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں ہوتی۔ اس کی ضرب سخت اور مہلک ہوتی ہے۔

شامی عیسائیوں نے ناکردہ گناہ مسلمانوں پر وحشیانہ مظالم کیے تھے۔ خدائی قہر جوش میں آ گیا تھا۔ سلطان صلاح الدین مسلمانوں کی امداد کے لیے اٹھا۔ اس نے فرعون صفت عیسائیوں سے مسلمانوں کا انتقام لیا۔ فصیل کے ساتھ ہی عیسائی بھی نیچے آ پڑے اور ملبہ کے نیچے دب گئے۔ یہ قدرت نے انتقام لیا۔ اس فصیل کے گرنے سے عیسائی گھبرا گئے ان کے چہرے فرط خوف سے زرد پڑ گئے آنکھوں کے سامنے موت کی بھیانک تصویر پھر گئی۔ اور وہ کانپنے لگے۔

اشرف جلدی سے گھوڑا بڑھا کر فصیل کے قریب پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ ہی اُس کے دونوں دوست سعید اور مسعود مع سواروں کے اس کے برابر جا کھڑے ہوئے۔ عیسائیوں نے مزاحمت شروع کی۔ جنگ زور شور سے شروع ہو گئی پادری لوگ گرجوں اور صومعوں میں جا گھسے۔ انہوں نے زور زور سے گھنٹے بجانے

شروع کیے۔ بعض راہب بیت اللحم اور قربان گاہوں پر اُلٹے پڑ گئے۔ انہوں نے رو رو کر عیسائیوں کی فتح کی دعائیں مانگنی شروع کیں۔ سلطان دُور سے فصیل کے گرنے، مسلمانوں کے بڑھنے اور جنگ شروع ہونے کی کارروائی دیکھ رہا تھا۔ اُس نے جوش میں آکر اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور گھوڑے کو مہمیز لگائی اور نہایت تیزی سے قلعہ کی طرف روانہ ہوا۔ تمام اسلامی لشکر اس کے پیچھے چلا۔ یہ سرفروش گھوڑے دوڑا کر اشرف کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے جاتے ہی خونریز جنگ شروع کر دی۔ فصیل کا ملبہ خون میں تر ہو گیا۔ عیسائی کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ ہاتھ، پاؤں، دھڑ اور سر ٹھوکریں کھانے لگے۔ شور دار و گیر سے کانوں کے پردے پھٹنے لگے۔

ابھی تک جنگ ایک ہی جگہ ہو رہی تھی۔ عیسائی جوش میں آ کر لڑتے تھے۔ جب وہ مر جاتے تھے تو ان کی جگہ تازہ دم لوگ آ جاتے تھے۔ اس طرح عیسائیوں کے آنے اور مارے جانے کا تانتا لگا ہوا تھا۔ مسلمانوں کی بے پناہ تلواریں عیسائیوں کو صابن کی طرح کاٹ رہی تھیں۔ عیسائی زخمی ہو رہے تھے، مر رہے تھے۔ لیکن پھر بھی اسی طرح آ آ کر گر رہے تھے۔ جیسے کہ شمع پر پروانے گرا کرتے ہیں۔

مسلمانوں نے نہایت جوش میں آکر حملہ کیا۔ عیسائی شگاف سے دُور ہٹتے چلے گئے۔ مسلمان بڑھ کر قلعہ میں داخل ہوئے۔ انہوں نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ انہیں تمام قلعہ عیسائی مردوں، عورتوں اور بچوں سے پٹا ہوا نظر آیا۔ اشرف، مسعود اور سعید تینوں نہایت سرفروشی سے جنگ کر رہے تھے۔ سلطان بھی جنگ میں مصروف تھا۔ اسلامی لشکر بھی نہایت دلیری سے لڑ رہا تھا۔ قلعہ کے اندر داخل ہو کر وہ رفتہ رفتہ پھیلنے لگے۔ محاذِ جنگ طویل ہونے لگا۔ عیسائی ابھی تک قدم قدم پر مسلمانوں کو روک رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس بات کو طے کیے تھے کہ ارضِ مقدس کی حرمت پر اُن کا بچہ بچہ کٹ مرے گا۔ مسلمان بھی جوش و غضب میں بھرے ہوئے جدال و قتال کر رہے تھے۔ انہوں نے بھی گویا تہیہ

کر لیا تھا کہ جس قدر عیسائی ان کے سامنے آئیں گے وہ اُن سب کو قتل کر ڈالیں گے۔

آہستہ آہستہ تمام اسلامی لشکر قلعہ میں داخل ہو گیا تھا۔ انہوں نے عیسائیوں کو فصیل کے کنارہ سے ہٹا دیا تھا۔ باوجودیکہ مسلمان کم اور عیسائی بہت زیادہ تھے لیکن مسلمان شیروں کی طرح بپھرے ہوئے تھے۔ وہ نہایت جانبازی اور سرفروشی سے لڑ رہے تھے۔ اب آفتاب نصف النہار پر پہنچ گیا تھا۔ تمام قلعہ میں دھوپ پھیل گئی تھی۔ دھوپ کی تمازت اور جنگ کی گرمی کی وجہ سے لڑنے والوں کی پیشانیوں سے پسینے کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ لیکن وہ جنگ میں ایسے مصروف اور منہمک تھے کہ گرمی اور سردی کے احساس کو بھول گئے تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد عیسائیوں کی طرف سے ایک سفید جھنڈا نمودار ہوا۔ مسلمانوں نے اس جھنڈے کو دیکھ کر اللہ اکبر کا فتح مندانہ نعرہ لگایا۔ رحم دل سلطان نے جنگ بند کر دینے کا حکم دیا۔ عارضی طور پر جنگ ملتوی کر دی گئی۔ عیسائیوں نے بھی لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ دونوں فریق کے صف شکن دلیر اپنی اپنی جگہ کھڑے ہو کر اپنی اپنی پیشانیوں سے پسینہ پونچھنے لگے۔

سفید جھنڈا بڑھتا رہا۔ اس جھنڈے کو پادری اٹھائے ہوئے تھا۔ جھنڈے کے نیچے ایلین کا بالیان سر جھکائے آہستہ آہستہ آ رہا تھا۔ اس وقت اس کے چہرہ سے رنج و غم حسرت و افسوس اور فکر و پریشانی کے آثار ہویدا تھے۔ جب وہ بادشاہ گوئی کے ہمراہ قریہ لوبیہ میں جنگ کرنے گیا تھا۔ اس وقت نہایت توانا مضبوط اور خوش و خرم تھا۔ خطین کے معرکہ میں بھی اس میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ لیکن آج غم و حسرت اور فکر و افسوس نے اُسے اس قدر مضمحل کر دیا تھا کہ اس کی کمر جھک گئی تھی۔ چہرہ سُست ہو گیا تھا۔ بدن کی ہڈیاں نکل آئی تھیں۔ اس وقت اُس کے پاس کوئی ہتھیار نہ تھا۔ وہ سفید کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ سر جھکائے چلا آ رہا تھا جب وہ سلطان کے قریب پہنچا تو اُس نے نہایت ادب سے سلام کیا۔ سلطان نے

سلام کا جواب دے کر دریافت کیا: تم کون ہو؟ - بالیان نے سر جھکائے ہوئے جواب دیا: "میں ابیلین کا بالیان ہوں"۔

سلطان نے کہا: "بالیان! تم بیت المقدس میں میری اجازت سے اپنے اہل و عیال کو لینے کے لیے آئے تھے تم نے اقرار کیا تھا کہ تم صرف ایک رات شہر میں رہ کر نکل جاؤ گے۔ لیکن تم نے بدعہدی کی تم شہر میں رہے اور تم نے مسلمانوں کے سامنے ہتھیار اٹھائے۔ ایسا کیوں کیا؟

بالیان شرم سے سر جھکائے ہوئے تھا۔ اس نے کہا: بیشک مجھ سے یہ قصور ہوا ہے۔ میرا ارادہ اہل و عیال کو لیکر نکل جانے کا تھا۔ لیکن ہرقولیس نے میرے لیے فتویٰ دیدیا کہ اگر میں اس حالت چلا جاؤنگا تو کافر ہو جاؤنگا۔ نیز مجھ پر عرصۂ زندگی تنگ کر دیا جائے گا۔ میں ان تہدیدوں کی وجہ سے رک گیا۔

سلطان: اب تم کس لیے آئے ہو؟

بالیان: میں آپ سے رحم کی درخواست کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔

رحم دل سلطان! میں سلطانی فتوحات سے واقف اور مسلمانوں کی بہادری کا قائل ہوں۔ اگرچہ ابھی تک قلعہ کے اندر ساٹھ ہزار نصرانی موجود ہیں۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ ان کی کثرت آپ کو مخوف اور ان کو فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ خدا اور خداوند کی مرضی پوری ہوگی۔ ارض مقدس پر آپ کا قبضہ ہوگا۔

جب یہ بات مقدم کر دی گئی ہے پھر لڑنے سے کیا فائدہ میں شہر اور شہر والوں کو حضور کے رحم پر چھوڑتا ہوں اور رحم دل سلطان سے ملتجی ہوں کہ خدا کے لیے اپنے محترم نبی (صلعم) کے صدقہ میں عیسائیوں پر رحم کیجیے یروشلم کے مسیحی باشندوں کو امان دیجیے!

؎ اذکار، زار صلیبیہ۔

سلطان کے چہرے سے غصہ اور جوش کے آثار ظاہر ہوئے اس نے کہا: "آج تم میرے سامنے رحم و کرم کی التجا لیکر آئے ہو۔ امان چاہتے ہو! کیا تم اس بات کو بھول گئے کہ تم نے مظلوم اور بیکس مسلمانوں پر کس قدر وحشیانہ اور سفاکانہ مظالم کیے ہیں وہ کونسا ستم ہے جو تم نے بے بس مسلمانوں پر نہیں کیا۔ تمہاری بربریت سے وحشی درندے بھی پناہ مانگنے لگے! بالیان آج سے پورا نوے برس پہلے کا واقعہ یاد کرو۔ جب اسی

؎ بیت المقدس نہایت متبرک مقام ہے۔ اس میں اکثر انبیائے علیہم السلام ہوئے پہلے مسلمانوں کا یہی قبلہ تھا تک معظم ہے اسی مقام پر مسجد اقصیٰ ہے۔ اسی جگہ سے حضرت محمد صلعم معراج کو تشریف لے گئے تھے۔ یہ عیسائیوں کے قبضہ میں تھا۔ اس میں اصلی پرستی کے بجائے تثلیث پرستی ہوتی تھی۔ اس پر حضرت عمر فاروق خلیفۂ دوم کے زمانہ میں مسلمانوں نے لشکر کشی کی ۱۵ھ میں یہ مقدس شہر بذریعہ صلح مسلمانوں نے فتح کیا۔ یہی وہ شہر ہے جہاں حضرت عمرؓ خود تشریف لائے۔ مسلمانوں نے شہر میں داخل ہو کر ایک عیسائی کو بھی آزار نہیں پہنچایا کسی ایک معبد گاہ کو بھی نہ چھیڑا بلکہ یہاں تک احتیاط کی کہ حضرت عمرؓ ایک شہر کے شہود اور عیسائیوں کے مقدس مقامات دیکھ رہے تھے۔ تو مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا۔ اس وقت آپ گرجہ کے اندر تھے۔ پادری نے آپکے لیے جا نماز بچھا کر کہا کہ آپ نماز پڑھ لیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں اس جگہ نماز پڑھوں گا تو مسلمانوں کے لیے نظیر ہو جائیگی اور وہ اسی گرجہ میں آ کر نماز ادا کیا کریں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ اس گرجہ کو مسجد بنا لیا جائے گا چنانچہ آپنے گرجہ سے باہر نکلکر نماز پڑھی ۱۵ھ سے ۴۹۱ھ تک شہر مسلمانوں کے قبضہ میں رہا۔ اس حالت میں [illegible] ترقی کرتا رہا۔ سوء اتفاق سے مسلمانوں میں نفاق ہو گیا۔ ان کی متحدہ قوت منتشر ہو گئی۔ عیسائیوں نے متفق و متحد ہو کر ۴۹۲ھ میں بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا ۴۰ روز تک مسلمان جی توڑ کر لڑے لیکن باہر سے کوئی امداد نہ آئی چنانچہ چالیسویں روز ۲۳ شعبان ۴۹۲ھ جمعہ کے دن صلیبیوں نے دوپہر کے بعد یہ شہر فتح کر لیا اور درندہ صفت عیسائی شہر میں گھس گئے۔ انہوں نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ نوجوان، مردوں، بڈھوں، عورتوں اور بچوں کو نہایت بیدردی اور سنگدلی سے ذبح کیا گیا۔ ان کے گھروں میں آگ لگا دی گئی۔ مسجدیں جلا ڈالیں۔ مسلمان عالموں کے کپڑوں پر تیل ڈال ڈال کر انہیں زندہ جلایا گیا۔ آٹھ روز تک مسجد اقصیٰ میں مسلمانوں کو قتل کیا جاتا رہا۔ چپہ چپہ بازار مسلمانوں کے خون سے سرخ ہو گئے (از حیات

بیت المقدس کو تمہاری قوم نے فتح کر کے پورے سات روز تک مسلمانوں کا قتل عام کیا
تھا کس بیدردی، شقاوت اور بیرحمی سے مسلمانوں کو ذبح کیا تھا۔ نوجوانوں کو جانے
دو۔ بوڑھوں۔ عورتوں اور بچوں کو انتہائی سنگدلی سے ہلاک کیا تھا۔ ذلیل سے ذلیل اور

سلطان صلاح الدین شہر کے تمام بازار، کوچے، گلیاں، مسجدیں، خانقاہیں اور محلے مسلمانوں کی لاشوں سے پٹ گئے۔ فاتحین (عیسائی) بھاگنے کی کوشش کرنے والے (مسلمانوں) کے تعاقب میں لاشوں کے ڈھیروں کو گھوڑوں کے سموں سے کچلتے ہوئے دوڑ رہے تھے۔ ریمنڈ ڈی اگائلس اپنی چشم دید کیفیت بیان کرتا ہے کہ مسجد کے صحن اور گنبد کے نیچے گھوڑوں کے گھٹنے اور لگاموں تک خون بھر گیا تھا۔ مورخ جو غلطی لکھتا ہے کہ مسلمان مقتولین کی تعداد دس ہزار سے بہت زیادہ تھی جو انہیں قتل کر رہے تھے۔ بیرون کے قریب پہاڑ مظلوم مسلمانوں کی چیخوں سے گونج رہے تھے (از مجاہد جلد اول صفحہ ۲۳۵) طیلاق کشت و خون میں کئی روز تک مشغول رہے صرف ایک مقام پر ستر ہزار مسلمانوں کو بکریوں کی طرح ذبح کیا گیا۔ خون کا دریا بہہ نکلا۔ بڈھے مسلمانوں کو مسجدوں کے میناروں پر چڑھا کر نیچے گرا دیا گیا جس سے ان کے جسم ریزہ ریزہ ہو گئے۔

معصوم بچوں کو نیزوں کی انیوں پر اچھالا گیا۔ عورتوں کی عصمت دری کی گئی۔ غرض کہ کوئی ظلم کوئی ستم ایسا باقی نہ رہا جو مسلمانوں پر نہ کیا گیا۔

اس کشت و خون وحشیانہ کی بدولت سارا شہر وحشت سے پٹ گیا تھا۔ راستے خون سے لبریز ہو گئے۔ آٹھ روز تک یہ لاشیں شہر میں پڑی سڑتی رہیں آٹھویں روز بقیہ السیف مسلمانوں سے لاشیں اٹھوا کر شہر کے باہر ڈھیر کے ڈھیر جمع کی گئیں اور ان پر تیل ڈال کر جلا دیا گیا۔ اس طرح کا قتل نہ کہیں دیکھا تھا اور نہ سنا تھا کس قدر مسلمان شہید ہو گئے اس کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ (از کارزار صلیبیہ)

یہ تمام اقتباسات عیسائیوں کی تاریخوں سے پیش کیے گئے ہیں۔ اس وقت عیسائی مجنوں ہو گئے تھے۔ انہوں نے جوش جنوں میں اس قدر مسلمانوں کو شہید کیا جس قدر کسی دوسری جنگ میں شہید نہ ہوئے تھے اس ہولناک قتل اور مہیب خونریزی کی داستانیں تاریخی صفحوں میں محفوظ ہیں یہ عیسائیت کا ایک ادنےٰ کارنامہ تھا۔

محمد صادق حسین — صدیقی — سردھنوی

کینہ سے کینہ لوگ بھی مذہبی پیشواؤں کو کچھ نہیں کہا کرتے لیکن عیسائیوں نے مولویوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر سنگسار کیا تھا۔ یہ بات تاریخ کے صفحوں سے دھو نہیں ڈالی گئی۔ گاڈفری اور ریمنڈ وغیرہ فاتحین بیت المقدس نے پوپ کو جو خط لکھا تھا۔ اس میں فتح کی خوشخبری کے بعد تحریر کیا تھا کہ اگر تم یہ معلوم کرنا چاہتے ہو کہ ہم نے اُن دشمنوں (مسلمانوں) کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے تو میں بتاتا ہوں کہ ہم نے انہیں اس قدر قتل کیا کہ رواق سلیمان اور گرجہ میں ہمارے گھٹنوں تک مسلمانوں کے ناپاک خون میں چلتے رہے۔ یہ سب باتیں میرے دل پر نقش ہیں میں اُن لوگوں پر کس طرح رحم اور مہربانی کر سکتا ہوں جنہوں نے میری قوم نہ صرف ستایا ہے بلکہ اُن کا خون دل کھول کر بہایا ہے۔" بالیان نے کہا، حضور والا نے جو کچھ فرمایا وہ سب صحیح ہے واقعی عیسائیوں نے مسلمانوں پر سفاکانہ مظالم کیے ہیں لیکن تاریخوں میں انہیں بیرحم، سنگدل، وحشی اور درندہ لکھا گیا ہے کسی ایک مورخ نے بھی عیسائیوں کی تعریف نہیں کی میں جانتا ہوں کہ سلطان رحم و کرم کا پیکر ہے آپ کو قہر و غضب سے زیادہ مہربانی محبوب ہے۔ عیسائی آپ کے قدموں پر گر پڑے ہیں آپ سے رحم کی التجا کر رہے ہیں انہیں ٹھکرا کر مایوس نہ کیجئے۔

سلطان نے کہا: میں نے ملک گیری کی ہوس میں لشکر کشی نہیں کی ہے دولت کی طمع مجھے یہاں کھینچ کر نہیں لائی۔ میں مسلمانوں کی اعانت کے لیے اٹھا ہوں بیگناہ کا انتقام لینے کے لیے یہاں آیا ہوں میں انسانیت سے عاری۔ بہائم صفت درندہ عیسائیوں پر کیسے مہربانی کر سکتا ہوں۔

بالیان نے عاجزی کے لہجہ میں کہا، شیر دل اور رحم پرور سلطان! عیسائیوں کو اُن کے مظالم کی سزا مل گئی۔ آپ نے قریہ، لوبیہ، حطین، طبریہ، بیروت، عکہ، عسقلان اور دوسرے مقامات پر جنہیں آپ نے فتح کیا ہے ایک لاکھ سے زیادہ عیسائیوں کو قتل کر ڈالا ہے اگر وہ ظلم و ستم نہ کرتے تو آپ مسلمانوں کی حمایت کے لیے نہ اٹھتے نہ اس قدر

---

[1] از تاریخ جہاد جلد سوم ضمیمہ صفحہ ۳۰۲۔

مسیحی مارے جاتے انہوں نے جیسا کیا اس کی سزا بھگتی اب ۸۰ ہزار بچا ہے بیوا لوٹ اور بےبس نصرانی آپ سے رحم و کرم کی بھیک مانگنے کے لیے آپ کے قدموں پر پڑے ہیں۔ آپ ان پر رحم کریں۔ جو شرائط آپ پیش کریں گے وہ قبول کی جائیں گی اور اگر آپ نے ہماری استدعا قبول نہ کی تو ہم عورتوں اور بچوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر ڈالیں گے۔ شہر میں آگ لگا کر خاک کا ڈھیر بنا دیں گے۔ یہ شہر جس قدر ہمیں عزیز ہے محبوب ہے پیارا ہے اسی قدر آپ کو بھی ہے لیکن خاک کا ڈھیر بن جانے کے بعد اس میں نہ ہماری کوئی یادگاریں قائم رہیں گی نہ آپ کی۔ اس کے بعد ہم خود ایک دوسرے کو قتل کر کے اپنا خاتمہ کر لیں گے۔ تاریخ میں ہمیشہ کے لیے آپ کے نام پر یہ دھبہ رہ جائے گا کہ عیسائیوں نے امان چاہی سلطان نے امان نہ دی۔ سب عیسائیوں کو قتل کر دیا۔ شہر کو جلا کر خاک اور ملبہ کا ڈھیر بنا دیا۔ اے ذی جاہ! رحم پرور اور عادل سلطان ہم پر رحم کر بیکسوں بےبسوں اور بے وارثوں پر رحم کر کے دعائیں لے۔

سلطان نے سر جھکا لیا۔ وہ کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے سر اُٹھا کر کہا۔ اگر تم میری شرائط منظور کر لو تو میں رحم اور مہربانی کا وعدہ کرتا ہوں۔

بالیان اس نوید جانفزا کو سن کر کمال مسرور ہوا۔ فرط مسرت سے اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس نے کہا۔ ہم سلطان کی شرائط منظور کریں گے۔

سلطان نے کہا۔ میری شرائط نہایت نرم ہیں میں کبھی تم پر رحم نہ کرتا تم سے مسلمانوں کا انتقام ضرور لیتا۔ لیکن تم نے بتایا ہے کہ تم اس مقدس شہر کو آگ لگا دو گے مسلمانوں کو یہ شہر نہایت عزیز ہے یہ مسلمانوں کا پہلا قبلہ ہے۔ اس میں حضرت سلیمانؑ کا تخت اور حضرت داؤدؑ کا محراب ہے۔ حضرت سلیمانؑ اور حضرت عمر فاروقؓ کی بنائی ہوئی مسجدیں ہیں کتنے پیغمبروں نے یہاں عمریں گزاری ہیں۔ ہمارے محترم نبی حضرت محمدؐ نے یہاں تمام پیغمبروں کی امامت کی ہے اس جگہ سے آپ معراج کو تشریف لے گئے تھے۔ اس میں ایک دروازہ کا نام باب الرحمتہ ہے جس میں داخل ہونے والا مومن

بہشت میں داخل ہو گا۔ حشر کے روز خدا کی مخلوق اسی جگہ جمع ہو گی میں اسے برباد کر کے اپنے نام پر کلنک کا ٹیکا لینا نہیں چاہتا۔ اب میں شرائط بیان کرتا ہوں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ جو عیسائی اپنی خوشی سے مسلمان ہونا چاہیں تم انہیں نہ روک سکو گے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ عیسائیوں کو تمام ہتھیار اور آلات حرب ہمارے حوالہ کرنے ہوں گے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ عیسائی باشندوں کو فی مرد دس دینار، فی عورت ۵ پانچ دینار اور فی بچہ دو دینار ادا کرنے ہوں گے۔ جو لوگ یہ جزیہ ادا نہ کریں گے وہ بطور غلاموں اور کنیزوں کے مسلمانوں کے قبضہ میں رہیں گے۔ بالیان نے دریافت کیا جو لوگ جزیہ ادا کر دیں گے کیا وہ اپنا مال لے کر نقل سکونت کر سکیں گے؟

سلطان: جو لوگ جزیہ دے کر جانا چاہیں گے۔ انہیں اپنا مال و اسباب لے جانے کی اجازت دے دی جائے گی۔

بالیان بہت خوش ہوا۔ اس نے کہا ہمیں آپ کی تمام شرائط منظور ہیں۔ آپ نے بے حد آسان شرطیں پیش کی ہیں ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں یہ کہتے ہی بالیان نے دروازہ کی چابیاں سلطان کے حوالے کر دیں۔ سلطان نے چابیاں لیتے ہی سجدہ شکر ادا کیا۔ بالیان واپس چلا گیا تھوڑی ہی دیر میں عیسائیوں کی فوجیں ہٹ گئیں انہوں نے ہتھیار اور آلات حرب مسلمانوں کے حوالہ کرنے شروع کر دیئے۔ مسلمان فاتحانہ بیت المقدس کے اندر اللہ اکبر کا نعرہ بلند کر کے داخل ہوئے۔ اس طرح وہ مقدس مقام جو مسلمانوں کا زیارت گاہ اور عیسائیوں کا دار مذہب تھا چورانوے سال کے بعد پھر مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ اس پاک شہر کے فتح ہونے سے سلطان صلاح الدین کی زندگی کا مقصد اعلیٰ پورا ہو گیا اور اس کا نام تاریخوں میں جلی قلم سے لکھا جا کر دائمی یادگار قائم کر گیا۔ مظلوم و بیکس مسلمانوں نے چورانوے سال کے بعد ظلم و ستم سے رہائی پائی وہ نہایت خوش ہوئے انہوں نے فتح کی خوشی میں تمام شہر میں چراغاں کیا حضرت عیسیٰؑ کی قیام گاہ حضرت محمدؐ کی معراج پر تشریف لیجانے کی جگہ بقعۂ نور بن گئی!

۲۱

سلطان صلاح الدین کی بےنظیر فیاضی

بیت المقدس کی فتح کی خوشخبری برق پر لگا کر تمام اسلامی دُنیا میں پہنچ گئی جس مسلمان تاجدار نے اس مدح افزا اور مسرت خیز خبر کو سُنا نہایت مسرور ہُوا۔ سب نے سلطان صلاح الدین کی خدمت میں مبارکباد کے خطوط مراسلے اور سفارتیں ارسال کیں۔ شاعروں نے نہایت جوش سے سلطان کی مدح سرائی کی ہر مسلمان اس قدر خوش ہُوا جیسے اُسے تمام دنیا کی سلطنت مل گئی ہو۔ دمشق جو مسلمانوں کا دارالسلطنت تھا جگمگا کے دُولہن بنا دیا گیا۔ تمام اسلامی ممالک میں چراغاں کیے گئے۔ جہاں ایک طرف مسلمان خوش ہو رہے تھے۔ وہاں عیسائی دُنیا میں غم و غصہ کا اظہار ہو رہا تھا۔ ایشیا اور یورپ کے تمام عیسائی بےچین ہو گئے تھے۔ گھر گھر صف ماتم بچھ گئی تھی۔ دنیا دار۔ امیر غریب۔ تاجدار اور مذہبی پیشوا سب تڑپ اٹھے تھے۔ سلطان نے بیت المقدس کے تمام عیسائیوں کو گرفتار کر لیا۔ اُن سے جزیہ طلب کیا گیا۔ بالیان اور ہرقولیس نے فہرستیں تیار کرنی شروع کیں چالیس روز میں فہرستیں مرتب ہوئیں۔ سلطان کے حضُور میں فہرستیں پیش کی گئیں۔ اس نے دربار کیا۔ یہ دربار دروازہ کے سرے پر منعقد کیا گیا سلطان تخت پر بیٹھا۔ ارکین سلطنت جو اُس کے ہمراہ تھے۔ سرداران لشکر اور معزز مسلمان قرینہ سے کرسیوں پر بیٹھے۔ بالیان اور عیسائیوں کا سب سے بڑا مذہبی پیشوا ہرقولیس بھی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ سلطان نے حکم دیا کہ جو لوگ جزیہ ادا کریں وہ

دروازہ سے باہر نکلتے جائیں جزیہ وصول کرنے کے لیے چند افسر مقرر کر دیے گئے۔ وہ عیسائی جو جزیہ دیکر بیت المقدس کو الوداع کہنے والے تھے۔ ایک جگہ جمع ہُوئے۔ اُس وقت اُن کے چہروں سے سخت رنج و غم کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ سب کے سب سر برہنہ ہو کر حضرت مسیح کی قبر پر پہنچے انہوں نے آنسو بہا بہا کر مقدس قبر کو تر کیا جیکہ مسیحی حضرت عیسٰے کی قبر پر کھڑے آنسو بہا رہے تھے۔ سلطان کے حضُور میں اس وقت عرب کا مشہور شاعر عماد اپنا قصیدہ پڑھ رہا تھا۔ سلطان اور مسلمان اس قصیدہ کو سُن سُن کر خوش ہو رہے اور اُسے داد دے رہے تھے۔ اس نے جوش میں آ کر ذیل کے چند اشعار پڑھے:۔

نزعت لباس الکفر عن قدسها — والبسها الدین الذی کشف اللبسا

بیت المقدس سے تُو نے کفر کا لباس اُتار ڈالا — اور اُسکو اس دین کا لباس پہنایا ہے تمام دینوں کی [illegible]

وعادت بیت الله احکام دینه — فلا بطرک القیت فیها ولا قسا

اللہ کے گھر میں دین کے احکام واپس آ گئے — نہ وہاں کوئی پادری رہا اور نہ قسیس۔

وقد شاع فی الآفاق عنک بشارة — بان آذان القدس قد بطل النقسا

تمام جہان میں تیری یہ خوشخبری مشتہر ہو گئی — بیت المقدس میں اذان سے ناقوس باطل ہو گئے

جرد بالذی تهوی القضا وظاهرت — ملائکة الرحمان اجنادک الحمسا

تقدیر نے جو چاہا تھا وہ ہو گیا — کہ تیری بہادر فوجیں جو خدا کے فرشتے [illegible]

جب عماد نے قصیدہ ختم کیا تو عیسائیوں کے گروہ جزیہ دے کر بیت المقدس سے رخصت ہونے کے لیے سلطان کے حضُور میں پیش ہُوئے۔ اُن میں نوجوان۔ مرد۔ بڈھے۔ عورتیں اور بچے سب ہی تھے اُن کا سامان خچروں۔ گدھوں اور گاڑیوں میں بار تھا۔ سلطان نے انہیں دیکھا وہ اُن کے زرد اور حسرت و یاس میں ڈوبے ہُوئے چہرے اور ڈبڈبائی ہُوئی آنکھیں دیکھ کر کمال متاثر ہُوا۔ اُس نے اُنہیں بڑھنے کی اجازت دی وہ بڑھ کر دروازہ پر پہنچے۔ یہاں جزیہ لینے والے افسر تعینات تھے۔ انہوں نے جزیہ

لے لیکر انہیں دروازہ سے باہر نکلنے کی اجازت دی۔ کئی گھنٹے تک ان لوگوں کا تانتا لگا رہا۔ انہیں بہت سے ایسے آدمی بھی شامل ہو گئے جن کے پاس جزیہ ادا کرنے کو نقدی نہ تھی ایسے لوگ چوری سے مسلمانوں کی نگاہوں سے بچ کر بڑی تعداد میں نکل گئے۔ بالیان نے نادار لوگوں کی طرف سے ۱۰ ہزار دینار دیئے۔ اس پر بھی ہزاروں عیسائی مرد عورتیں اور بچے ایسے باقی رہ گئے جن کے پاس ایک جزیہ بھی نہ تھا۔ عیسائیوں کی بیچارگی اور بے بسی دیکھ کر عام طور پر مسلمان متاثر ہو رہے تھے وہ لوگ جو جزیہ ادا نہ کر سکتے تھے۔ صف در صف سامنے کھڑے تھے وہ بخوبی جانتے تھے کہ اب غلامی ان کے لیے مقرر کر دی گئی ہے ان کے چہروں سے حسرت و غم ہویدا تھے۔ وہ آزاد ہو کر جانے والے عیسائیوں کو بڑی حسرت سے دیکھ رہے تھے۔ یہ کیفیت دیکھ کر ملک العادل بے چین ہو گیا۔ اس نے کھڑے ہو کر سلطان سے کہا اے رحم و کرم کی پیکر ذی جاہ سلطان! عیسائیوں کی بے کسی اور بے بسی دیکھ کر میرا دل تڑپ گیا ہے۔ دولت مند عیسائی ان نادار لوگوں کو ان کی حالت پر چھوڑ کر چلے گئے ہیں میں اپنے خدمات کے صلہ میں قیدی چاہتا ہوں مجھ کو عطا کیے جائیں۔ سلطان نے دریافت کیا۔ تم قیدیوں کو کیا کرو گے؟

ملک العادل: میں آزاد کر دوں گا!

سلطان: اچھا ایک ہزار قیدی تمہیں دیئے جائیں گے!

ملک العادل نے گن کر ایک ہزار قیدی لیے اور انہیں آزاد کر دیا۔ وہ لوگ دعائیں دیتے ہوئے چلے گئے۔ ان قیدیوں کے چلے جانے کے بعد ملک الافضل نے کہا! عالیجاہ مجھے بھی کچھ قیدی عطا کیے جائیں۔ سلطان نے اپنے بیٹے کی طرف دیکھ کر کہا۔

---

[1] جزیہ دار تو اپنے ساتھ تمام بیش قیمت سامان اور دولت لیتے گئے گویا کہ یہ اس قدر دولت تھی جس کا شمار ہی نہ ہو سکتا تھا مسلمانوں نے ان کی دولت یا بیش قیمت سامان سے کوئی تعرض نہ کیا۔ صرف جزیہ پر اکتفا کیا۔

(محمد صادق حسین صدیقی۔ سردھنوی)

جان پدر! تم قیدیوں کو کیا کرو گے؟ ملک الافضل نے کہا: میں آزاد کروں گا۔ سلطان نے کہا: آٹھ سو قیدی ہیں دیئے جاتے ہیں! ملک الافضل نے اٹھ کر آٹھ سو عمر مردوں عورتوں اور بچوں کو شمار کر کے آزاد کر دیا۔ اب بالیان نے کہا۔ اے رحم پرور سلطان! میں خدا اور دھرم کے نام پر آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ کچھ قیدی مجھے عطا کیے جائیں۔ سلطان نے کہا۔ بالیان تمہیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ تم نے تمہارے مشورہ پشت صلیبوں نے اور تمہارے مغرور بادشاہوں نے مسلمانوں پر وحشیانہ مظالم کیے ہیں۔ بیکس و بے بس مسلمانوں کو ذرا ذرا سی بات پر لوٹ لیا۔ قتل کر ڈالا۔ گھروں اور مسجدوں کو جلا ڈالا معصوم بچوں کو ذبح کیا۔ عورتوں کی پردہ دری کی جب ان باتوں کو یاد کرتا ہوں تو جوش و غضب سے خون میری رگوں میں کھولنے لگتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ عیسائیوں سے انتقام لوں جو لوگ میرے ہاتھ آئیں۔ انہیں قتل کر ڈالوں مگر میری خلقی رحمدلی مجھے رحم کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ میں انتقام کے جذبہ کو دباتا ہوں۔ تم نے خدا کے نام پر قیدیوں کی خواستگاری کی ہے میں تمہیں پانچسو قیدی عطا کرتا ہوں۔ بالیان نے سلطان کا شکریہ ادا کیا۔ فوراً پانچسو قیدی اور رہا کیے گئے۔ ہرقولیس نے عیسائیوں کو برانگیختہ کر کے مسلمانوں کے مقابلہ میں مدد کرنا رہا تھا اٹھا۔ اس نے کہا! عادل سلطان مجھے بھی قیدیوں کی خیرات عطا کیجیے۔ سلطان نے کہا۔ سات سو قیدی تمہارے حوالہ کیے جاتے ہیں۔ ہرقولیس نہایت مشکور ہوا۔ سات سو قیدی اس نے آزاد کرائے۔ اس قدر خیرات اور مراعات ہونے پر بھی ہزاروں قیدی باقی رہ گئے۔ اب سلطان نے باقی قیدیوں کی طرف دیکھا۔ ان لوگوں پر بے کسی برس رہی تھی۔ آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ دو تین عورتیں زار و قطار رو رہی تھیں۔ سلطان نے ان عورتوں کو قریب بلایا۔ یہ عورتیں نوجوان اور خوبصورت تھیں وہ قریب آئیں سلطان نے ان سے دریافت کیا تم کون ہو۔ کیوں رو رہی ہو۔ ایک عورت

---

[1] عیسائی مورخوں نے لکھا ہے کہ سلطان اپنے بھائیوں کو ہزار قیدی دیئے تھے لیکن عادل مورخ ایک ہزار لکھتے ہیں

نے کہا: غریب پرور اور رحم دل سلطان! ہم زائرہ ہیں۔ بیت المقدس کی زیارت کے لیے
آئی تھیں یہاں آکر گرفتار ہو گئیں۔ بیوہ ہیں، بے وارث ہیں جو کچھ ہمارے پاس تھا وہ
خرچ ہو گیا۔ اب سوائے اپنی بد قسمتی پر آنسو بہانے کے اور کیا کر سکتی ہیں۔ سلطان نے
کہا۔ میں نے تمام زائرین کو آزاد کیا۔ عیسائیوں نے سلطان کے اس شریفانہ حکم کو نہایت
حیرت اور مسرت سے سنا۔ انہوں نے سلطان کو چلا چلا کر دعائیں دیں اور سب کے
سب زائرین جن کی تعداد آٹھ سو سے زیادہ تھی چلے گئے۔ اب تین چار عورتیں سلطان
کے پاس آکر زار و قطار رونے لگیں۔ سلطان نے دریافت کیا۔ تم کیوں رو رہی ہو؟
اور کیا چاہتی ہو؟ ایک عورت نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ عادل سلطان! کل کی بات
ہے کہ ہم آزاد تھے اپنے عزیزوں کے پاس رہتے تھے اپنے بچوں کو سینے سے لگائے
ہُوئے تھے۔ آج ہم برباد ہو گئے۔ قسمت نے غلام بنا دیا۔ عزیز بچھڑ گئے بچے چھوٹ
گئے۔ جلاوطنی کا حکم ہو گیا۔ ہم نے زرِ فدیہ دیا۔ اپنی آزادی حاصل کر لی لیکن رحم پرور اور
عدل گستر سلطان! ہمیں آزادی کی کیا خوشی ہو جبکہ آپ نے ہمارے اُن بچوں اور عزیزوں
کو قید میں روک لیا ہے جو کہ ہماری زندگیوں کا سہارا تھے۔ اُن کو اپنے ساتھیوں سے
کھو دینے میں ہم نے اپنی آخری اُمیدیں دنیا کی مسرتیں اور دلوں کی راحتیں کھو دی
ہیں۔ اگر آپ ہم پر رحم کر کے انہیں ہمیں دیدیں تو کچھ ہمارے غموں کا بار ہلکا ہو
جائے۔ جلاوطنی کی مصیبتیں اذیت نہ دیں اور ہم زمین پر بے یار و مددگار نہ رہیں۔
سلطان اس کی غم اندوز گفتگو سے بہت زیادہ متاثر ہُوا اُس نے حکم دیا کہ تمام بچے اُن کی
ماؤں کو دیدیے جائیں۔ خاوندوں کو بیویوں کی پاس پہنچا دیا جائے۔ سلطان کے اس حکم
کی بھی تعمیل کر دی گئی اور اسی طرح سے کئی ہزار قیدی اور رہا کیے گئے۔ لیکن اب بھی ۱۳
ہزار قیدی رہ گئے۔ ان قیدیوں میں پانچ ہزار ایسے کمسن بچے تھے جو اپنے مصائب سے بے خبر
تھے اور جن کا محافظ کوئی عیسائی خواہاں نہ تھا۔

رحمدل سلطان نے ان قیدیوں کی طرف ۔ دیکھا وہ اُن کی بیکسی سے بالکل ہی پگھل گیا

دیکھ کر کمال متاثر ہُوا اُس نے کہا میرے بھائی ملک العادل نے قیدیوں کو آزاد کر کے
اپنی خیرات کی۔ میرے بیٹے ملک الافضل نے اپنی کی اور بالیان اور ہرقولیس بطریق
نے اپنی اپنی خیرات کی۔ اب میں اپنی بھی خیرات کرونگا۔ میں حکم دیتا ہوں کہ تمام معمر
آدمی آزاد کر دیے جائیں۔ سلطان کے اس حکم نے مردہ دل عیسائیوں میں نئی روح پھونکدی
وہ اس قدر خوش ہوئے کہ فرطِ مسرت سے ناچنے اور سلطان کو دعائیں دینے لگے اس
طرح ہزاروں بڈھے عیسائی آزاد کر دیے گئے۔ وہ منظر نہایت دلچسپ تھا جب معمر
آدمی سلطان کو دُعائیں دیتے ہُوئے بیت المقدس سے باہر جا رہے تھے۔ بقیہ قیدی
دمشق روانہ کر دیے گئے۔ سلطان نے دربار برخاست کیا۔ سلطان اپنے کاروبار
میں مصروف ہُوئے۔ ہم نے اسباب میں جس قدر واقعات بیان لیے ہیں سب عیسائیوں
کی تاریخوں سے اخذ کیے گئے ہیں۔ دنیا کی کوئی قوم کسی تاریخ سے سلطان صلاح الدین کی
سی فیاضی اور دریا دلی کی مثال پیش نہیں کر سکتی باوجودیکہ اُسے علم تھا کہ بیدرد سفاک
عیسائیوں نے مسلمانوں پر وحشیانہ اور انسانیت سوز مظالم کیے تھے۔ لیکن اس نے انتہائی
سیر چشمی اور رحمدلی اُن کے ساتھ برتی۔ سلطان کی فیاضی رحم احسان اور انسانیت و
شرافت کی نظیر تاریخ کے صفحوں میں مشکل سے ملتی ہے۔ تنگدل۔ بیرحم اور خود غرض
عیسائی دنیا بھی اُس کی اس شریفانہ فیاضی کا اقرار کرتی ہے۔ سلطان نے ۱۵ محرم ۵۸۳ھ
کو دمشق سے کوچ کیا تھا۔ ۲۷ رجب ۵۸۳ھ کو بیت المقدس فتح کر لیا۔ اس طرح اس
نے ساڑھے پانچ مہینے میں طبریہ حطین۔ عکہ تبنین۔ بیروت عسقلان اور بیت المقدس
فتح کر کے عیسائیوں کی قوت کا خاتمہ کر دیا۔

---

[1] از آرچر صفحہ ۸۰

۲۲

شاد کام محبت

جب سے بیت المقدس پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا، رایتِ اسلام بلند میناروں پر لہرانے لگا۔ بدقماش، شورہ پشت اور اوباش عیسائی اس مقدس شہر سے نکال دیئے گئے۔ غریب عیسائی اور مسلمان کاروبار میں مصروف ہوگئے تو سلطان اور اُس کے لشکر کو قدرے اطمینان ہُوا۔ انہوں نے وہاں چند روز قیام کرنے کا ارادہ کرلیا۔ سلطان نے الافضل، منصور، عبدالرحمٰن اور عبداللہ کو اس قدر دولت عطا کی کہ نہ صرف ان کے سابقہ نقصانات کی تلافی ہوگئی بلکہ وہ دولت مند ہوگئے۔ سعید کو بھی جس قدر اُس نے سیم وزر کی خواہش کی دیا گیا۔ یہ لوگ ایک وسیع محل میں ایک ہی جگہ قیام پذیر ہوگئے۔ ان میں بہت زیادہ محبت ہوگئی تھی، ایک دوسری کا ہمدرد اور خیر طلب تھا۔ انگینس کچھ دنوں تو دل برداشتہ سی رہی لیکن رفتہ رفتہ وہ بھی مانوس ہوگئی۔ یہاں تک کہ اب اسے مہ جبین اور عائشہ سے ایسی انسیت ہوگئی تھی کہ وہ بغیر ان کے ایک منٹ بھی تنہا نہ رہتی تھی۔ عائشہ نے کئی دفعہ اُسے مسلمان ہونے کی ترغیب دی۔ لیکن اس نے ٹال ٹال دیا۔

عائشہ اپنی والدہ زبیدہ پر مہ جبین کے ساتھ منصور کا عقد کرنے کے لیے زور دے رہی تھی۔ زبیدہ خود بھی چاہتی تھی منصور کی بھی خواہش تھی لیکن اُس کے لیے اطمینان کی ضرورت تھی۔ مدت کے بعد اب کسی قدر اطمینان نصیب ہُوا تھا کیونکہ

فی الحال سلطان کا ارادہ کسی اور شہر پر لشکر کشی کا نہ تھا۔ الافضل، انگینس کو بہت زیادہ پیار کرتا تھا۔ اس کا ارادہ بیت المقدس ہی میں رہنے کا تھا۔ اس نے طرح سے بچا کچھا سامان بھی منگا لیا تھا۔ جس مکان میں یہ لوگ ٹھہرے ہوئے تھے وہ اس قدر وسیع تھا کہ اس میں کئی کنبے رہ سکتے تھے۔ اس مکان کے عین وسط میں نہایت پُرفضا باغیچہ تھا۔ باغیچہ کے بیچ میں ایک مستطیل حوض تھا۔ اس حوض کی چار دیواری سنگِ مرمر کی تھی۔ حوض کے چاروں طرف گہری سبز گھاس کا لان تھا۔ اکثر یہ لوگ اس جگہ آتے اور گھنٹوں تفریح کرتے۔ بالخصوص مہ جبین عائشہ اور انگینس دونوں وقت صبح اور شام آتیں اور دیر تک ہنسی مذاق کرتی رہتیں۔ آج اتفاق سے انگینس تنہا آکر حوض کے کنارہ پر بیٹھ گئی۔ اُس کا منہ مشرق کی طرف تھا۔ آفتاب کی ہلکی ہلکی شعاعیں درختوں کی ڈالیوں سے چھن چھن کر آرہی تھیں اور پُرجمال انگینس کے گورے گورے گالوں پر پڑ پڑ کر نہیں جگمگا رہی تھیں۔ اس کی پیکر صورت دیکھ کر یہ معلوم ہوتا تھا کہ آفتاب کی شعاعیں اُس کی چکنے اور گورے رخساروں کے اندر جذب ہو ہو کر آنکھوں کو خیرہ کرنے والی چمک پیدا کر رہی تھیں۔ وہ خاموش سر جھکائے اپنی بڑی بڑی اور دلفریب آنکھیں پانی پر لگائے بیٹھی تھی۔ ابھی اُسے بیٹھے ہوئے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ سعید راہ کے بیچ سے نکلا۔ وہ آہستہ آہستہ دبے قدموں حوض کے کنارے پر خوبصورت انگینس کے پاس پہنچا۔ اس نے جلدی سے نئی کھلی ہو خمار اور تیر برسانے والی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ انگینس چونک پڑی۔ اُس نے اپنے نازک ہاتھوں سے سعید کے ہاتھ الگ کرتے ہوئے کہا۔ واہ وا! آپ نے مجھے ڈرا دیا۔ سنو! میں اس دل لگی کو پسند نہیں کرتی۔ سعید اس کے پاس بیٹھ گیا! اس نے کہا جفا پرور انگینس! تو کب تک اس قدر سنگدل رہے گی۔ انگینس نے برق پاش تبسم کے ساتھ سعید کو دیکھ کر کہا میں سنگدل ہوں۔

سعید: سنگ دل بھی موم ہوسکتا ہے لیکن تمہارا دل تو لوہے کا ہے!

انگینس: کاش میں سنگدل ہوتی۔ سعید! تمہیں یاد ہے میرے مرحوم باپ

نے تم سے کیا وصیت کی تھی۔ سعید نے تعجب اور خوف بھری نظروں سے اگنیس کو
دیکھ کر کہا! کیا وصیت کی تھی؟

اگنیس: انہوں نے کہا تھا کہ تم مجھے طبریہ کے بڑے گرجہ میں پہنچا دو!

سعید پر اچانک غم و فکر نے غلبہ کرنا شروع کر دیا۔ اس نے خوف و تفکر نظروں
سے اگنیس کو دیکھ کر کہا! کیا تم گرجہ میں داخل ہونا چاہتی ہو؟ اگنیس نے سر جھکا کر کہا
ہاں میرا ایسا ہی ارادہ ہے! سعید کا دل بحر الم میں ڈوب گیا اس نے حسرت بھری نظروں
سے اگنیس کے رخ روشن پر نظر ڈال کر درد بھری لہجہ میں کہا: "بیدرد اگنیس آج
تو نے میرا دل توڑ دیا ظالم اگر تیرا یہی ارادہ تھا تو تو نے اقرار محبت کر کے مجھے امید کیوں
دلائی تھی! اگنیس نے شرم افزا لہجہ میں کہا۔ وہ میری ناتجربہ کاری تھی" سعید نے ٹھنڈا
سانس بھر کر کہا: "خدا کی مرضی! میں آج تک اندھیرے ہی میں رہا!" اگنیس نے کہا۔
اب تم مجھے طبریہ کب لے چلو گے؟

سعید: جب تم کہو!

اگنیس: میں تو آج ہی چلنا چاہتی ہوں!

سعید: آج ہی سہی!

اگنیس چپ ہو گئی۔ سعید نے کہا! اگنیس تم جانا چاہتی ہو تو میں تمہیں روک نہیں
سکتا۔ میرا تم پر کوئی حق نہیں ہے۔ لیکن جفا پرور حسن تو نے میرا دل توڑ ڈالا ہے۔ تیرے
چلے جانے کے بعد میں زیادہ دنوں زندہ نہ رہوں گا۔ سعید کا دل بھر آیا۔ اگنیس نے
رحم خیز نظروں سے اسے دیکھ کر کہا۔ سعید! تم بدفال منہ سے نہ نکالو۔ میں رک
سکتی ہوں اگر تم میری ایک بات منظور کر لو۔ سعید کے حسرت بھرے چہرہ پر مسرت
کی جھلک نمودار ہوئی۔ اس نے جلدی سے امید بھرے لہجہ میں دریافت کیا "کیا؟"
اگنیس نے اپنی ہوشربا ہونٹوں سے اپنے دلدادہ پر تیر نظر کی بارش کرتے ہوئے کہا "
تم عیسائی ہو جاؤ!" سعید کی مسرت پھر رخصت ہو گئی پھر اس کے چہرہ پر حسرت و غم

نے قبضہ کر لیا۔ اس نے کہا! اگنیس تم مجھ سے میری ہر چیز لے لو لیکن ایمان میرا ہے۔
اسے میرے پاس رہنے دو۔ اگنیس نے لگاوٹ آمیز ادا سے اپنا نازک سر سعید
کے کندھے پر رکھ کر کہا! سعید میری یہ بات مان لو میں تمہاری ہوں تم بھی میرے
بن جاؤ" سعید نے اگنیس کا نازک سر اور گداز ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کسی قدر دباتے
ہوئے کہا! اگنیس میں تمہارا ہی رہوں گا۔ تم مجھے جو حکم دو تعمیل کروں گا۔ جان مانگو
بخدا تمہاری کر دوں گا۔ لیکن مذہب ——— " اگنیس اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔
اس نے کہا! مذہب تبدیل نہ کرو گے! سعید نے عاجزی کے لہجہ میں کہا: "ہاں مذہب
تبدیل نہیں کر سکتا۔ اگنیس اس کے لیے مجھے مجبور نہ کرو! اگنیس پھر بیٹھ گئی۔ اس نے
کہا: "ایک مرتبہ اور سوچ لو۔

سعید: میں نے خوب سوچ لیا!

اگنیس: انجام کیا ہوگا؟

سعید: میں ناکام و نامراد دنیا سے اٹھ جاؤں گا۔

اگنیس کا دل بھر آیا۔ وہ سعید کی گود میں گر گئی۔ اس نے کہا! سخت دل سعید! آج
تو نے مجھے جیت لیا تو مذہب نہیں چھوڑ سکتا۔ مگر میں چھوڑ دوں گی۔ یہ سن کر سعید کا دل
فرط مسرت سے اس کے سینہ میں اچھلنے لگا۔ چہرہ پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے۔ فرط انبساط
سے وہ بے قابو ہو گیا۔ اس نے جھک کر حور وش اگنیس کے نازک اور پھول کی پتی
جیسے گلابی لب چوم لیے۔ اس نے کہا۔ آج تم نے مسیحائی کی ——— ابھی
وہ اس قدر کہنے پایا تھا کہ ایک سریلی آواز آئی۔ خدا کی قسم مسیحائی کی" اگنیس جلدی
سے اٹھ کر اپنا دوپٹہ جو اس کے سر سے ڈھلک گیا تھا، ٹھیک کرنے لگی۔ سعید بھی
سنبھل گیا۔ ان دونوں نے اس آواز دینے والے کو دیکھا۔ یہ بھولی عائشہ تھی جو
مسکراتی ہوئی آ رہی تھی۔ عائشہ کمال خوبصورت تھی۔ اس کا چاند سے زیادہ روشن
چہرہ آفتاب کی شعاعوں میں اس قدر چمک رہا تھا کہ اس پر نظر نہ ٹھہرتی تھی۔ وہ

مسکرا رہی تھی۔ تیز قدمی سے چلی آ رہی تھی۔ اگنیس اسے دیکھکر شرمائی۔ اس کی ہوشربا آنکھیں جُھک گئیں۔ سعید پر بھی حیا طاری ہو گئی۔ عائشہ ان دونوں کے قریب آئی۔ اس نے کہا: پیاری اگنیس! شکر ہے کہ اب تم مسلمان ہو جاؤ گی۔ میں معافی چاہتی ہوں۔ اس وقت مجھے یہاں آنا نہ چاہیے تھا۔ لیکن میں تمہیں ایک خوشخبری سنانا چاہتی تھی۔ تم اپنے کمرہ میں نہ ملیں میں تلاش کرتی ہوئی یہاں چلی آئی۔ بھائی سعید! یقین ہے تم بھی مجھے معاف کرو گے!

عائشہ اگنیس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی اُس نے اُسے پیار سے بھینچکر سینہ سے لگایا دونوں کا منہ مل گیا۔ گویا دو چاند ایک جگہ جمع ہو گئے۔ اگنیس نے کہا۔ بھولی عائشہ وہ خوشخبری تو سُناؤ۔ عائشہ نے کہا: بھیا کی شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی! اگنیس نے پُوچھا کب مقرر ہوئی! کس سے شادی ہو گی؟۔

عائشہ: رات طے ہو گیا ہے۔ رحبین سے شادی ہو گی!

اگنیس خوش ہو گئی۔ اس نے کہا بہت ہی اچھا ہُوا۔ خدا کرے تمہاری شادی کی تاریخ بھی مقرر ہو جائے۔ عائشہ شرما گئی۔ اس نے شرمیلی نظروں سے اگنیس کو دیکھکر کہا: پہلے تمہاری شادی ہو گی۔ امی جان کہہ رہی تھیں۔ سعید نے جلدی سے دریافت کیا۔ کیا کہہ رہی تھیں؟

عائشہ: وہ کہہ رہی تھیں کہ جس روز اگنیس مسلمان ہو جائے گی۔ اسی روز اس کا بیاہ سعید سے کر دیا جائے گا۔

اگنیس شرما گئی۔ عائشہ نے پھر کہا: آج انہوں نے اپنا مذہب چھوڑ دینے کا اقرار کر لیا ہے۔ میں امی جان سے کہہ دوں گی۔ ابھی اس قدر گفتگو ہُوئی تھی کہ زبیدہ اس طرف آ نکلی۔ اگنیس اور سعید اسے دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے۔ عائشہ نے اس کی طرف بڑھتے ہُوئے کہا۔ امی جان اگنیس نے مسلمان ہونے کا اقرار کر لیا۔ زبیدہ کے چہرہ سے مسرت کے آثار ظاہر ہوئے۔ اس نے کہا۔ خدا کا شکر ہے۔ اگنیس میری

دلی تمنا یہی تھی۔ تم کب مسلمان ہو جاؤ گی۔ اگنیس نے سر جھکا کر جواب دیا۔ جب آپ حکم دیں!

زبیدہ: نیک کام میں دیر نہ کرنی چاہیئے۔ آؤ آج ہی مسلمان ہو جاؤ!

اگنیس: منظور ہے چلیے!

اب یہ سب یہاں سے چل کر بڑے کمرہ میں پہنچے۔ زبیدہ نے منصور کو بلا کر اگنیس کے مسلمان ہونے پر آمادگی ظاہر کرنے کی اطلاع دی منصور نے جلدی سے مسعود۔ اشرف عبدالرحمٰن۔ عبداللہ۔ الفضل کو بلایا۔ ایک آدمی سلطان کی خدمت میں بھیجا گیا۔ بہت جلد یہ سب لوگ جمع ہو گئے۔ سلطان مع اپنے بھائی ملک العادل اور بیٹے ملک الافضل کے آ گیا۔ مجمع میں اگنیس رُخ پر نورپر نقاب ڈال کر آئی۔ سلطان نے اس سے دریافت کیا: بیٹی اگنیس کیا تو اپنی خوشی سے مسلمان ہونا چاہتی ہے؟ اگنیس نے شرماتے ہُوئے لہجہ میں جواب دیا۔ جی ہاں اپنی خوشی سے! سلطان نے کہا۔ تو آج سے میری بیٹی اور تمام دُنیا کے مسلمانوں کی نورِ دیدہ ہو گی۔ میں تجھے بیٹی کا خطاب دیتا ہُوں۔

سلطان نے کلمہ شہادت: اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد ان محمد الرسول اللہ کی تلقین کی۔ اگنیس کے مسلمان ہونے سے تمام لوگوں کو بہت زیادہ مسرت ہُوئی۔ سلطان نے کہا۔ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب اسکا عقد کسی کے ساتھ کر دیا جائے۔ منصور نے کہا۔ حضور والا نے درست فرمایا۔ حضور نے سُنا ہو گا کہ اگنیس کو سعید اپنے ساتھ لایا تھا؟

سلطان: ہاں میں نے سُنا تھا۔ سعید کہاں ہے؟

ایک طرف سعید بھی سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اس نے دست بستہ ہو کر کہا۔ عالیجاہ! میں حاضر ہُوں۔

سلطان: سعید میں نے تمہاری تمام سرگذشت سُنی ہے۔ تم نے پادری کو بچانے کی کوشش کر کے انسانی ہمدردی کا ثبوت دیا ہے ایک انسان کا فرض ہے کہ دوسرے انسان کو خواہ وہ کسی ملت و مذہب کا ہو۔ مصیبت اور تکلیف کے وقت مقدور بھر

اعانت کرے۔ وہ بہاتم صفت انسان ہے جو اپنے ہم جنس کی تکلیف اور مصیبت میں مدد نہیں کرتا۔ بادولت تم سے بہت خوش ہیں۔ منصور نے کہا۔ اگر سعید سے انگیس کا عقد ہو جائے تو کیا ہرج ہے۔ سلطان نے کہا۔ نہایت مناسب ہے۔ بشرطیکہ انگیس اور سعید دونوں بخوشی منظور کریں!۔

منصور: انگیس کو سعید نے ہی مسلمان ہونے پر رضامند کیا ہے!

سلطان: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں عقد پر رضامند ہو جائیں گے!

منصور: ضرور!

سلطان نے سعید سے دریافت کیا۔ کیا تم انگیس سے عقد پر رضامند ہو؟ سعید نے سر جھکا کر جواب دیا۔ "حضور کے حکم سے انحراف نہیں ہو سکتا"!

سلطان: اب انگیس سے کون دریافت کرے!

منصور: میری بیٹی عائشہ دریافت کرے گی!

سلطان: اُسے بلاؤ!

منصور نے اشرف کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اُٹھ کر گیا اور اپنے ہمراہ بھولی عائشہ کو لے آیا۔ عائشہ کے منوّر چہرہ پر ہلکی جالیدار نقاب تھی۔ اس نقاب میں سے حُسن کی کرنیں چھن چھن کر نکل رہی تھیں۔ وہ انگیس کے پاس بیٹھ گئی۔ اُس نے آہستہ سے کہا۔ بولو سعید سے عقد منظور ہے؟ انگیس نے دبے ہوئے لہجہ میں جواب دیا: "اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو منظور ہے۔" عائشہ نے مسکرا کر کہا: "میری تو یہ مرضی نہیں۔"

انگیس: تم کیا چاہتی ہو!

عائشہ: تم شادی ہی نہ کرو!

انگیس نے شوخی سے کہا! شاید اُنہیں (سعید) کو تم پسند کرتی ہو!

عائشہ: یہ بات نہیں!

انگیس: اور کیا بات ہے!

عائشہ: میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔ اس لیے نہیں چاہتی کہ کسی کے ساتھ تمہارا عقد ہو!

انگیس: عائشہ آج تم مجھے دق کر لو۔ کل جب تم دولہن بنو گی۔ میں تمہیں دق کروں گی!

عائشہ۔ اچھا میں سلطان سے کیا کہوں؟

انگیس۔ جو تم مناسب سمجھو!

عائشہ: میں کہے دیتی ہوں کہ انہیں کہ سعید پسند نہیں!

انگیس: یہی کہہ دو!

عائشہ نے کس قدر بلند آواز سے کہا: بھائی جان۔۔۔ ابھی اس کا فقرہ پورا نہ ہوا تھا کہ انگیس نے اس کے چٹکی لی۔ عائشہ بھڑک اٹھی۔ اُس نے کہا۔ اُف کس قدر زور سے چٹکی لی ہے! انگیس نے دریافت کیا: تم کیا کہو گی؟"

عائشہ: میں کہے دیتی ہوں کہ یہ سعید سے عقد کرنے پر تیار نہیں!

انگیس: نہیں عائشہ یہ دیکھو!

عائشہ: اور کیا کہوں؟

انگیس: کہہ دو! مجھے منظور ہے!

عائشہ: تم خود ہی نہ کہہ دو!

انگیس: ہماری قوم میں یہ کوئی بُرائی نہیں۔ لیکن میں مسلمان ہو گئی ہوں۔ اس لیے مجبور ہوں۔

اشرف نے دریافت کیا۔ عائشہ کیا کہتی ہو؟ عائشہ نے کہا! انگیس کو منظور ہے۔ فوراً قاضی نے نکاح پڑھا دیا۔ اس طرح سب سے پہلے سعید اور انگیس کا نکاح ہوتے ہی اشرف اور دوسرے لوگوں نے سعید کو مبارکباد دی۔ سلطان نے ایک لاکھ روپیہ نقد انگیس کے جہیز میں سعید کو دیا۔ نکاح کے بعد یہ مجلس برخاست ہو گئی۔ سب لوگ اُٹھ اُٹھ کر چلے گئے۔ اب عائشہ نے سعید کو مبارکباد دی۔ سعید نے اس کا شکریہ ادا کیا۔"

دوسرے روز سے اشرف اور مہ جبین کی شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ اگرچہ
سلطان کا ارادہ دمشق واپس جانے کا تھا۔ لیکن الفضل اور منصور نے شادی کے وقت
تک ٹھہرنے کی استدعا کی۔ سلطان ٹھہر گیا۔ عقد کی تاریخ مقرر کر دی گئی تھی۔ دن گزرتے
دیر نہیں لگی۔ معینہ دن آگیا۔ الفضل اور منصور ایک ہی مکان میں تھے جس گھر سے
بارات چڑھنے والی تھی۔ اسی میں چڑھ کر آنے والی تھی۔ عقد کا وقت عصر اور مغرب کے
درمیان کا قرار پایا تھا۔ مہمان ظہر کے وقت سے آنے شروع ہو گئے تھے۔ مہ جبین
دولہن بنائی جا رہی تھی۔ وہ غسل کر چکی تھی۔ اس کے سیاہ اور کمر تک لمبے گیسو جو ریشم سے
زیادہ ملائم تھے۔ کھلے ہوئے پشت پر پڑے ہوئے تھے۔ چونکہ اس کے بال گھنگریالے
تھے۔ نہایت اچھے معلوم ہو رہے تھے۔ مشاطہ اس کے سامنے بیٹھی ہوئی بالوں میں تیل
لگا رہی تھی۔ اس نے بالوں کو اس کے روشن چہرہ پر ڈھک دیا تھا۔ ان بالوں کے رخ
انور پر پڑنے سے بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے چودہویں رات کے چاند پر بادل کا
سیاہ ٹکڑا آگیا ہو۔ تھوڑی دیر میں مشاطہ نے نہایت ہوشیاری سے کنگھی کر کے جوڑا
باندھا۔ سیاہ ناگن جیسی چوٹی میں سرخ موباف لگائی گئی۔ ریشمی جوڑا پہنایا گیا۔ مہ جبین
کو زیورات سے زیادہ شوق نہ تھا۔ صرف ایک گلوبند اس کی صراحیدار نازک
گردن میں باندھا گیا۔ سونے کا ہار گلے میں ڈالا۔ بازوؤں پر جوشن۔ نازک کلائیوں
میں طلائی پہونچیاں اور کانوں میں یاقوت کی جوڑی جس میں دو بیش قیمت ہیرے جڑے
ہوئے تھے پہنائے گئے۔ ان کپڑوں اور زیورات سے اس کے حسن میں چار چاند
لگ گئے وہ اس قدر حسین ایسی خوبصورت اور اس درجہ نورانی صورت والی معلوم
ہونے لگی کہ اس کی طرف آنکھ بھر کر دیکھا نہ جاتا تھا۔ مہ جبین تھی بھی بہت خوبصورت
اس کے پر نور چہرہ سے حسن کی جگمگاتی ہوئی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ آنکھیں نہایت
دلفریب اور ہوشربا تھیں۔ وہ رشک حور معلوم ہونے لگی تھی۔ جب مشاطہ اسے
بنا سنوار چکی تو وہ چلی گئی اور عورتیں بھی کام کاج میں مشغول ہو گئیں۔ اشرف سے جو

دیر سے اس تاک میں تھا کہ تنہائی ملنے پر وہ ایک نظر اپنی ملائک فریب محبوبہ کو دیکھ
لے۔ نظر بچا کر اس کمرہ میں داخل ہو گیا جس میں حور وش ناز آفرین مہ جبین بیٹھی تھی
مہ جبین اسے دیکھتے ہی شرما گئی۔ اشرف اس زاہد فریب حور کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو گیا۔
مہ جبین نے مسکرا کر کہا۔ آپ اس وقت کیوں تشریف لائے؟ اشرف حسن کی گہرائیوں
سے چونکا۔ وہ بڑھ کر حور ادا مہ جبین کے پاس پہنچا۔ اس نے کہا۔ میں حسن و جمال
کے منور آفتاب کو دیکھنے کے لیے آیا ہوں۔ مہ جبین نے شرمیلی نظروں سے دیکھ کر
کہا۔ دیکھ لیا! اب تشریف لیجائیے۔ اشرف نے محبت بھری نظروں سے دیکھ کر کہا
بیدرد ظالم! کہاں دیکھ لیا۔ خدا کی قسم اگر تیرے ہر عضو کو سو سو برس بیٹھا دیکھا کروں۔
تب بھی حسرت دید پوری نہ ہو۔ مہ جبین نے شوخی سے کہا۔ اس طرح تو حضرت نوح کی
عمر تمہیں صرف دیکھنے کے لیے چاہیے۔

اشرف: بیشک! مہ جبین! تو دنیائے حسن کا درخشاں آفتاب ہے۔

یہ کہہ کر اس نے مہ جبین کا نرم و نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر دبایا۔ ہاتھوں کے
مس ہوتے ہی دونوں کے جسموں میں برقی رو دوڑ گئی۔ دونوں نے ایسا کیف آگیں
لطف اور ایسی مدہوش کرنے والی کیفیت کا احساس کیا جو آج سے پہلے کبھی نہ ہوا
تھا۔ مہ جبین نے کہا۔ اشرف! ۔۔۔ بری بات ہے۔ تمہارا یہاں آنا۔ مجھ سے
باتیں کرنا۔ لوگوں کو مشکوک کر دے گا۔ خدا کے لیے جاؤ۔ میں بدنام ہو جاؤں گی۔ اگر
شوخ دیدہ انیس کہیں سے نکل آئی تو مفت میں ندامت اٹھانی پڑے گی۔

اشرف نے حسرت بھری نظروں سے جن میں محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی
تھی۔ حور طلعت مہ جبین کو دیکھ کر کہا۔ میں چلا جاؤں گا۔ ایک لمحہ نہ ٹھہروں گا۔ لیکن
ایک ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مہ جبین نے جلدی سے کہا۔ نہیں نہیں جاؤ۔ اشرف چلے جاؤ۔ اشرف نے
نے مہ جبین کی صراحی دار پر نور گردن میں ہاتھ حمائل کیے اور اس کا چاند سے زیادہ

روشن چہرہ اُوپر کر کے اُس کے لب لعلیں کو چوم لیا۔ مہ جبین شرم و حیا سے پسینہ پسینہ ہوگئی۔ ٹھیک اسی وقت کسی نے سُریلی آواز سے کہا: "محبت کی مہر ثبت ہوگئی"۔

اشرف نے اس آواز کے سُنتے ہی پرجمال مہ جبین کو چھوڑ دیا۔ دونو الگ الگ کھڑے ہوگئے۔ انہوں نے آواز دینے والے کو دیکھا۔ یہ اگنیس تھی جو کمرہ کے دروازہ پر کھڑی مسکرا رہی تھی۔ اشرف اور مہ جبین دونو پرستاران محبت پر شرم طاری ہوگئی۔ اشرف وہاں سے کھسک آیا۔ اگنیس آگے بڑھی اُس نے کہا: "مہ جبین آج تو چپکے چپکے محبت کا سبق پڑھا جا رہا تھا۔"

مہ جبین شرما رہی تھی۔ اس کی پُر خمار آنکھیں ازدیاد حیا سے جھکی جا رہی تھیں۔ اگنیس نے پھر کہا۔ میرے سامنے شرمائی جا رہی ہو۔ لیکن اشرف پر سیاہ مست اور نشلی آنکھوں سے سحر کاری کر رہی تھیں۔

ابھی مہ جبین کچھ جواب نہ دینے پائی تھی کہ سلطان کی آمد آمد کا غلغلہ ہُوا۔

اگنیس باہر نکل آئی۔ مہ جبین سنبھل کر بیٹھ گئی۔

سلطان آگیا تھا۔ اشرف نے کپڑے بدل لیے تھے۔ سلطان کے ساتھ تمام معزز لوگ اور لشکر کے افسر آئے تھے۔ تھوڑی دیر میں نکاح ہوگیا۔ ہر طرف سے مبارکبادی کا شور بلند ہُوا۔ شیرینی تقسیم کی گئی۔ مغرب کی نماز کے بعد رخصتی ہوگئی۔ سلطان اور دوسرے لوگوں نے دولہن کو بیش قیمت تحائف دیئے۔ ان تحفوں کی قیمت کا اندازہ ڈیڑھ لاکھ روپے سے زیادہ کیا گیا تھا۔

اس طرح عرصہ کی پریشانیوں۔ تکلیفوں اور مصیبتوں کے بعد اشرف اور مہ جبین کو اطمینان اور آرام نصیب ہُوا۔

تھوڑے دنوں کے بعد عائشہ کی شادی مسعود کے ساتھ ہوگئی۔ اب یہ سب نہایت آرام اور بے فکری سے ایام گذاری کرنے لگے۔

سلطان صلاح الدین کی زندگی کا مقصد اعلیٰ پُورا ہوگیا تھا۔ اس نے

مظلوم و بےکس مسلمانوں کو درندہ صفت عیسائیوں سے پنجۂ ظلم و ستم سے نجات دلا دی تھی۔ بیت المقدس کو فتح کر لیا تھا۔ عیسائیوں کی قوت کا خاتمہ کر دیا تھا۔ اب اُسے کوئی کام باقی نہ رہا تھا۔ وہ واپس دمشق اپنے دارالخلافہ میں چلا گیا۔ فقط!

ختم شُد

ہماری مطبوعات ایک نظر میں

فہرست کتب

خسیم بک ڈپو ۵۲۰ مٹیا محل جامع مسجد دہلی ۱۱۰۰۰۶

Rs. 50 /-

ہماری مطبوعات ایک نظر میں

فہرست کتب

جسیم بک ڈپو ۵۲۰ مٹیا محل جامع مسجد دہلی